Safar-e-Adab

BEING THE STRING OF YOUR KITE

www.safareadab.com

خالص الفتیں

عائشہ سلیمان

خالص الفتیں

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

از قلم عائشہ سلیمان

All Rights Reserved

Copyright: Ayesha Suleman (Author)

Published by: Safar-e-Adab

Published On: safareadab.com

To get published with us, contact us via email or website:

safareadab.com

safareadab@gmail.com

khanumaira@safareadab.com

adab@safareadab.com

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

Note: We don't charge anything to publish online. If anyone charges any kind of fee in order to publish your write-ups in the name of Safar-e-Adab, please don't try to go ahead with them and immediately report them using the contact us button on our website. Thank you

ضروری بات

خالص الفتیں کے تمام جملہ حقوق لکھاری "عائشہ سلیمان" کے نام محفوظ ہیں۔ کہانی کا کوئی بھی حصہ کسی بھی صورت میں کسی دوسرے پلیٹفارم یا سوشل میڈیا پر پوسٹ کرنے سے پہلے لکھاری کی اجازت درکار ہو گی۔ بغیر اجازت کہانی کا استعمال کرنے والوں پر سخت کاروائی کی جا سکتی ہے۔

اس کہانی اور اس میں موجود کردار محض تصوراتی ہیں۔ کسی بھی حقیقی کہانی یا انسان سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ کسی بھی طرح کی مشابہت کو اتفاق سمجھا جائے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

آغاز:

السلام علیکم!"خالص الفتیں "وہ تحریر ہے جسے میں نے ایک مقصد کے لیے لکھا ہے۔اس مقصد کو جاننے کے لیے یہ کہانی پڑھنا ضروری ہے۔چلیے ایک ساتھ اس مقصد کو جانتے ہیں.. شادی کہنے کو تو ایک خوبصورت رشتہ ہے لیکن یہ سب سے بڑا رسک ہے،ایک کامیاب شادی نسل سوار سکتی ہے اور ایک ناکام شادی نسلیں تباہ کر سکتی ہے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

اسلام آباد کے مشہور و معروف علاقے میں یہ گھر آباد تھا۔ گھر کی ایک ایک شے رہنے والے کے ذوق کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ آج گھر میں افرا تفری کا عالم تھا، ہوتا بھی کیوں نہ آج اس گھر کے بڑے سپوت کی منکوحہ آرہی تھی، سب کچھ اس کی مرضی کے مطابق تھا، سب کچھ اس کی پسند کا تیار کیا جارہا تھا۔ مختلف پکوان پکوائے جارہے تھے۔ اس کی ہر ایک چیز کا خیال رکھا جارہا تھا۔ ابھی کچھ ہی دیر میں اس کا منکوح حذیفہ ہاشم خان اسے لینے کے لیے ایئرپورٹ جانے والا تھا۔ کہنے کو تو ان کی پسند کی شادی تھی مگر دیکھنے والوں کو یہ ارینج ہی لگتی۔ کیونکہ وہ کبھی بھی ایک دوسرے کے ساتھ بہت زیادہ زیادہ فرینک نہیں ہوئے تھے، مگر ہاں جب بھی ایک دوسرے کو مخاطب کرتے تھے ہمیشہ عزت اور احترام کے ساتھ ہی کرتے تھے۔

****

وہ ایئرپورٹ پر پر کھڑا نظر چاروں طرف دوڑاتے ہوئے اس کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔

پھر اچانک سامنے سے اس کی منکوحہ آتی ہوئی نظر آئی۔ کالی جینز پر کالی ہی شرٹ ذیب تن کیے اوپر لال رنگ کا کوٹ پہن رکھا تھا، پاؤں میں لمبی ہیل نمایاں تھی، لمبے گھنگرالے بال پشت پر بکھرے ہوئے تھے۔ سیاہ گہری موٹی موٹی بادامی آنکھوں سے وہ چاروں طرف نظر دوڑا رہی تھی اور پھر اسے اپنا منکوح نظر آیا۔ وہ اس کے قریب چلی آئی۔

السلام علیکم! حذیفہ نے سنجیدگی سے نرم مسکراہٹ کے ساتھ سلام کیا۔

بھوری آنکھیں، پرکشش نکوش، بھورے بال، سحر کر دینے والا انداز، دھیما، نرم اور ٹھہرا ہوا لہجہ۔۔ حذیفہ خان یقیناً ایک خوش مزاج اور پرکشش شخصیت کا حامل تھا۔

وعلیکم السلام! مختصر جواب۔

کیسی ہو؟ بات کو بڑھانے کے لیے حال احوال پوچھا۔

الحمدللہ۔۔ وہی مختصر جواب۔

چلیں گھر پہ سب انتظار کر رہے ہیں۔

ہمم! آنکھوں میں الگ سی خفگی تھی۔

****

گاڑی اپنی منزل پر گامزن تھی۔ گاڑی میں گہری خاموشی چھائی ہوئی تھی جیسے گاڑی میں کوئی موجود ہی نہ ہو۔

گاڑی اپنی منزل پر آکر رکی، یہ ایک بے حد خوبصورت مینشن تھا۔ گاڑی سے دونوں وجود باہر نکلے اور اپنے استقبال میں کھڑے ہوئے لوگوں کو دیکھا اور پھر ریحام سب گھر والوں سے ملنے لگی جو اس کا انتظار کر رہے تھے۔ ان سے اپنی محبت کے آگے وہ بے بس تھی۔ یہ لوگ ہمیشہ اسے اپنائیت اور عزت سے پیش اتے تھے، کبھی کبھی تو اس سے خود کی قسمت پر رشک آتا۔

کیسی ہو ریحام بیٹا؟ دانیال خان نے نرم مسکراہٹ کے ساتھ اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے پوچھا۔

جی انکل الحمدللہ ٹھیک ہوں۔ آپ سنائیں آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ جواباً ریحام نے بھی خوش دلی سے استفسار کیا۔

الحمدللہ میں بھی ٹھیک ہوں بیٹا لیکن یہ انکل کیا ہوتا ہے؟ بابا بولو جیسے حذیفہ بولتا ہے۔

جی بابا،

اب وہ اپنی ساس، نند اور دیور سے مل رہی تھی۔

کیسی ہیں بھابھی آپ کو معلوم ہے میں نے آپ کو بہت مس کیا آپ تو ہمیں ایک عرصے بعد ہی نظر آتی ہیں، امل ہاشم خان کا انداز بہت ہی اپنائیت سے بھرپور تھا۔

وہ مسکرا کر اس کو دیکھنے لگی۔۔

تو تم آجایا کرو لاہور تم لوگوں کے تو بھائی کا وہاں گھر بھی موجود ہے پھر بھی نہیں آتے۔۔ ریحام نے مسکرا کر اسے جواب دیا۔

چلو باقی باتیں اندر جا کر کرتے ہیں بچی کو اندر تو چلنے دو باقی باتیں بعد میں کریں گے، رافعہ بیگم نے سب کو یہیں کھڑے باتیں کرتے دیکھ کر اندر جانے کا کہا۔

****

آپ کو سمجھ نہیں آتی میں نے کہہ دیا کہ میں اب آپ کی بہن سے اپنے بیٹے کا رشتہ قطعاً نہیں کروں گی۔۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے غازان میرا بیٹا ہے میں اس کی شادی اس کی مرضی سے کروں گی۔

میں نے تم سے اجازت نہیں مانگی نا ہی تمہارے بیٹے سے مانگی ہے اس کی شادی وہیں ہو گی جہاں میں کہوں گا، سامنے والے کو جیسے اس کی بات کا کوئی اثر ہی نہ ہوا۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

آپ مجھے دھمکا نہیں سکتے یاد رکھیں، رقیہ بیگم کا لہجہ یک دم سرد ہو گیا۔

غازان اپنی ماں کو سمجھا لو تمہاری شادی وہیں ہو گی جہاں میں چاہوں گا، وہ مٹھیاں بھینچ کر اپنے بیٹے سے مخاطب ہوئے۔

بابا میں شادی اپنی پسند سے کروں گا۔۔ غازان جو ابھی ابھی لاونج میں داخل ہوا تھا اس نے احتجاج کیا۔

اچھا تو اب تم بھی اس عورت کی زبان بولنے لگ گئے ہو؟ بھولو مت میں تمہیں اپنی جائیداد سے بے دخل بھی کر سکتا ہوں، وہ بلیک میلنگ پر اتر آئے۔

وہ سپاٹ چہرے سے ان کو دیکھ کر رہ گیا۔۔

ساری زندگی اپنی مرضی تھوپنے کے علاوہ آپ نے کیا ہی کیا ہے۔۔رقیہ شہریار مرزا بھڑک اٹھیں۔
تم گھٹیا عورت تم نے مجھے آج تک دیا ہی کیا ہے؟ ساری زندگی میری برباد کر دی میری ماں نے تمہارے ساتھ، عجیب جاہل عورت ہے۔وہ تیز آواز میں کہنے لگے۔

تم خود کیا ہو شہریار مرزا تمہارے ساتھ ایک عمر گزاری ہے میں نے، تم سے بہتر جانتی ہوں کہ ہم دونوں سے زیادہ گھٹیا کون ہے۔وہ استہزائیہ انداز میں بولیں۔
غاذان مرزا نے تاسف سے اپنے ماں باپ کو دیکھا یہ سب وہ بچپن سے دیکھتا آرہا تھا اب تو اس کی بس ہو چکی تھی دل میں ہمیشہ ایک ہوک اٹھتی تھی کہ کاش ان کی بھی ہیپی فیملی ہوتی مگر یہ کاش کاش ہی رہ گیا۔۔
اس نے گہرا سانس بھرا اور گھر سے نکلتا چلا گیا۔۔
یہ جنگ تو کبھی بھی ختم نہیں ہو سکتی تھی۔۔

*****

ریحام فریش ہونے کی غرض سے کمرے میں موجود تھی، لہذا اس نے فریش ہو کر سب سے پہلا فون اپنے بھائی کو ہی ملایا۔
ہیلو السلام علیکم؟
وعلیکم السلام۔۔غاذان کیسے ہو؟
الحمدللہ ٹھیک ہوں آپ سنائیں پہنچ گئیں اسلام آباد؟ غاذان نے اپنایت سے پوچھا۔
ہاں میں پہنچ گئی ہوں۔۔ریحام نے نرمی سے جواب دیا۔
خیریت ہے تمہاری آواز کیوں اتنی بجھی بجھی ہے، ریحام نے اس کی اواز میں پہلے جیسا جوش نہ پا کر سوال کیا۔

کیا بتاؤں وہی جو اس گھر میں ہوتا آرہا ہے آج بھی ماما پاپا کی میرے رشتے کو لے کر لڑائی ہوئی ہے، وہ بیزاری سے بولا۔

چھوڑو کوئی اور بات کرو ان کا تو روز کا کام ہے، ریحام کی طرف سے بھی بیزاری سے جواب موصول ہوا۔

خیر آپ سنائیں سب ٹھیک ہے آپ کے سسرال میں؟

الحمدللہ سب اچھے ہیں۔۔

ماہا کیسی ہے؟ ریحام نے بڑی محبت سے اپنی چھوٹی بہن کے بارے میں پوچھا۔

ٹھیک ہے وہ بھی ابھی تو یونیورسٹی گئی ہوئی ہے۔ غازان نے جواب دیا۔

اچھا چلو میں کل تک آجاؤں گی۔۔ ریحام کچھ اور بھی کہنے لگی تھی مگر غازان نے اس کی بات کاٹ دی

اتنی جلدی؟ اس نے حیرت سے پوچھا۔

ہاں تمہیں پتہ تو ہے کیس چل رہا ہے پہلے سے ہی کام اتنا پینڈنگ پڑا ہوا ہے اب اس سے زیادہ لیٹ کروں گی تو تم خود جانتے ہو کچھ مصروفیات بھی ہیں کچھ میٹنگز اٹینڈ کرنی ہیں۔۔۔ ریحام نے جواب دیا

میں تو بھول ہی گیا تھا آپ کا ٹرپ کیسا رہا؟

اچھا تھا سب بہترین ہو گیا اب بس دعا ہے کہ یہ کیس حل ہو جائے۔

انشاءاللہ سب اچھا ہو گا پریشان نہ ہوں۔۔ غازان نے اسے تسلی دی۔

میں تم سے کچھ دیر بعد بات کرتی ہوں۔

اللہ حافظ، کہتے ساتھ ریحام نے کال کاٹ دی۔

خدا حافظ۔۔۔

وہ گہری سانس بھر کے رہ گئی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی اذیت اور بے چینی نے لے لی تھی۔۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

****

ریحام باقی سب کے ساتھ کھانے کی میز پر موجود تھی۔سب اطمینان سے کھانا کھانے میں مصروف تھے کہ اچانک ریحام نے سب کے چہرے دیکھتے ہوئے بات شروع کی۔

"میں کل تک نکلوں گی۔"ریحام نے کھانا نکالتے ہوئے سب کو اطلاع دی۔

"بیٹا اتنی جلدی کیوں؟"دانیال خان نے حیرت سے سوال کیا

"بابا وہ میری کچھ میٹنگز ہیں اور کیس کا بھی آپ کو معلوم ہے کہ ابھی تک حل نہیں ہوا۔۔اب میں پہلے ہی کافی دیر کر چکی ہوں لندن کے اس ٹرپ کی وجہ سے۔"وہ انہیں احترام سے جواب دے رہی تھی۔

"چلو ٹھیک ہے ویسے بھی حذیفہ نے کل نکلنا ہی ہے لاہور کے لیے آفس بھی تو جانا ہے وہ تمہیں بھی ساتھ ہی لاہور لے جائے گا۔"دانیال خان نے چاولوں کا چمچ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا

جی۔۔وہ بس اتنا ہی کہہ سکی۔

"بھابھی آپ اتنی جلدی جا رہی ہیں ابھی تو مجھے آپ کو اپنے دوستوں سے بھی ملوانا تھا۔"امل کی بات ہے وہ مسکرائے بنا نا رہ سکی۔

"کیوں نہیں نیکسٹ ٹائم آؤں گی نا تو تمہارے دوستوں سے لازمی مل کر جاؤں گی اس بار ممکن نہیں اگلی بار وعدہ لازمی ملوں گی۔۔"وہ محبت سے اسے مطمئن کرنے لگی۔

"اٹس اوکے کوئی بات نہیں جیسے آپ مناسب سمجھیں ویسے بھی میں نے ابھی اپنے دوستوں سے بھی بات نہیں کی تھی۔"امل نے جواباً کہا۔

"ایک تو تم اور تمہارے دوست۔"زیان ہاشم خان نے تاسف سے اپنی چھوٹی بہن کو دیکھا جس کا ہر وقت دوست نامہ ہی ختم نہیں ہوتا تھا۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"آپ تو چپ کریں آپ کو کیا پتا لڑکیوں کی دوستی بہت زیادہ پائیدار ہوتی ہے۔" امل نے جیسے اسے بہت بڑی معلومات دی۔

"ہاں کیونکہ یہ لوگ صرف اور صرف بیوٹی ٹپس کے بارے میں ہی بات کرتی ہیں،" زیان نے اسے چھیڑا۔

"اللہ اللہ ہم تو صرف بیوٹی ٹپس کے بارے میں بات نہیں کرتے بلکہ پڑھائی کے بارے میں بھی بات کرتے ہیں اور بھی بہت ساری باتیں ہوتی ہیں آپ کو اس سے کیا کہ ہم جیسی بھی باتیں کریں دیکھ لیں بابا ان کو تو میں نے کچھ کہا نا تو ان کا منہ بن جائے گا۔۔" امل نے فوراً سے جواب دیتے دانیال صاحب کو شکایت لگائی۔

"امل بھائی سے آرام سے بات کرو یہ کیا طریقہ ہے؟" رافعہ بیگم نے اسے نرمی سے ٹوکا۔

امل نے منہ بنایا "سوری ماما!"

"زیان تم باز آجاؤ خبردار جو اب تم نے میری بیٹی کو تنگ کیا۔" دانیال خان فوراً سے اپنی بیٹی کی حمایت میں بولے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"میں تو یہاں کسی کا کچھ لگتا ہی نہیں ہوں سوتیلوں جیسا رویہ اختیار کیا ہوا ہے دیکھ لیں بھائی اب آپ؟" زیان نے اپنی نوٹنکی شروع کرتے ہوئے ساتھ ہی حذیفہ کو اپنی سائیڈ پر کرنا چاہا۔

ریحام بڑے مزے سے ان کی باتیں انجوائے کر رہی تھی آنکھوں میں ایک حسرت جاگی کہ کاش۔۔

پھر اس نے سر جھٹکا۔۔

حذیفہ نے حیرت سے اس کو دیکھا کہ ابھی تو وہ بہت نرمی سے ان سب کو دیکھ رہی تھی اب چانک سے آنکھوں میں سرد مہری کیوں آگئی؟

****

صبح سویرے کا وقت تھا۔لاہور میں داخل ہوں تو اس وقت ریحام مرزا اپنے آفس میں موجود تھی وہ آج صبح ہی لاہور آئی تھی اس نے سوچا گھر جا کے دن برباد کرنے سے بہتر ہے کام ختم کرے اور شام کو ہی گھر جا کے اکٹھے سب سے مل لے۔ویسے بھی کوئی اس کا انتظار نہیں کر رہا ہو گا سوائے اس کی بہن بھائیوں کے اب معلوم نہیں یہ صرف اسے لگتا تھا یا حقیقتاً ایسا تھا؟

ریحام شہریار مرزا ایک کامیاب وکیل تھی یہ مقام بڑی محنت اور لگن سے پایا تھا لیکن آج کل جس کیس پہ وہ کام کر رہی تھی وہ آسان نہ تھا اور وہ بھی اپنے کیریئر کے اس سٹیج پر جہاں لوگ اس کے پاس کیس حل کروانے کے لیے دوڑے دوڑے اتے تھے۔وہ فائل کی ورک گردانگی میں غرق تھی جب اچانک دروازہ ناک ہوا

آجائیں۔۔

"میم۔۔یہ عرفان درانی کے خلاف جو ثبوت آپ نے کہے تھے ان کی فائل ہے۔"

"گریٹ!اب اسے کوئی نہیں بچا سکتا۔"ریحام کی آنکھیں یکدم چمکنے لگیں۔

"ٹھیک ہے اب جائیں مہران صاحب۔"

"اوکے میم۔"مہران صاحب خاموشی سے نکلتے چلے گئے۔

****

تقریباً ایک مہینہ ہو چکا تھا، اسے لندن سے واپس لوٹے اور وہ اپنے کیس پر پوری دلجمی سے کام کر رہی تھی آج بھی وہ صبح صبح اپنے آفس جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ اس کا فون بجا۔

اس نے فون دیکھا فون پر حذیفہ کا نمبر جگمگا رہا تھا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر فون کان سے لگایا۔

السلام علیکم!

وعلیکم السلام خیریت اتنی صبح صبح؟؟؟ ریحام نے اپنا بیگ اٹھاتے ہوئے کہا۔

ہاں مجھے تم سے کچھ پوچھنا تھا کہ آج شام تم بزی ہو یا نہیں؟

کیوں؟ ریحام نے تعجب سے پوچھا

ایکچولی ایک دوست نے پارٹی پر انوائٹ کیا ہے اور تمہیں بھی ساتھ بلایا ہے۔

ٹائمنگ کیا ہے؟ ریحام نے جواباً کہا۔

آٹھ بجے۔۔ حذیفہ نے اسے وقت بتایا۔

ٹھیک ہے میں تیار ہوں گی تو مجھے اٹھ بجے پک کر لینا۔

اوکے۔۔ اس نے کال کاٹ دی۔ شاید وہ کچھ بزی تھا۔ ریحام نے حیرت سے فون کو دیکھا کیونکہ وہ زیادہ تر ایسے فون نہیں کاٹتا تھا۔

****

آج بدھ کا دن تھا۔ صبح کے نو بج رہے تھے۔ سورج پورے آب و تاب سے چمک رہا تھا اور گرمی بھی شدید تھی۔ ریحام سیڑھیوں سے اترتی نیچے لاونج میں آرہی تھی۔۔

جب اس کے پیچھے پیچھے ہی ماہا بھی نیچے اتر آئی "آپی آج آپ مجھے یونیورسٹی چھوڑ دیجیے گا آج ڈرائیور نہیں آئے گا۔۔"

"ٹھیک ہے پھر جلدی سے تیار ہو کر آجاؤ۔" وہ اسے کہہ کر باہر نکل گئی۔

دس منٹ میں وہ گھر سے نکل چکی تھیں۔

****

پورے پونے آٹھ بجے وہ اس کے گھر موجود تھا۔ جب وہ آٹھ بجنے میں پانچ منٹ پر سیڑھیوں سے اترتی ہوئی نظر آئی۔۔

اسے دیکھ کر اسے حیرت کا جھٹکا لگا۔
اس نے کبھی بھی ایسا بولڈ ڈریس نہیں پہنا تھا۔۔
ریحام کی امی کچن میں موجود تھیں اور باقی سب اپنے اپنے کمروں میں میں صرف وہ دونوں ہی لاؤنج میں موجود تھے حذیفہ نے اسے دیکھا اور پھر بہت نرمی اور شایستگی سے اس سے کہا
((ریحام چینج یور ڈریس اٹس ٹو بولڈ)

وہ اس وقت سلک کے کالے رنگ کے بغیر بازوں کے اور گہرے گلے کے ایک خوبصورت گاؤن میں موجود تھی۔ اوپر اس نے کندھوں کو ڈھانپنے کے لیے صرف ایک بلیزر رکھا ہوا تھا جو اس کے برہنہ کندھوں کو چھپانے کے لیے تھا مگر ابھی بھی اس کا گہرا گلا اور گہرے برہنہ بازو نمایاں ہو رہے تھے اور یہ بہت بولڈ لگ رہا تھا حالانکہ جس پارٹی میں وہ جا رہے تھے وہاں اس سے کئی گنا زیادہ بولڈ کپڑے پہنے جاتے تھے مگر حذیفہ کو اس کی ایسی ڈریسنگ بالکل پسند نہیں آئی تھی۔
"تم کچھ اور پہن لو بلکہ میں خود دیکھ کے بتاتا ہوں۔" وہ اسے لیے اوپر اس کے کمرے میں آ گیا اور اس کی کبرڈ سے اس نے اس کے لیے ایک خوبصورت گہرے سبز رنگ کا کہنیوں سے نیچے تک آتے بازوں والا گاؤن نکالا جو کہ بے حد خوبصورت تھا ریحام نے کپڑے بدل لیے مگر اس کا موڈ سخت اوف تھا۔۔

****

وہ دونوں پارٹی کے لیے نکل چکے تھے۔ گاڑی میں گہری خاموشی تھی۔۔ جیسے کوئی وجود گاڑی میں موجود ہی نہ ہو آخر کار گاڑی اپنی منزل پر آ کر رکی۔۔
اب وہ دونوں ایک ہیپی کپل کی طرح داخلی دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

اندر دونوں کے جانے والے بھی موجود مختلف دوست احباب اور کئی مشہور و معروف شخصیات بھی موجود تھیں۔

دونوں میزبان سے ملے اور آگے بڑھ گئے۔

****

"کہاں رہ گئے تھے تم؟" لڑکی نے خفگی سے پوچھا۔

"کہیں نہیں یار بس ٹریفک میں پھنس گیا تھا۔"

"اچھا چھوڑو چلو اندر چلتے ہیں فنکشن سٹارٹ ہونے والا ہے۔" زیان نے جلد بازی میں جواب دیا۔

"ہاں ہاں چلو جلدی کرو۔"

"زیان کل تم اس شہرین سے بات کیوں کر رہے تھے؟" اچانک لڑکی نے تیکھے انداز سے پوچھا۔

"یار وہ مجھ سے نوٹس مانگ رہے تھی۔" اس نے تفصیلی اگاہ کیا۔

"زیان تمہیں پتہ تو ہے مجھے وہ لڑکی بالکل نہیں پسند پھر بھی تم اس سے بات کرتے ہو۔"

"میں نے بات نہیں کی اس نے مجھے مخاطب کیا تھا میں نے بس اس کا جواب دیا اور نوٹس میرے پاس موجود نہیں تھے تو میں اس کو کیا دیتا؟"

"آئندہ میں تمہیں اس کو جواب دیتے ہوئے بھی نہ دیکھوں۔۔" اس نے غصے سے کہا۔

"ثنا یار تم اتنی چھوٹی سی بات کو کیوں بڑھا رہی ہو؟" زیان نے اکتا کر کہا۔

"تمہیں پتہ ہے نا مجھے کوئی بھی لڑکی تمہارے ساتھ برداشت نہیں۔۔" ثنا نے جواب دیا۔

"اچھا چھوڑو یار ان سب باتوں کو تم مجھے یہ بتاؤ کہ تمہارے بابا کب واپس آئیں گے تاکہ میں ممی پاپا سے بات کروں اور رشتہ لے کے آؤں۔"

"یار میں تمہیں کہا تو ہے ابھی مجھے خود بھی نہیں معلوم۔"

"یار تم دیکھو ہم کتنی دیر سے ساتھ ہیں اگر وہ نہیں آسکتے تو تو تمہاری ماما تو ہے نا میرے مام پاپا ان سے بات کر لیں گے۔"

"نہیں یار تم میرے پاپا کو نہیں جانتے وہ بہت زیادہ بات بڑھا دیں گے اور رشتہ تو کبھی بھی نہیں ہونے دیں گے۔" اس نے اسے سمجھایا۔

"اچھا چلو ٹھیک ہے لیکن یار کوشش کرو بس جلدی آجائیں۔"

"ہاں میں کوشش کروں گی۔" وہ دھیمی مسکراہٹ سے بولی وہ بھی اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔

****

حذیفہ اسے اپنے کسی دوستوں سے ملوا رہا تھا جب اس کے ایک دوست کی بیوی وہاں آئی۔

اوہ۔۔ حذیفہ تو یہ ہے تمہاری وائف؟

جی بھابھی یہ ہے ریحام۔۔ حزیفہ نے احترام سے جواب دیا۔

اوہ اچھا۔۔ ہائے ائی ایم ماریہ

ہائے۔۔۔ نائس ٹو میٹ یو

ویسے یار کیا جادو کی ہے تم نے ہمارے لڑکے پر اس کو تو ہم نے اتنی لڑکیاں دکھائی ہیں لیکن یہ تو کسی پر راضی ہی نہیں ہوتا تھا کیسے بنائی ہے تم نے اس کے دل میں جگہ؟

وہ دھیمے سے مسکرائی۔

"یہ جگہ بنانے والا کام مجھ سے نہیں ہوتا۔ میں ریحام مرزا ہوں مجھے دلوں کو فتح کرنے کا فن آتا ہے۔"

ماریہ ہونق بنی اس کو دیکھتی رہی پھر دھیمے سے مسکرائی۔۔ یہ مسکراہٹ کتنی مصنوئی تھی یہاں کھڑا ہر فرد جان سکتا تھا۔

ماریہ ایکسکیوز کرتی ہے وہاں سے چلی گئی۔

****

تم نے دیکھا یہ لڑکی کتنی ہوشیار ہے کیسے منہ پہ جواب دے رہی تھی۔

بالکل ایسی لڑکیوں کو میں بہت اچھے سے جانتی ہوں تبھی تو اس نے حذیفہ جیسے لڑکے کو قابو کر لیا۔

بالکل ماریہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔۔ دوسری لڑکی نے فوراً سے اس کی تائید کی۔

اچھا چھوڑ دو اپنا موڈ ٹھیک کرو۔۔ شانزے نے لاپرواہی کہا۔

****

اس وقت وہ دونوں ریحام کے گھر کے لیے نکل گئے تھے۔ حذیفہ اس کو گھر چھوڑ کر سیدھا اپنے گھر جانا تھا۔ حذیفہ کا آفس لاہور میں تھا، جس کی وجہ سے اس نے اپنا گھر بھی یہاں بنالیا تھا اور وہ لاہور میں ہی زیادہ تر رہتا تھا ویک اینڈ پر اسلام آباد ہوتا تھا۔

گاڑی اپنی منزل پر آکر رکی ریحام اترنے لگی پھر اسے دیکھا

"اندر آجاؤ سب سے مل کر چلے جانا۔" ریحام نے گاڑی سے اترتے ہوئے کہا۔

"نہیں آج دیر ہو گئی ہے پھر کبھی سہی،" حذیفہ نے منع کر دیا۔

وہ کندھے اچکا گئی اور گھر کے اندرونی حصے کی طرف بڑھ گئی.

وہ گہری سانس بھر کے رہ گیا نکاح کے ایک ہفتے کے بعد اس کا یہ رویہ تھا جبکہ وہ ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے ان کی بے شک اچھے سے انڈرسٹینڈنگ نہ تھی مگر اچھی بات چیت ہوتی تھی مگر اب تو جیسے اجنبی بن کر رہ گئے تھے وہ آج تک اس خفگی کی وجہ نہ جان سکا۔ وہ جب بھی اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا تھا، وہ کسی نہ کسی طرح اس ٹاپک سے جان چھڑوا لیتی تھی اسے اچھے سے یاد تھی آج بھی اپنی پہلی ملاقات بے شک ریحام بہت زیادہ گھلنے ملنے والی نہ تھی, مگر ایسی سرد مہری؟ وہ تو ان آنکھوں میں اپنے لیے

پسندیدگی دیکھنے کا خواہش مند تھا اب یہاں پر صرف ویرانی چھائی ہوئی تھی۔۔ ریحام چونکہ ایک وکیل تھی اس لیے حذیفہ کی ملاقات بھی اس کے آفس میں ہی اس سے ہوئی تھی وہ ایک کیس کے سلسلے میں ایک وکیل ہائر کرنا چاہ رہا تھا تب اس کی ملاقات ریحام سے ہوئی تھی اور پھر کچھ ہی ملاقاتوں کے بعد حذیفہ نے اسے پروپوز کر دیا اور آج وہ اس کے نکاح میں تھی حذیفہ نے نکاح پہلے اسی لیے رکھا تھا تاکہ وہ ایک دوسرے سے انڈرسٹینڈنگ کر سکیں مگر ان کی جو انڈرسٹینڈنگ پہلے تھی اب تو وہ بھی ختم ہو چکی تھی۔

****

پارٹی کو ایک ہفتہ گزر چکا تھا وہ دونوں اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہو گئے ریحام اپنے کیس پر ڈٹ کر کام کر رہی تھی کہ اسے دن رات بھولا ہوا تھا۔ آج ویک اینڈ تھا حذیفہ کو صبح صبح ہی اسلام آباد کے لیے نکلنا تھا اور آج اس کی کوشش تھی کہ ریحام سے بھی مل لے وہ اکثر مہینے میں ایک دفعہ اس سے مل لیتا تھا مگر آج وہ ویک میں اینڈ پر گھر جا رہا تھا تو سوچا ملتے ہوئے جاؤں۔

****

آج جمعہ کا دن تھا۔ اس وقت دوپہر کے دو بج رہے تھے۔ لاہور شہر کی طرف بڑھو تو اس کی چہل پہل معمول کی طرح جاری تھی۔

وہ اس کے آفس میں داخل ہوا، سب اسے جانتے تھے اس لیے کسی نے اسے روکا نہیں۔

اندر داخل ہوتے ہی اس نے ریحام پر نظر ڈالی جو کام میں بری طرح غرق تھی۔

السلام علیکم! حذیفہ خان نے سلام کیا

وعلیکم السلام! وہی مختصر جواب

"خیریت اتنی صبح صبح،" ریحام نے پوچھا

"ہاں سب خیریت ہے میں اسلام آباد کے لیے نکل رہا تھا سوچا تم سے ملتا ہوا جاؤں،" وہ سمجھ کر سر ہلا گئی۔

چائے یا کافی؟ اس نے انٹر کام اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

کافی، حذیفہ نے جواب دیا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ آج تمہیں بھی ساتھ ہی لے چلوں۔" حذیفہ نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔

"میں آج کل تھوڑا بزی ہوں پھر دیکھوں گی، ہو سکتا ہے نیکسٹ ویک چلوں۔۔" وہ سمجھ کے سر ہلا گیا۔

چلو ٹھیک ہے۔ اس نے مختصر الفاظ میں بات سمیٹ دی

چلو میں چلتا ہوں وہ کھڑا ہوتا ہوا اس کے قریب آگیا اس کی پیشانی پہ بوسہ دیا اور اللہ حافظ کہتا آفس سے نکلتا چلا گیا۔

ریحام کی آنکھوں میں نمی جھلکنے لگی اسے نکاح کے بعد کا وقت یاد آگیا تب بھی اس نے ایسی نرمی سے اس کی ماتھے پہ بوسہ دیا تھا اور آج دوسری دفعہ وہ اس لمس کو محسوس کر رہی تھی۔

مگر پھر اچانک سے آنکھوں کے پردوں میں کچھ تصویریں لہرائیں اور آنکھیں اذیت اور ضبط سے سرخ پڑیں، وہ کیوں انجان تھا ابھی تک دکھ ہی اس چیز کا تھا۔ ایسی لاپرواہی ایک بزنس مین پر جچتی نہیں تھی۔

خود پر سرد مہری کا خول چڑھا کر وہ کام میں جت گئی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

****

حذیفہ کے جانے کے ایک گھنٹے بعد وہاں ایک پیاری سی لڑکی ریحام کے آفس میں داخل ہوئی۔

کیا بات ہے وکیل صاحبہ بڑی ملاقاتیں ہو رہی ہیں؟ وہ یقیناً اسے چھیڑ رہی تھی۔

"ہو گئی تم آتے ہی ساتھ ہی شروع۔۔"

"ہاں اب تم ہمیں کہاں منہ لگاؤ گی بھئی میڈم کا نکاح جو ہو گیا ہے۔" وہ ابھی بھی باز نہیں آئی تھی۔

بکو مت، ریحام نے اسے جھاڑ پلائی۔

ہاں اب تو تم یہی کہو گی ویسے کیوں ائے تھے مسٹر؟

کیا مطلب اب اپنے شوہر سے ملنے کے لیے مجھے تمہاری اجازت کی ضرورت ہے؟ ریحام نے بھنویں اچکاتے ہوئے طنزیا سوال کیا۔

آہا، کیا بات ہے بہن تو تو شوہر والی ہو گئی ہے اب ہمیں کہاں منہ لگائے گی، فریال ابھی بھی باز نہیں آئی تھی۔

اب میں نے تمہیں دو لگا دینی ہیں، ریحام نے مصنوعی غصے سے کہا۔

اچھا اچھا چھوڑو اس بات کو تم سناؤ کیسی ہو؟ اس سے پہلے کہ وہ اسے اٹھا کر باہر پھینکی فریال لائن پر آ گئی۔

الحمدللہ بس دعا کرو اس کیس کے سلسلے میں۔

ہاں دیکھنا انشاءاللہ تم اتنی محنت کرتی ہو کامیاب ہی ہو گی اچھا میں تم سے ملنے ائی تھی اب میں چلتی ہوں۔

کہاں جا رہی ہو؟

بس گھر آوارہ گردی کر لی اب، فریال نے ہنستے ہوئے اسے آنکھ ماری۔

فریال یار تم باز آ جاؤ اپنی حرکتوں سے اور اب آنٹی جو کہتی ہیں نا وہ مان جاؤ اور شرافت سے گھر کے کام سیکھو آگے تمہاری شادی آ رہی ہے، ریحام نے اسے سمجھانا چاہا۔

"واہ واہ کیا بات ہے وکیل صاحبہ مشورے بھی دینے لگی ہیں اور تم تو نکاح کر کے تو بڑی سمجھدار ہو گئی ہو کون سا جادو کیا ہے حذیفہ بھائی نے تم پر؟ پوچھنا ہی پڑے گا ان سے۔"

تمہارا منہ توڑ دوں گی اگر اب تم کچھ فضول بولی تو، ریحام نے اسے جھاڑ پلائی۔

فریال نے منہ بنایا، اونو بولتی رہو مجھے کون سا فرق پڑنا ہے۔

تم نکلتی ہو میرے آفس سے یا میں تمہیں بتاؤں؟ ریحام نے اسے ڈانٹتے ہوئے کہا۔

اچھا اچھا جا رہی ہوں بھلائی کا تو زمانہ ہی نہیں ہے۔

ریحام نے نفی میں سر ہلایا یہ لڑکی کبھی نہیں سدھر سکتی۔۔ لیکن ایک بات تو ضرور تھی وہ جب بھی آتی تھی اسے دل سے خوش کر کے جاتی تھی۔ یہ ریحام کی واحد دوست تھی اور اسے اپنی یہ دوست بہت عزیز تھی۔

"*******

حذیفہ اس وقت اپنے اسلام آباد والے گھر میں موجود تھا۔ جہاں اس کے گھر والے موجود تھے اور آج تو اس کی سوتیلی پھپھو بھی موجود تھیں۔

بیٹا تم تو کمزور ہی ہو گئے ہو۔ جمیلہ ہاشم خان نے بڑی محبت سے اپنے بھتیجے سے پوچھا؟

نہیں پھوپو آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے میں تو سب کچھ کھاتا ہوں۔

ارے کھاتے پیتے تو ہو لیکن اپنا خیال تو نہیں رکھتے نا

آپ ٹھیک کہتی ہیں آپی، رافعہ دانیال خان نے کہا۔

ماما اب آپ بھی شروع ہو گئی ہیں؟ حذیفہ نے شکوہ کیا۔

ایک تو ماؤں کو یہ کیوں لگتا ہے کہ ان کا بچہ ان سے دور رہ کے کمزور ہو گیا ہے؟ زیان اپنی ٹانگ نہ اڑائے ناممکن۔۔

ارے یار چھوڑیں آپ لوگ تو ہمارے بھائی کے پیچھے ہی پڑ گئے ہیں ویسے بھائی بڑے خوش لگ رہے ہیں کہیں بھابی سے مل کر تو نہیں آئے؟ زایان نے حذیفہ سے پوچھا.

حذیفہ نے اس کی سب کے سامنے ایسی بات پر آنکھیں دکھائیں۔

مطلب واقعی مل کے آئے ہیں؟ اب وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

بھائی آپ تو بھابھی کے نام پر بلش کرنے لگتے ہیں۔

اب تو امل بھی شروع ہو گئی تھی۔۔ حذیفہ نے اپنے چھوٹے بہن بھائی کو دیکھا جو بنا بڑوں کا لحاظ کیے شروع ہو چکے تھے۔

سب کے چہروں پر مسکراہٹ آ گئی۔

****

وہ آفس سے تھکی ہاری ہوئی گھر میں داخل ہوئی گھر میں داخل ہوتے ساتھ سلام کیا اور اب لاؤنج کے صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔

ماما یار کھانا لگا دیں بہت بھوک لگ رہی ہے۔۔ اس نے رقیہ بیگم سے کہا

اچھا ٹھیک ہے تم جاؤ فریش ہو کر آؤ میں کھانا لگاتی ہوں۔

وہ فریش ہونے چل دی۔۔

وہ نیچے آئی تو کھانا لگ چکا تھا. اب وہ ڈائننگ ٹیبل پر اکیلی بیٹھ کر کھانا کھا رہی تھی باقی سب لاؤنج میں ہی موجود تھے کہ اچانک شہریار مرزا نے پھر سے وہی ٹاپک شروع کر دیا

"غازان تم مجھے آج فائنل بتاؤ تمہیں یہ شادی کرنی ہے کے نہیں؟"

"بابا میں آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں میں اپنی پسند سے شادی کروں گا۔۔" غازان نے جواب دیا اور پھر ان کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا جس کے تاثرات بدل رہے تھے۔

میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ انکار کا حق تمہارے پاس نہیں ہے اب تم لوگ بھی اپنی بہن کے نقش قدم پر چلنے لگے ہو اس نے تو کر لی اپنی مرضی اب تم لوگوں پر بھی میرا کوئی حق نہیں؟

بابا اگر وہ اپنی مرضی کر سکتی ہے تو ہم کیوں نہیں کر سکتے۔ ہم اپنی زندگی کا یہ اہم فیصلہ خود کرنا چاہتے ہیں یہ زندگی کا بہت بڑا فیصلہ ہے اس پر میں کسی پر بھی بھروسہ نہیں کر سکتا اور جب اللہ تعالی نے کہا ہے کہ ہم خود پسند کر سکتے ہیں تو پھر اس میں برائی کیا ہے آخر؟ غازان نے احتجاج کیا۔

مطلب تم لوگوں نے میری بات نہیں مانی؟ یاد رکھنا میری ایک بات اگر تم نے میری مرضی سے شادی نہ کی تو میں تمہیں عاق کر دوں گا۔۔۔ان کے ضبط کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

تو آپ مجھے دھمکیاں لگائیں گے؟ اس نے سپاٹ چہرے سے پوچھا

ہاں کیا کر لو گے؟ انہوں نے بھی اسے اکسایا

تو آپ اپنی یہ دولت اپنے پاس رکھیں مجھے نہیں چاہیے، اس نے سپاٹ چہرے سے کہا

تو ٹھیک ہے نکل جاؤ پھر میرے گھر سے یہ سارا قصور اس عورت کا ہے زندگی برباد کر دی اس نے میری اور اولاد کو بھی اپنے نقش قدم پر چلا رہی ہے میری اولاد کو بھی اپنے جیسی چال بازیاں سکھا رہی ہے۔۔۔وہ غصے میں آ کر گرجے۔

بس کر دیں بابا بہت ہو گیا کبھی تو کسی بات پر ہماری مرضی چلنے دیا کریں ساری زندگی آپ کی مرضی سے جیتے آئے ہیں۔اب زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ تو ہمیں خود کرنے دیں۔وہ انتہائی بے بسی سے کہہ رہا تھا۔

ریحام اور ماہا سپاٹ چہروں اور خالی خالی آنکھوں سے ان کو دیکھتی رہیں۔

میں نے تو جو کہہ دیا سو کہہ دیا اگر تم نے میری پسند سے شادی نہیں کرنی تو پھر میرے گھر سے نکل جاؤ۔۔ وہ غصے سے دھاڑے۔

ٹھیک ہے میں چلا جاتا ہوں۔اس نے جواباً کہا

اپنی ماں کو بھی لے کر چلے جاؤ میں اس عورت کو اب یہاں پر برداشت نہیں کر سکتا اور یاد رکھنا اگر تم نے میری پسند سے شادی نہیں کی تو میں تمہاری ماں کو طلاق بھی دے دوں گا۔

وہ آنکھوں میں بے یقینی لے کر انہیں دیکھتا رہا وہاں سب کے چہروں پر بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔رقیہ بیگم نے خالی نظروں سے ان کو دیکھا ساری زندگی کا یہ صلہ ملا؟

ریحام جو غصے سے کچھ کہنے والی تھی ماں کی آنکھوں میں بے بسی دیکھ کر لب بھینچ گئی۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

غازان کی آنکھوں میں بے بسی ہی بے بسی تھی تو ماں کی آنکھوں کی التجا اور وہ بے بسی دیکھ چکا تھا اس نے سرد سانس ہوا میں خارج کیا اور کہا ٹھیک ہے جہاں آپ کہتے ہیں میں شادی کرنے کے لیے تیار ہوں اور وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

شہریار مرزا فتح یابی مسکراہٹ رقیہ بیگم کی طرف اچھالی۔۔

ریحام آنکھوں میں سرد تاثر لے کر انہیں دیکھتی رہی۔ اپنی بے بسی پہ اسے خوب رونا ہے جسے وہ حلق میں اتارتی رہی اور خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

****

"امل باز کیوں نہیں آتی تم اپنی حرکتوں سے بیٹھ جاؤ نہیں تو میں نے تمہیں دو لگا دینی ہیں۔" رافعہ بیگم نے اسے گھر کا جو آئے دن اونٹ پٹانگ حرکتیں کرتی رہتی تھی یہ باپ اور بھائیوں کی ڈھیل اور بے جا لاڈ پیار کا نتیجہ تھا جو وہ اتنے نخرے دکھاتی تھی۔

"یار ماما آپ اتنا ڈانٹتی رہتی ہیں اکلوتی بیٹی ہوں، میں آپ کی بندہ پیار سے لاڈ سے بلاتا ہے۔ نہیں جی نہیں ہم کہاں لاڈ کریں گے ہم تو ڈھیر سارا ڈانٹیں گے، باتیں سنائیں گے، طنز کریں گے اور طعنے دیں گے۔۔"

امل نے منہ بگاڑتے سو شکایتیں کیں۔

رافیہ بیگم نے اسے سخت نظروں سے گھورا جس کی زبان دس فٹ لمبی ہوتی جا رہی تھی، ابھی وہ اسے گھورنے میں ہی مصروف تھی کہ اچانک گاڑی کا ہارن بجا۔

ماما یہ تو بھائی کی گاڑی ہے لگتا ہے بھائی آئے ہیں۔ اس نے خوشی سے لبریز لہجے میں کہا

حذیفہ اندر داخل ہوا اور آتے ساتھ سلام کیا اور امل تو بھاگی بھاگی بھائی کے پاس گئی کہ اب اسے کوئی بچانے والا آ گیا ہے۔

کیا اس کے سر پہ چڑھ کے بیٹھ گئی ہو جاؤ پانی لے کر آؤ بھائی کے لیے آتے ساتھ اسے تنگ کرنا شروع کر دیا ہے تم نے، رافعہ بیگم نے اسے گھر کا۔

لاتی ہوں، امل نے جیسے ان کے سر پر احسان کیا

اتنے میں دانیال خان اور زیان بھی ان کے پیچھے پیچھے آ گئے۔ امل ان کے لیے بھی پانی لینے کے چلی گئی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ماما پھر شروع ہو جائیں گی وہ کچن سے پانی لے آئی۔

"بابا یار آپ کی مسز ناہٹلر بنی ہوئی ہیں صبح سے مجھ سے کام کروائی جا رہی ہیں اور باتیں سنائی جا رہی ہیں،" امل نے آتے ساتھ ہی اپنے شکایتوں کا انبار لگا لیا۔

"کیوں بھئی میری بیٹی کو ڈانٹا جا رہا ہے؟" دانیال خان نے بیٹی کے لاڈ اٹھانے والے انداز میں پوچھا۔

"بابا چھوڑیں اس چڑیل نے تھوڑا سا کام کیا کر لیا آپ تو اس کے صدقے واری جا رہے ہیں۔۔" زیان نے اسے چھیڑا۔

ہاں کیا بات ہے میڈم نے تو کے۔ ٹو فتح کر لیا ہے نا۔۔ رافعہ بیگم نے طنزیا کہا۔

ان کی بات پر زیان نے قہقہہ لگایا۔ باقی سب بھی مسکرا دیے۔ وہ سب لاؤنج کے صوفوں پر بیٹھے تھے۔

کچھ کام کرنا سیکھ لو لڑکی اگلے گھر بھی جانا ہے زیان نے بھی ماں کے ساتھ اپنا حصہ ڈالا۔

لو بھلا مجھے کیا کام کرنے کی ضرورت ہے میرے پاس دو دو بھائی موجود ہیں مجھے کس چیز کی کمی ہے۔

عقل کی، زایان نے کہتے ساتھ ہی قہقہہ لگایا تو وہ خونخوار نظروں سے اسے دیکھنے لگی جیسے سالم ہی نگل جائے گی۔

"بابا!" امل نے احتجاج کیا۔

مت کرو بھئی میری بیٹی کو تنگ۔۔ انہوں نے زیان کو ڈانٹا۔

****

جب سے شہریار صاحب نے طلاق کی دھمکی دی تھی سب خاموش ہو کر رہ گئے تھے۔۔ سب ایک دوسرے سے نظریں چراتے پھر رہے تھے سوائے شہریار مرزا کے۔

آج غاذان کا رشتہ لینے جانا تھا لہذا اسی کی تیاری چل رہی تھیں اور ساتھ میں حذیفہ کو بھی گھر کے داماد کی حیثیت سے انوائٹ کیا تھا خوب تیاریاں چل رہی تھیں گھر کے سب افراد بے دلی سے کام کر رہے تھے۔ سوائے شہریار مرزا کے سب کے چہروں پر ہی بیزاری تھی چونکہ ریحام کا موڈ خراب تھا تو اس نے ان دنوں خود کو کام میں الجھا لیا ورنہ ضرور کوئی جنگ شروع ہو جاتی جس کا نتیجہ بہت برا نکلنے والا تھا چونکہ اب وہ اکیلی نہیں تھی اس کا نکاح ہو چکا تھا اس لیے وہ خاموش ہی رہی کیونکہ جانتی تھی اگر وہ اس بار بولی تو بات بگڑ جائے گی لہذا اس نے چپ ہی رہنا بہتر سمجھا۔

حیران تو شہریار مرزا بھی بہت تھے کیونکہ وہ جانتے تھے وہ خاموش رہنے والوں میں سے نہیں مگر پھر بھی ان کی اس کی خاموشی انہیں بری طرح ڈرا رہی تھی کچھ نہیں کچھ الٹا سیدھا نہ کر دے کیونکہ وہ اپنے خون سے اچھے سے واقف تھے آخر وہ انہی کی بیٹی تھی انہی کی طرح ضدی ہٹ دھرم اور مغرور اس کی رگ رگ سے واقف تھے وہ تو خود کہ لیے خاموش نہیں رہتی تھی اور اب تو اس کے جان سے پیاروں بہن بھائیوں کی مرضی کے خلاف رشتہ طے ہو رہا تھا۔۔

ریحام اس وقت اپنے بہن بھائیوں کی تعلیم کا خرچہ خود اٹھا رہی تھی غازان انجینئر بن رہا تھا اور ماہا ایئر لائن پائلٹ اس نے اپنے اٹھارہ سال کے ہونے کے بعد سے لے کر آج تک خود محنت کر کے کما کے کھایا تھا اور وکالت کی تعلیم بھی خود لندن میں جاب کر کے کنٹینیو کی تھی۔۔

گھر کے سبھی افراد تقریباً تیار ہو چکے تھے۔ حذیفہ بھی پہنچنے والا تھا مگر ریحام ابھی تک نہیں پہنچی تھی۔ اس نے گھر آنے میں بھی جان بوجھ کر دیری کی کیونکہ اگر وہ اس وقت اپنے باپ کی شکل دیکھ لیتی تو یقیناً کچھ

ایسا کہہ جاتی یا کر جاتی جس کا نتیجہ خطرناک حد تک نکل سکتا تھا۔ اس لیے اس نے گھر صرف دعوت سے نکلنے سے کچھ منٹ پہلے ہی پہنچنا تھا۔ ابھی بھی وہ بے دلی سے گاڑی ادھر ادھر گھمارہی تھی۔۔۔ اس کو عجیب سی بے بسی محسوس ہو رہی تھی کہ وہ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کے لیے کچھ نہیں کر سکتی۔ اس نے خود کو بامشکل سنبھالا اور گاڑی گھر کے راستے پر ڈال دی وہ گھر پہنچی اور بغیر کسی سے بات کی اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ اس کے آنے کے تقریبا دس منٹ بعد ہی حذیفہ پہنچ چکا تھا۔ وہ نیچے لاؤنج میں بیٹھا سب سے سلام اور اور حال احوال دریافت کر رہا تھا۔۔ کہ اچانک ریحام سیڑھیوں سے اترتی ہوئی دکھائی دی وہ اس وقت کالے رنگ کے خوبصورت لمبی قمیض کے ساتھ کالا ہی پجامہ پہنے شانوں پر کالے رنگ کا دوپٹہ اوڑے پاؤں میں مہرون رنگ کی ہیلز اور ہاتھوں میں مہرون رنگ کا ہی پرس پکڑے پشت پر کھلے ڈاک براؤن بال اور گہری آنکھوں میں ڈھیروں سنجیدگی لیے ہوئے تھے۔۔

حذیفہ کو دیکھ کر اس نے گہری سانس بھری اور سب گھر والوں کے سامنے خود کو نارمل کرتی ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ اس سے سلام اور حال احوال پوچھا اور پھر سب اپنی منزل پر روانہ ہوئے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

****

یہ ایک کھنڈر نما کمرہ تھا کمرے میں گھپ اندھیرا تھا۔ وہاں صرف اور صرف خاموشی کا راج تھا ایسے میں ایک وجود خون کا کسی سے بات کرتا ہوں نظر آتا تھا۔ وہ شخص پینتالیس سے پچاس سال کی عمر کے بیچ کا لگتا تھا۔

ہاں بتاؤ کیا ہوا؟ فون کے پار بیٹھے اس وجود نے پوچھا۔

"کچھ خاص نہیں یہ مچھلی اتنی آسانی سے ہاتھ انے والی نہیں۔" بہت پھسلتی ہے۔

کوئی نہیں ہے تو مچھلی ہی نا۔۔۔ کوشش کرتے رہو ہاتھ اجائے گی۔

ہمم۔!اچھا آگے بتاؤ آگے کا کیا پلان ہے ؟

کچھ خاص نہیں ویسے بھی تم بتا رہی تھی کہ مچلتی بہت ہے یہ۔۔ گھٹیا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

بالکل کیوں نہیں پورا پورا موقع ملے گا تمہیں بس ایک دفعہ ہاتھ تو آجائے پھر بے شک چاہے خود نگل لینا چاہے کسی اور کو بیچ دینا۔۔ فون کے پار اس وجود نے قہقہہ لگایا۔

چلیں لگتا ہے اب کچھ زیادہ ہی محنت کرنی پڑے گی

ہاتھ پیر تو مارنے ہی پڑیں گے اس وجود نے کمینے پن سے کہا۔

****

"امل اٹھو نماز پڑھو" رافعہ بیگم نے امل سے کہا جو کافی دیر سے فون میں گھسی بیٹھی تھی۔

مگر یہاں ہوش کسے تھا وہ تو اپنے ڈرامے میں مگن تھی رافعہ بیگم نے دو سے تین بار کچن سے ہی آواز لگائی مگر کوئی اثرات مرتب نہیں ہوئے ہوئے البتہ انہیں اپنے جوتا ہی اتارنا پڑا اور نتیجتاً جوتا سیدھا اس کمر میں لگا۔

آہ ماما۔۔۔ اس نے شکوہ کناں نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا

امل اٹھ جاؤ اس سے پہلے کہ میرا دوسرا جوتا بھی تمہیں لگے رافعہ بیگم نے اس سے کہا۔

اٹھ رہی ہوں اٹھ رہی ہوں ظالم عورت اس نے آہیں بھرتے ہوئے کہا

کیا ہو گیا ہے بھئی کیوں میری لاڈلی کو ڈانٹا جا رہا ہے ؟

اتنے میں دانیال صاحب آ گئے۔

یہ آپ کی لاڈلی نے مجھے تنگ کر رکھا ہے نماز پڑھنے کا کہو تو نماز نہیں پڑھتی کام کرنے کا ہو تو کام نہیں کرتی کیا کروں میں اس کا؟ کل کو اس کی شادی ہو گی تو اپنے گھر جا کر کیا کرے گی۔۔۔ وہ سخت عاجز آ چکی تھیں

اچھا آپ جائیں میں دیکھ لیتا ہوں انہوں نے انہیں مطمئن کیا تو وہ کچن میں چلی گئیں انہیں معلوم تھا کہ اب وہ خود ہی دیکھ لیں گے۔

ادھر آؤ دانیال خان نے پیار سے اپنے پاس بلایا۔

یہ سب کیا تھا ماما کو ایسے تنگ کرتے ہیں؟ انہوں نے نرمی سے سوال کیا مگر وہ ان کی نرمی کے کہنے پر ہی ہی شرمندہ ہو گئی۔

"بابا یار میں نے نہیں سنا۔" اس نے وضاحت دینی چاہی۔

اور کیوں نہیں سنا؟

وہ میں فون استعمال کر رہی تھی۔۔

دیکھو میرا بیٹا اللہ تعالی نے نماز فرض کی ہے اور قیامت کے دن سب سے پہلا سوال نماز کا ہی ہو گا تو دیکھو تو کیا تم اپنے رب کے سامنے شرمندہ ہونا چاہتی ہو؟ نماز وہ عمل ہے کہ اگر آپ کا نہ بھی دل چاہے تو اس کو ادا کرتے رہنا چاہیے کہ ایک نہ ایک دن تو اللہ آپ کی نماز میں روح ڈال دے گا اور آپ کی روح کو سکون پہنچائے گا پتہ ہے آج کل جو ہم نماز پڑھتے ہیں وہ سب بے روح ہیں بے جان ہیں وہ پڑھنے اور نہ پڑھنے کے برابر ہیں۔ مگر پھر بھی جب ہمیں کوئی تکلیف پریشانی یا کوئی دکھ ہوتا ہے تو ہم کس کے پاس جاتے ہیں اللہ کے پاس تو جب ہم اپنی تکلیف میں اللہ کو بتا سکتے ہیں اپنی مشکلیں اللہ کو بتا سکتے ہیں اپنے مطلب کے لیے اللہ کے پاس جا سکتے ہیں تو پھر اپنا فرض کیوں نہیں نبھا سکتے؟ تم خود سوچو کہ تمہارے پاس کوئی صرف اپنے مطلب کے لیے آئے اور کام ہونے کے بعد تم سے منہ موڑ لے تو تمہیں اچھا لگے گا؟ انہوں نے نرمی سے سوال کیا

نہیں۔۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

اسی طرح اللہ کو بھی انسان کی عادت نہیں پسند مگر دیکھو اللہ کتنا بے نیاز ہے کہ وہ پھر بھی ہماری غلطیوں کو ہماری کوتاہیوں کو معاف کر دیتا ہے۔ جب ہم اس کے پاس سچے دل سے جاتے ہیں اور نہ صرف ہمیں

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

معاف کر دیتا ہے بلکہ جب ہم اس کے پاس رو کر کوئی دعا مانگتے ہیں۔ کوئی اپنی مشکل لے کے جاتا ہے وہ اسے بھی حل کرتا ہے۔

جائیں اور جا کے نماز ادا کریں اور ماما کو بھی تنگ نہ کیا کریں، کام میں تھوڑا بہت ہاتھ بٹا دیا کریں بے شک زیادہ نہ کیا کریں۔۔ انہوں نے نرمی سے سمجھایا

اس نے جھٹ سر ہلایا۔۔۔

رافعہ بیگم ان کی باتیں پیچھے کھڑی سن رہی تھیں بے اختیار آگے کو آئی اور ان کے ساتھ ہی بیٹھ گئیں انہوں نے انہیں تسلی دی پریشان مت ہوا کریں بچی ہے پیار سے سمجھایا کریں سمجھ جائے گی۔

وہ نرمی سے مسکرا دیں۔

****

وہ لوگ واپس گھر آ رہے تھے سوائے شہریار مرزا اور حذیفہ کے سب کے چہرے خوشی سے تمتما رہے تھے۔

ان کی پھپھو نے رشتے سے صاف انکار کر دیا تھا یہ کہہ کر کہ ان کی بیٹی اس رشتے کے لیے راضی نہیں۔۔۔

اور سب کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے تھے سوائے شہریار مرزا کے جنہیں سخت سبکی کا احساس ہوا۔۔

جب کہ ان کی بہن نے نرمی سے ہی معذرت کر لی تھی

انہیں بے انتہا غصہ تھا کیونکہ وہ اپنی فیملی کو اتنی اکڑ دکھا کر رشتہ لے کر گئے تھے اور اب یہ انکار۔۔۔

حذیفہ تو اپنی جگہ حیران تھا کہ جاتے ہوئے ریحام کا موڈ اتنا سخت آف تھا اور آتے وقت خوشی سے پھولے نہیں سما رہا تھا البتہ اس نے اپنی خوشی کا اظہار نہیں کیا تھا مگر پھر بھی چہرے پر تھوڑی بہت رونق آ گئی تھی

چونکہ ریحام آتے اور جاتے وقت حذیفہ کی گاڑی میں موجود تھی اور باقی سب ایک ہی گاڑی میں موجود تھے۔

آخر کار حذیفہ نے پوچھ ہی لیا۔۔۔ خیریت ہے؟

ہاں کیوں کیا ہوا۔۔ ریحام نے نا سمجھی سے پوچھا

کیا تم اس رشتے کے لیے راضی نہیں تھی؟

نہیں! وہی مختصر جواب اور خاموشی۔

وہ اس کا جواب سن کر خاموش ہو گیا اسے حیرت تو ہوئی مگر اس پوچھنا گوارا نہ کیا۔

******

آج پھر وہ وجود بری طرح سے بکھر رہا تھا یہ تو ہر رات کا دستور تھا جہاں وہ وجود خود اکیلا ہوتا اور خود سے ایک جنگ لڑتا رہتا اس وقت بھی وہ وجود اپنے کمرے میں بیٹھا تڑپ تڑپ کے سسک رہا تھا آنکھیں رونے کی چغلی کھا رہی تھیں اور لال انگارہ ہوئی پڑی تھیں پتہ نہیں ایسا کون سا غم تھا جو اسے چین نہیں لینے دیتا تھا کون سی محرومی تھی جو اس سے اس طرح تڑپاتی تھی۔

یا اللہ کیوں میرے پاس کوئی رشتہ نہیں ہے۔ ناماں ناباپ اور نا ہی کوئی بہن بھائی،" وہ وجود اللہ سے شکوے کر رہا تھا اس سے سوال کر رہا تھا کہ اس کے ساتھ ایسے کیوں ہوتا ہے مگر وہ شاید یہ بھول گیا تھا کہ اللہ سے شکوے شکایتیں اور سوال جواب نہیں کیے جاتے اس سے بس مدد مانگی جاتی ہے دعائیں کی جاتی ہیں تاکہ اپنے دل کو مطمئن کیا جاسکے پُر سکون کیا جاسکے۔ وہ تو آزماتا ہے یہ تو ہم پہ ہے کہ ہم اپنی آزمائش پر پورے اترتے ہیں کہ نہیں اسے شکوے شکایتیں کرنے کے بجائے اس سے دعا مانگیں اس سے مدد مانگے۔

****

آج حذیفہ کی میٹنگ تھی وہ صبح ہی صبح اٹھ کر تیار ہو چکا تھا اور اس وقت وہ ناشتے کی ٹیبل پر موجود تھا۔ وہ اس وقت کالے رنگ کے تھری پیس میں موجود تھا۔ کوٹ کرسی کی بیک پر موجود تھا اور خود وہ سربراہی کرسی پر موجود تھا چونکہ وہ آج لاہور والے گھر میں تھا تو یہاں وہ اکیلا ہی رہتا تھا اس لیے تھوڑا بہت خاموش طبیعت ہو چکا تھا۔۔ ابھی بھی وہ خاموشی سے بیٹھا ناشتے کا انتظار کر رہا تھا اور کچھ سوچ رہا تھا۔۔۔

اچانک سے ملازمہ نے اس کے اگے ناشتہ رکھا۔۔

ناشتے کو دیکھ کر اس نے شکریہ ادا کیا اور ناشتہ شروع کر دیا۔

اتنی دیر میں وہاں ایک سامنے والے کمرے سے نکل کر آئیں۔

اماں اپ بھی ناشتہ کر لیں۔۔ حذیفہ نے ان کو مخاطب کیا وہ ستر سے اسی کے قریب کی ایک خاتون تھیں انہوں نے اسے محبت سے دیکھا ہاں بیٹا بس میں کرنے ہی لگی تھی۔۔

اچھا بیٹا اب بتاؤ رخصتی کا کیا خیال ہے؟ انہوں نے اس سے سوال کیا.

ان کے سوال پر وہ حیران ہوا پھر مسکرایا۔

"ابھی تو کوئی ایسا خیال نہیں مگر دیکھتے ہیں ابھی تو ریحام اپنے کیس پر بزی ہے وہ فارغ ہو گی تو میں بات کروں گا اس سے۔۔" اس نے نہایت ادب سے جواب دیا

"لو بھلا تم نے اس سے کیا بات کرنی ہے میں خود رافعہ سے بات کروں گی وہ ڈائریکٹ ان کے گھر والوں سے رخصتی کی بات کریں اور یہ کیس ویس تو ہوتے ہی رہیں گے۔۔" انہوں نے حیرانی اور تیز لہجے میں کہا۔

"نہیں! ابھی نہیں وہ بزی ہے اس طرح سے کام میں مشکل ہو گی ویسے بھی میں خود بھی نہیں ابھی چاہتا وہ سکون سے اپنا کام مکمل کر لے اور میں اس سے بات کر کے پھر ہی ماما سے بات کروں گا۔۔" حذیفہ نے انہیں مطمئن کرنا چاہا۔

"آج کل کے بچے کہاں سنتے ہیں ماں باپ کو تو کچھ سمجھتے ہی نہیں لو بھلا ہمارے زمانے میں تو لڑکیاں بولتی تک نہیں تھی اور آج کل جب تک ان کی مرضی سے کوئی کام نہ ہو اور تم تو ابھی سے ہی زن مرید بنے پھر رہے ہو۔" انہوں نے اسے لتاڑا۔

وہ بے اختیار ہنس پڑا۔ "اماں آپ بھی حد کرتی ہیں۔"

"ایسی بات نہیں ہے اماں وہ میری منکوحہ ہے اور اس کا مجھ پر اور میرا اس پر حق ہے اور میں ویسے بھی زور زبردستی کا قائل نہیں۔ وہ جیسے چاہے جب چاہے تبھی رخصتی ہو گی اور پھر وہ ایسے اچھا بھی تو نہیں لگتا کہ وہ اپنی شادی انجوائے ہی نہ کر سکے۔" وہ انہیں قائل کر لینا چاہتا تھا۔

"اچھا اچھا مجھے نہ سمجھاؤ اور مجھے بتاؤ اب ہم نے اسلام آباد کب جانا ہے؟"

"ابھی آپ کو آئے دو دن بھی نہیں ہوئے اور آپ نے جانے کی رٹ لگا لی ہے۔ اس لیے میں آپ کو لے کر نہیں آتا کیونکہ آپ آتے ساتھ کہتی ہیں کہ مجھے واپس جانا ہے۔۔" اس نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

"شرم تو نہیں آتی تمہیں ہاں دادی ہوں کہ یار ہوں تمہاری جو اس طرح سے بات کرتے ہو۔۔" آج وہ صحیح سے ڈانٹنے کے موڈ میں تھیں۔

"اچھا اچھا ابھی تو میری میٹنگ ہے ایک دو دن تک چلتے ہیں۔۔"

"ایک دو دن تک نہیں مجھے آج شام کو ہی جانا ہے لو بھلا تم تو مجھے اس گھر میں قید کر کے خود تم آفس چلے جاتے ہو اور رات کو آتے ہو میں کیا کروں سارا دن۔"

"آپ ایک کام کریں میرے ساتھ چلیں میں آپ کو ریحام کے آفس چھوڑ دیتا ہوں۔" وہ آپ کو اچھی کمپنی دے دے گی۔

"نہیں رہنے دو بچی کام کرے گی کہ میرے ساتھ لگی رہے گی۔"

"حد ہے اماں آپ تو کسی حال میں خوش نہیں ہوتیں ابھی آپ اس کی برائیاں کر رہی تھی ساتھ ہی آپ کو اس کا خیال آگیا۔۔" وہ جھنجھلایا۔

"لو بھلا میں نے کب برائی کی ہے وہ تو میں ایسے ہی کہہ رہی تھی اور وہ بھی مجھے تمہاری ہی طرح یہ عزیز ہے۔۔" انہوں نے برا مناتے ہوئے کہا

وہ مسکرا دیا۔ جانتا تھا وہ ایسے ہی کہہ رہی ہیں پیار اس سے بھی بہت کرتی ہیں۔

اچھا چلیں میں اس سے فون کر کے آپ کے سامنے پوچھ لیتا ہوں۔

حذیفہ نے فون اٹھایا اور ریحام کا نمبر ڈائل کیا تیسری بیل پہ فون اٹھا لیا گیا

حذیفہ نے فون سپیکر پہ ڈال دیا۔

ہیلو السلام علیکم! حذیفہ نے سلام کیا۔

وعلیکم السلام! وہی مختصر جواب۔

اتنی صبح صبح کال خیریت۔۔ ریحام نے سوال کیا۔

"ہاں سب خیریت ہے ایکچلی دادو لاہور میرے پاس آئی ہوئی ہیں تو بور ہو رہی تھیں اور وہ تم سے ملنا بھی چاہ رہی تھیں تو میں نے سوچا آج تمہارے آفس میں ملوانے لے آؤں۔۔" تحمل سے بات مکمل کی۔

اچھا چلو ٹھیک ہے میں ابھی آفس کے لیے نکل رہی تھی پھر وہی ملاقات ہوتی ہے۔۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

لیکن میری میٹنگ ہے اس لیے میں چاہ رہا تھا میں انہیں ڈراپ کر دیتا ہوں تو اس کے بعد میں لنچ کے وقت کے بعد انہیں پک کر لوں گا۔۔۔اس نے دل ہی دل میں دعا کی منع نہ کرے نہیں تو دادی کے سامنے بڑی عزت افزائی ہو جانی تھی۔

ٹھیک ہے انہیں ڈراپ کر دو۔۔مجھے آج کچھ خاص کام نہیں ہے اور جو ہے وہ میں شام کو کر لوں گی اس طرح میری آج چھٹی ہی کنسیڈر ہو جائے گی اچھا ہے میرے لیے۔۔۔

چلو ٹھیک ہے خدا حافظ۔۔

اللہ حافظ۔

"ثنا یار تمہارے بابا کب آئیں گے؟"اس نے کچھ اکتائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

"آجائیں گے تمہیں کیا اتنی جلدی ہے؟"اس نے بھی کچھ اکتائے ہوئے انداز میں ہی جواب دیا۔

"یار ہم دو سال سے ساتھ ہیں مجھے اس طرح نہیں پسند میں چاہتا ہوں ہم جلد سے جلد نکاح کر لیں۔۔"

اس نے تھوڑا سخت اور جھنجھلایا لہجہ اپنایا۔

ی"ار تم تو ایک بات کے پیچھے ہی پڑ گئے ہو کہا نا آجائیں گے ویسے بھی میرا اتنی جلدی نکاح کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔"اس نے لاپرواہی سے کہا۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا میں جلد سے جلد نکاح کرنا چاہتا ہوں۔اور چاہتا ہوں کہ تم اب یہ عجیب سی ڈریسنگ بھی چھوڑ دو میں نے تمہیں کتنی دفعہ کہا کہ یہ تم پر سوٹ نہیں کرتی تم ایک اچھی لڑکی ہو اچھا لباس پہنا کرو۔"زیان نے اس کے بغیر بازو والی قمیض کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایک منٹ میں کتنی دفعہ کہا ہے کہ مجھ پر روک ٹوک نہ کیا کرو مجھے یہ چیز نہیں پسند۔۔"اس نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

وہ بے بسی سے اسے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ اس کی اپنی بہن بھی بولڈ ڈریسنگ ہی کرتی تھی مگر اس طرح جسم کو نمایا کرنے والے کپڑے نہیں پہنتی تھی۔

****

ریحام اور فریال ریحام کے آفس میں بیٹھیں کافی سے لکف اندوز ہو رہی تھیں۔ ساتھ میں ہلکی پھلکی گپ شپ بھی جاری تھی۔

تم آج کل کس کیس پہ کام کر رہی ہو؟ فریال نے ریحام سے پوچھا۔

(میرشل ریپ) اس نے دکھ سے جواب دیا۔

"اوہ یہ تو بہت سینسٹو کیس ہے۔" فریال نے دکھ سے کہا اور کافی کا کپ لبوں سے لگایا۔

"اسی لیے میں اس پر زیادہ بات کرنا پسند نہیں کرتی۔ کیونکہ ہر کوئی اپ کا پوائنٹ اف ویو نہیں سمجھ سکتا۔ اور پھر کچھ مذہب کے لحاظ سے دیکھتے ہیں اور کچھ معاشرے کے تو سب کا پوائنٹ اف ویو الگ الگ ہے۔ مگر اگر قانون کے لحاظ سے دیکھیں تو یہ غلط ہی ہے۔" ریحام نے آرام سے جواب دیتے کافی کا کپ لبوں بہت سے لگایا۔

******

ڈیڈی مجھے نہیں پتا آپ دونوں کی وجہ سے میری زندگی ایک راز بن چکی ہے آپ دونوں اپنے تعلق کو دنیا کے سامنے لے کیوں نہیں آتے جب اپ لوگ اپنا تعلق بنا چکے ہیں تو اسے دنیا کے سامنے لانے سے اتنا

کیوں گھبرا رہے ہیں۔۔۔میں اب اس زندگی سے تھک چکی ہوں جس میں مجھے چھپن چھپائی کھیلنا پڑے میں اپنی زندگی کھل کر جینا چاہتی ہوں اور میں اس گھر میں اب نہیں رہوں گی۔

زینیا یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا؟ جمیلہ بیگم نے غصے سے کہا

میرے طریقہ کو چھوڑیں آپ لوگ اپنا دیکھیں شہریار مرزا اور جمیلہ ہاشم خان دنیا کی نظروں میں ایک خفیہ شادی کر کے بیٹھے ہیں بلکہ ایک جوان اولاد بھی موجود ہے اگر شادی کر لی تھی تو اسے دنیا کے سامنے کیوں لانے سے گھبرا رہے تھے اتنا ہی اپنی عزت کا خیال تھا تو کیوں مجھے پیدا کیا۔۔۔اس نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

زینیا تم بہت بگڑتی جا رہی ہو یہ کیسی زبان استعمال کر رہی ہو۔۔۔شہریار مرزا نے تیز لہجے میں کہا

آپ دونوں کے پاس اپنی اولادیں تھیں تو مجھے پیدا کیوں کیا ہاں بتائیں؟ وہ ان سے سوال کر رہی تھی۔

آخر کمی کیا ہے تمہیں سب کچھ تو ہے تمہارے پاس؟ جمیلہ ہاشم خان نے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہا

ماں باپ کی ایک خاندان کی ایک عزتدار خاندان کی پتہ ہے جس طرح ہم لوگ مجھے چھپا کر رکھتے ہیں مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے کہ میں ناجائز ہوں۔۔۔اس نے روتے ہوئے بے بسی سے چیخ کر کہا۔

"زینیا!" شہریار مرزا کی آواز بلند ہو گئی۔

مجھے نہیں پتا آپ لوگ خود سوچ لیں یا تو مجھے دنیا کے سامنے میرا وہ مقام دیں یا پھر میں آپ لوگوں کو چھوڑ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلی جاؤں گی۔ اس نے حتمی لہجہ اپنایا اور وہاں سے نکلتی چلی گئی۔

ریحام اس وقت تھکی ہاری آفس سے گھر آ رہی تھی۔ یہ ایک جدید طرز کا خوبصورت سفید رنگ کا محل تھا۔ گھر کے اندر داخل ہوتے ساتھ ہی سیدھا جاتے ساتھ ڈھیروں گاڑیاں موجود ہیں گیٹ کے رائٹ سائیڈ پر خوبصورت سالان تھا اور لان کے وسط میں خوبصورت لکڑی کا دروازہ تھا جسے کھول کر اس محل میں داخل ہوا جاتا تھا۔ ہر چیز رہنے والوں کے ذوق کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ گھر کے اندر لکڑی کے دروازے سے داخل ہو تو رائٹ پر خوبصورت اور وسیع لاؤنج تھا اور اس کے دائیں جانب قطار کے ساتھ خوبصورت کھلے اور ہوادار کمرے تھے لاؤنج کی بائیں جانب خوبصورت گلاس وال تھی اور اس کے ساتھ ہی سیڑھیاں تھیں۔ لاؤنج کے ساتھ ہی خوبصورت کھلا ہوادار اور خوشبو سے نہایا ہوا کچن تھا جس میں مزیدار پکوان پک رہے تھے۔ گھر آتے ساتھ ہی اس نے اپنی ٹائی ڈھیلی کی، کوٹ اتارا، پیروں میں موجود کالی لمبی ہیل اتاری۔ گہرے بھورے بالوں کو کیچر میں قید کیا وہ اس وقت ایک پراپر آفس لک میں تھی۔ اسے ٹائی لگانا بے حد پسند تھی اور اس پر جچتی بھی بہت تھی۔ حالانکہ یہ زیادہ تر لڑکوں کے شوق ہوتے ہیں مگر اس میں زیادہ تر عادتیں لڑکوں والی ہی تھیں۔

ریحام یہ کیا جگہ جگہ چیزیں پھیلا رہی ہیں۔۔ رقیہ بیگم نے اس کی بکھری ہوئی چیزوں کو دیکھ کر اسے لتاڑا

"ماما۔۔" میں بہت تھک گئی ہوں اس وقت تو میرا ہلنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا۔۔ اس نے ان کی ڈانٹ کے جواب میں کہا۔

"ریحام اب تم بچی نہیں رہی بڑی ہو جاؤ سمجھدار ہو گئی ہو اب تمہاری شادی ہونے والی ہے اب تو عقل کر لو۔۔" انہوں نے اس کی ایک نہ سنتے ہوئے اسے اچھی خاصی جھاڑ پلائی۔

وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔۔ کاش کبھی انہوں نے اس کی انکھوں کی حسرت اور مہرومیوں کا خیال کیا ہوتا ہے کبھی تو اسے اپنے سینے سے لگایا ہوتا کبھی اس سے پیار سے اس کی تھکاوٹ کا پوچھا ہوتا۔ مگر کچھ محرومیاں محرومیاں ہی رہتی ہیں۔ اس کی یہ محرومی بھی بچپن کی طرح آج تک محرومی ہی رہی۔

وہ ان کی بات کے جواب میں کچھ بھی کہے بغیر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

ہاشم خان کی دو بیویاں تھیں۔ ایک والدین کی پسند کی اور ایک ان کی اپنی من چاہی تھیں۔ اور ان دونوں میں سے ایک ایک اولاد تھی عالیہ بیگم جو کہ من چاہی تھیں ان سے دانیال ہاشم خان جبکہ نادیہ بیگم سے جمیلہ ہاشم خان تھیں۔ ہاشم خان کی پوری کوشش ہوتی کہ وہ نادیہ بیگم اور عالیہ بیگم کو ایک جیسے حقوق دے سکیں۔ مگر عالیہ بیگم ان کی محبوب بیوی تھیں۔ ان کی ذرا سی تکلیف پر وہ تڑپ اٹھتے تھے اور یہ چیز نادیہ بیگم کو اندر ہی اندر حسد کی آگ میں جلا رہا تھا۔ زندگی ایسے ہی گزر رہی تھی کہ اچانک نادیہ بیگم اس دنیا سے چلی گئیں۔ اس وقت جمیلہ ہاشم خان صرف سات سال کی تھیں۔ مگر جب تک وہ زندہ رہیں جمیلہ ہاشم خان کے دل میں ان کے رشتوں کے لیے بغض بھرتی رہیں۔ وہ خود تو چلی گئیں مگر اپنے اندر کا زہر جمیلہ ہاشم

خان کے اندر بھر گئیں۔ہاشم خان کی لاکھ کوششوں کے بعد بھی وہ ان سے اور عالیہ بیگم سے قریب نہیں ہوئیں۔ مگر وہ بچی تھیں انہیں کوئی نہ کوئی تو چاہیے تھا اس لیے وہ دانیال خان کے کافی قریب ہو گئی تھیں۔ دانیال خان اور ان میں صرف دو سال کا فرق تھا دانیال ہاشم خان نو سال جبکہ جمیلہ ہاشم خان سات سال تھیں۔۔ دانیال خان نے ہمیشہ ان کی ہر خواہش خان کی جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی ہاشم خان اس دنیا سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلے گئے۔ دانیال خان نے ہمیشہ ان کی ہر خواہش پر آمین کہا مگر بچوں کی ہر خواہشیں پوری کرتے رہو تو وہ بگڑ جاتے ہیں اور لڑکیوں کا بگڑ جانا تو لڑکوں سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔۔ آج بھی وہ دانیال خان کے لاکھ کہنے کے باوجود بھی اکیلی زندگی گزاری تھیں۔ مگر یہ صرف دنیا جانتی تھی کہ وہ اکیلی زندگی گزار رہے ہیں۔۔۔ جمیلہ ہاشم خان کے پاس انہوں نے دینے کے لیے بہت سارے دلائل تھے جو کہ دانیال خان کو غلط بھی نہ لگتے تھے۔ کبھی کبھی دانیال خان کو اپنی غلطیوں کا احساس بہت شدت سے ہوتا۔۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

ابھی ریحام کمرے میں آئی ہی تھی کہ اس کا فون بجا۔

اس نے فون پر نمبر دیکھا اور کان سے لگایا۔

السلام علیکم۔۔ حذیفہ نے نارمل انداز میں سلام کیا۔

وعلیکم السلام۔۔ کیسے ہو خیریت ہے اس وقت کال۔۔۔ جواباً ریحام نے سنجیدگی سے پوچھا

میں جب بھی تمہیں فون کرتا ہوں تم ایک ہی چیز پوچھتی ہوں خیریت ہے کیا میں تمہیں ویسے ہی فون نہیں کر سکتا۔۔۔ اس نے اپنائیت سے شکوہ کیا۔

نہیں بس اس لیے پوچھ رہی تھی کہ تم اس وقت کال نہیں کرتے نا۔۔اس نے جواباً سنجیدگی سے تفصیلی اگاہ کیا

اچھا خیر۔۔۔ماما کا فون آیا تھا وہ کہہ رہی تھیں ایک انویٹیشن آیا ہوا ہے شادی کے لیے قریبی رشتہ دار ہیں ہمارے اس لیے تمہیں بھی انوائٹ کیا ہے تو ماما چاہ رہی تھیں کہ تم بھی یہ فنکشن اٹینڈ کرو۔۔۔اس نے کال کرنے کی وجہ بیان کی۔

کب ہے فنکشن؟اس نے جواباً سنجیدگی سے سوال کیا۔

آج بدھ ہے ہفتے کو ہے فنکشن۔۔حذیفہ نے اسے آگاہ کیا۔

ٹھیک ہے میں تمہارے ساتھ چلوں گی۔۔اس نے سنجیدگی سے کہا

اچھا ٹھیک ہے اور بتاؤ اس وقت کیا کر رہی تھی؟آج وہ جیسے اس سے تفصیلی بات کرنے کے موڈ میں تھا۔

کچھ نہیں ابھی آفس سے آئی ہوں تھکی ہوئی ہوں۔۔اس نے تھکاوٹ سے بھرپور لہجے میں جواب دیا

چلو پھر تم آرام کرو۔۔میں پھر بات کروں گا۔۔اس نے اس کی تھکاوٹ کا خیال کرتے ہوئے کہا

اللہ حافظ

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

خدا حافظ۔۔ریحام نے جواباً کہا

یہ ایک بھیانک حقیقت تھی جس سے وہ اب تک نظریں چراتے آئے تھے۔بیس سال سے جس راز کو وہ چھپاتے آئے تھے وہ ایک دم سے سامنے آجائے گا تو اس کے اثرات کتنے بھیانک ہو سکتے ہیں یہ ان کو اچھے سے معلوم تھا اگر یہی اگر صرف بات خفیہ دوسری شادی کی ہوتی تو اتنا مسئلہ نہ تھا مگر اب یہ ایک ایسی حقیقت بن چکی تھی جس سے نہ تو وہ نظریں چرا سکتے تھے اور نہ اس کا سامنا کر سکتے تھے جب انہیں معلوم

ہوا تھا کہ ریحام ان کی دوسری بیوی کے بھتیجے کے ساتھ شادی کرنا چاہتی ہے تو یہ ان کے لیے سخت مشکل تھا یہ انہیں ایک بہت بڑی مشکل کی طرف دھکیل رہا تھا جب انہیں اس سب کا ادراک ہوا تو شہریار مرزا اور جمیلہ ہاشم خان نے بھرپور کوشش کی کہ یہ رشتہ کسی طریقے سے رک جائے مگر جمیلہ ہاشم خان جتنی بھی کوشش کر لیتیں مگر جب ان کی پوری فیملی یعنی حذیفہ کے ماں باپ اور بہن بھائی اس چیز کے لیے راضی تھے تو وہ ان کو کیسے روک سکتی تھیں وہ ویسے بھی تنگ نظر نہیں تھے کہ پسند کی شادی کو اتنا برا قرار دیتے تو جب یہ سارا معاملہ صرف شہریار مرزا پر آ گیا تو وہ سخت پریشان تھے کیونکہ شہریار مرزا کے لیے اس سارے معاملے کو ہینڈل کرنا ایک مشکل مرہلا تھا کیونکہ اگر تو یہ ان کی کوئی دوسری اولاد ہوتی تو یہ فورا سے مسئلہ حل ہو سکتا تھا مگر اب بات بھی ریحام مرزا پہ تھی ان کی وہ اولاد جو انہی کی طرح ضدی اور ہٹ دھرم تھی انہی کی طرح مغرور اور سخت دل اور اپنی ہر بات منوانے والی اس نے آٹھ سال سے اپنے باپ سے ایک روپیہ نہ لیا تھا خود کما کر خود کھاتی تھی نہ وہ ان کی محتاج تھی اور نہ ہی کوئی اور وجہ وہ کسی کو بھی اپنی زندگی میں اتنی اہمیت نہیں دیتی تھی کہ وہ اس کو انکار کر سکے یا اس کے یا کسی کے انکار سے اس کو کوئی فرق پڑتا ہو اسے وہ اپنی مرضی کی مالک تھی۔ یہ شہریار مرزا کے لیے ایک کٹھن مشکل تھی جنہیں انہیں حل کرنا تھا مگر جب معاملہ ہاتھوں سے نکلتا ہوا نظر آیا اور کسی طریقے سے بھی وہ ریحام کو ہینڈل نہیں کر سکے تو مجبوراً انہیں حذیفہ اور ریحام کا نکاح کرنا پڑا کیونکہ اگر یہ ان کی کوئی اور اولاد ہوتی تو اسے غصہ دکھا کے آنکھیں دکھا کر معاملہ حل کر لیتے مگر یہ ریحام مرزا تھی اور ان کی باقی اولاد تو ویسے ہی ان سے خوف کھاتی تھی مگر ریحام آج تک اس نے نہ کبھی خوف کھایا تھا وہ انہی کی طرح تھی ضدی ہٹ دھرم غصے کی تیز اور جو منہ میں آیا بول دیا اسی لیے تو شہریار مرزا اسے خود سے دور رکھتے تھے ان دونوں کے درمیان ایک اجنبیت آ گئی تھی۔ انہیں کہاں گوارا تھا کہ ان کی اولاد ان کے سامنے کھڑی ہو جائے اور وہ تھی بھی ایک کھرے مزاج کی لڑکی تھی مگر وہ جو بھی کہہ لیتے وہ ان کی اولاد تھی اس سے انسیت تو فطری تھی مگر

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ بچپن میں ان کے سب سے قریب سب سے زیادہ لاڈ اٹھاتے تھے۔ بس اب کچھ دوریاں اگئی تھیں۔
کبھی کبھی ماں باپ اپنی اولاد کو صرف اس لیے اگنور کرتے ہیں کہ وہ ضدی ہیں جبکہ ضدی بچے زیادہ وقت مانگتے ہیں انہی کو تو سمجھنے میں دیر لگتی ہے کہ آخر ایسی کیا وجہ ہے کہ وہ اس طرح کا برتاؤ کر رہے ہیں ان بچوں کو ماں باپ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے
مگر ماں باپ اس چیز کو سمجھتے ہی نہیں اور انہیں خود سے الگ کرنا شروع کر دیتے ہیں تب ہی تو بچے باغی ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

اس وقت حذیفہ آفس جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ بھورے بال ماتھے پر پڑے تھے، بھوری آنکھوں کی چمک ہی نرالی تھی وہ اس وقت کالے رنگ کے تھری پیس میں موجود تھا۔ شرٹ کا اوپر والا بٹن ہمیشہ کی طرح کھلا تھا۔ کوٹ بازو میں ڈال کر لیپ ٹاپ بیگ اٹھا کر وہ کمرے سے نکلا۔۔
وہ اب ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھا۔ اس نے کوٹ دوسری کرسی کی پشت پر ڈال دیا اور خود سربراہی کرسی پر بیٹھ گیا ایک درمیانی عمر کی عورت نے اس کے آگے ناشتہ رکھا۔۔
ہاجرہ اماں کا فون آیا تھا؟ وہ خیریت سے اسلام آباد پہنچ گئیں؟ اس نے اسی ملازمہ سے سوال کیا
جی صاحب۔۔۔ گھر کے نمبر پر اطلاع کر دی تھی امل بی بی نے۔۔۔ اس نے جواباً کہا
اور مالی آگیا؟ یہ ایک ایسا سوال تھا جو پچھلے دو دنوں سے کر رہا تھا۔
نہیں صاحب وہ آج بھی نہیں آیا۔۔۔ ملازمہ نے حذیفہ کے سوال کے جواب میں کہا۔
اب آئے تو اسے کہنا کہ ہمیشہ کے لیے ہی چھٹی کر لے۔۔۔۔ اس نے جواباً سخت لہجے میں کہا

سب ہی اس کے پودوں کے متعلق محبت کے بارے میں جانتے تھے اس کے اسلام آباد اور لاہور دونوں گھروں کے لان میں بے تحاشہ اور مختلف قسم کے پھول اور سبزیاں تھیں۔ جن کی جب وہ فارغ ہوتا وہ خود ہی دیکھ بھال کرتا مگر بزنس کی مصروفیات اس قدر تھی کہ صرف چھٹی والے دن ہی وہ اپنے اس مشغلے کو وقت دے سکتا تھا باقی دنوں میں مالی کو ہی دیکھ بھال کرنی ہوتی ہے اور آج کل وہ مالی کام چوری زیادہ کرنے لگا تھا۔

ٹھیک ہے آپ جائیں۔۔اس نے جواباً سنجیدگی سے کہا

اس نے اسے بھیجتے ساتھ ہی فون اٹھایا اور اور کال ملانے لگا۔۔

جیسے ہی کال اٹھائی گئی ایک چہکتی ہوئی آواز اس کے کانوں میں ابھری۔

السلام علیکم بھائی کیسے ہیں آپ تو جا کر مجھے بھول ہی جاتے ہیں میں آپ کو کہا تھا نا کہ میں نے اس بار شاپنگ کرنی ہے مگر آپ پھر ٹائم سے نہیں آئے آپ دادو کو بھیج دیا اکیلے آپ خود نہیں آئے۔ وہ بنا رکے بولے جا رہی تھی

بیٹا آرام سے۔۔میں نے اسی لیے فون کیا تھا کہ میں جانتا تھا میرا بیٹا ناراض ہو گا۔ اس نے اسے پچکارا۔

چونکہ وہ دونوں بھائیوں سے چھوٹی اور اکلوتی تھی اس لیے لاڈلی بھی بہت تھی۔ مگر زیان کے ساتھ اس کی بہت لگتی تھی جبکہ حذیفہ سے اس کی عمر میں فرق تھا. وہ اس سے تقریبا آٹھ سال بڑا تھا اس لیے اس سے بچوں کی طرح ہی پیش آتا تھا۔۔ حذیفہ ہاشم خان انتیس سال زیان ہاشم خان پچیس سال جبکہ امل ہاشم خان اکیس سال کی تھی۔

اچھا چلیں پھر منائیں۔۔۔اس نے جیسے نخرے دکھائے

اس کے انداز پر وہ مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

بیٹا مان جاؤ بس ہفتے کو میں آجاؤں گا پھر تمہیں شاپنگ بھی کروادوں گا اور اور میرے ساتھ تمہاری بھابھی بھی آئے گی تو تم اس سے اپنی دوستوں سے بھی ملوالینا۔۔وہ اس کو منانے کی بھرپور کوشش کرنے لگا۔

اچھا چلیں ٹھیک ہے آپ نے مجھے میری بھابھی کے آنے کی خوشخبری سنائی ہے اس لیے میں نے آپ کو معاف کیا۔۔۔اس نے جیسے حذیفہ کے سر پر احسان کیا۔

چلو ٹھیک ہے ماما کو میرا اسلام دینا میں اس وقت آفس کے لیے نکلنے لگا ہوں شام کو اکر ماما سے بات کروں گا۔

اوکے اللہ حافظ لو یو۔

اللہ حافظ لو یو ٹو بیٹا۔

یار حمزہ یہ تم نے مجھے کہاں پھنسا دیا ہے وہ زیان تو میرا پیچھا ہی نہیں چھوڑتا۔کب تمہارے ڈیڈی آئیں گے اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔۔۔ثنا نے اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے لڑکے سے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

چھوڑو یار تم بس جتنا ہو سکے اس کو گھیرتی جاؤ بہت مالدار پارٹی ہے آگے جا کے ہمارے بہت کام آئے گا۔۔۔اس کے سامنے بیٹھے حمزہ نامی لڑکے نے کہا

ہاتھ۔۔۔تم نہیں جانتے کہ وہ لڑکا دو سال سے میرے ساتھ ہے مگر مجال ہے جو کبھی بھی ہمارے مطلب کا کام کر جائے اسے اکیلے میں بلاؤ تو ایسے بیہیو کرتا ہے جیسے وہ کوئی لڑکی ہو اس طرح تو آج کل لڑکیاں بھی

نہیں کرتیں۔۔۔ عجیب قسم کا انسان ہے مجھ سے تو یہ ہینڈل نہیں ہو رہا۔۔۔ اس نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا

ثنا اور زایان بے شک دو سال سے ساتھ تھے مگر وہ ہمیشہ اس کے اکیلے بلانے پر ٹال دیا کرتا تھا ایک دفعہ اس نے ضد کی تو اس نے اسے بری طرح جھڑک دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جب دو غیر محرم ایک ساتھ ہوں تو ان کے درمیان تیسرا شیطان ہوتا ہے اور ان کے درمیان کوئی نہ کوئی شیطانی فعل ضرور ہوتا ہے
اور جہاں تک بات رہی کہ ان کے تعلق کی تو ثنا نے زایان کو پروپوز کیا تھا اور زایان کو وہ اچھی لگی اور اسے کوئی برائی بھی نظر نہیں آئی تو اس نے اس کا دل توڑنا مناسب نہیں سمجھا اور وہ زیادہ دیر تک اسی کو اپنے بارے میں باتیں بنانے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا اسی لیے جلد از جلد رشتے کی بات چلانا چاہتا تھا مگر جب بھی یہ بات آتی ثنا ٹال جایا کرتی تھی۔

بس تھوڑی اور کوشش کر لو پھر ہمارا مطلب پورا ہو جائے آگے ہمیں اس سے کوئی مطلب نہیں پھر تمہاری جان چھوٹ جائے گی۔۔۔ اس نے اسے مطمئن کرنا چاہا

میں بھی تو بس اسی لیے رکی ہوں ورنہ میرا اس کے ساتھ گزارا بڑا مشکل ہے۔۔۔ ثنا نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا
وہ دونوں اس وقت یونیورسٹی کی بیک سائیڈ پر موجود تھے۔۔ حمزہ ایک بگڑا ہوا لڑکا تھا جب کہ ثنا بس زایان کے سامنے اچھے بننے کی ایکٹنگ کر رہی تھی اسی لیے انہیں یونیورسٹی میں محتاط رہنا پڑتا تھا

چلو ٹھیک ہے پھر میں نکلتا ہوں۔۔ حمزہ نے کہا

اوکے پھر ملتے ہیں۔۔ ثنا نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

اس وقت دوپہر کا ایک بج رہا تھا۔ اسے لنچ بھی کرنا تھا اور ایک فائل بھی گھر سے پک کرنی تھی اس نے سوچا کہ کیوں نہ آج لنچ باہر کیا جائے فائل کے لیے ڈرائیور کو بھیج دیا کیونکہ اگر وہ دوبارہ گھر جاتی تو آنے جانے میں بہت وقت ضائع ہو جاتا۔۔

اس وقت وہ گاڑی لے کر نکل چکی تھی آج وہ کچھ زیادہ ہی اکیلا اکیلا محسوس کر رہی تھی تو اس نے سوچا کیوں نہ آج کا لینچ حذیفہ کے ساتھ کیا جائے اس نے گاڑی حذیفہ کے آفس کی طرف موڑ دی۔۔۔

چونکہ سب اسے حذیفہ کی بیوی کی حیثیت سے جانتے تھے اسی لیے یہ سوال کرنا تو بنتا ہی نہیں تھا کہ آپ کون ہیں؟

وہ سیدھا اس کے آفس میں داخل ہوئی تو دیکھا آفس خالی پڑا ہے وہ انٹر کام سے کسی کو بلانے ہی لگی تھی کہ اچانک مینجر اجازت لے کر اندر آیا۔

اس نے سلام کیا تو ریحام نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

عابد صاحب حذیفہ کہاں ہیں؟ ریحام نے انہیں دیکھتے ساتھ سوال کیا۔

وہ اگر کسی اجنبی شخص سے حذیفہ کے بارے میں بات کرتی تھی تو اسے آپ کہہ کر ہی مخاطب کرتی تھی

میم سر راؤنڈ پر ہیں آپ بیٹھیں میں انہیں اطلاع کر دیتا ہوں۔۔۔عابد صاحب نے نہایت ادب سے جواب دیا۔

عابد صاحب کے آفس سے نکلنے کے بعد وہ صوفے پر جا کر ٹانگ پر ٹانگ رکھ کے آرام دے پوزیشن میں بیٹھ گئی۔

یہ ایک جدید طرز کا نہایت خوبصورت کشادہ اور بڑا کمرہ تھا جہاں پر ایک سائیڈ پر آفس کی طرح ہیڈ چیئر میز اور کلائنٹس چیئرز موجود تھیں اور اس کے دوسرے حصے میں صوفے اور ٹیبل لگا دیے گئے۔۔بلاشبہ یہ نہایت نفیس اور خوبصورت کمرہ تھا۔

اسے انتظار کرتے ہوئے پانچ منٹ بھی نہیں ہوئے تھے کہ حذیفہ کمرے میں داخل ہوتا ہوا نظر آیا وہ کافی خوش لگ رہا تھا۔۔۔

کیا بات ہے آج تو تم نے مجھے سرپرائز دے دیا۔۔۔وہ خوشگوار حیرت سے کہتے ہوئے اس کی طرف بڑھا۔۔۔

السلام علیکم۔۔ریحام نے سلام کیا اور صوفے سے کھڑی ہو گئی

وعلیکم السلام۔۔۔اس نے سلام کا جواب دیا اور بڑی نرمی، محبت اور اپنائیت سے اسے گلے لگا لیا۔۔

وہ اس کے اس اچانک عمل پر حد درجہ حیران ہوئی۔۔مگر ظاہر نہیں کیا اسے سمجھ نہ آئی کہ وہ کیسا رد عمل دے کیونکہ اس کے ماں باپ نے کبھی اسے عید پر بھی گلے نہیں لگایا تھا اور یہ سوچ آتے ہی اس کے حلق

میں آنسوں کا گولا اٹکا جسے اس نے حلق میں اتارا اور ریحام نے ابھی تک اس کی گرد حصار نہیں باندھا تھا بس اس کے بازو پر ہاتھ رکھ لیا تھا۔۔

اس نے نرمی سے اسے خود سے الگ کیا اور اس کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔۔۔

کیسے آنا ہوا میرے غریب خانے پر؟ وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

ایسے ہی یہاں سے گزر رہی تھی سوچا مل لوں۔۔۔ اس نے جھوٹ کا سہارا لیا اب اسے کیا کہتی تمہارے ساتھ لنچ کرنے آئی ہوں۔

کیا بات ہے بڑے بڑے لوگ ہم سے ملنے آئے ہیں۔۔۔ اب وہ اسے تنگ کر رہا تھا

آج کل وہ کچھ زیادہ ہی شوخ ہو رہا تھا دراصل وہ اپنی اصل شخصیت میں واپس آ رہا تھا۔۔

ریحام نے کوئی جواب نہیں دیا۔۔

چلو پھر کہیں لنچ کرنے چلتے ہیں۔۔ اس نے اس کا جواب نہ پا کر خود ہی بات شروع کی

ہمم۔۔۔ اس نے سر ہلا دیا

وہ حیران تو بہت تھا کیونکہ آج کل بہت نارمل بیہیو کر رہی تھی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ دونوں لنچ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے

حذیفہ نے اپنی گاڑی کی چابی اٹھائی تو ریحام نے اسے یہ کہہ کر روک دیا کہ میں اپنی گاڑی میں آئی ہوں تم میری گاڑی ڈرائیو کر لو پھر میں تمہیں یہاں ڈراپ کر کے خود آفس چلی جاؤں گی۔

اس وقت وہ دونوں ریسٹورنٹ میں بیٹھے لنچ کر رہے تھے اور حذیفہ کوئی نہ کوئی بات بھی چھیڑ لیتا۔۔۔

تو پھر جس کیس پر تم کام کر رہی تھی اس کا کیا بنا۔۔۔ حذیفہ نے دوبارہ سے بات شروع کی

کیا ہونا ہے ابھی تک وہیں لٹک رہا ہے۔۔۔اس نے اکتائے اور مایوس لہجے میں کہا

میں نے سنا تھا میرشل ریپ پر کیس ہے۔۔۔حذیفہ نے سرسری سے لہجے میں پوچھا

ہاں اسی پر ہے۔۔۔عرفان درانی کا تو پتہ ہو گا تمہیں۔۔ریحام نے اسے تفصیلا اگاہ کیا

ہاں اچھا وہی عرفان درانی جس کی کمپنی آج کل نقصان میں جا رہی ہے۔۔حذیفہ نے جواب دیا

ہاں وہی ہے اس نے اپنی بیوی کے ساتھ زبردستی کی ہے۔۔

ہمم۔۔اچھا چلو تمہیں اگر میری مدد کی ضرورت ہو تو مجھے کہنا۔۔۔حذیفہ نے اس سے کہا

ہمم۔۔۔اس نے سر ہلانے پر اکتفا کیا

ویسے شادی کس کی ہے جس پر مجھے انوائٹ کیا گیا ہے۔۔۔ریحام نے خود ہی سوال کیا

میرے ماموں کے بیٹے کا فنکشن ہے۔اس نے چاول کا چمچہ منہ میں رکھتے ہوئے کہا

اچھا ٹھیک ہے۔۔۔ریحام نے پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگاتے ہوئے کہا۔۔۔

چلو چلیں مجھے دیر ہو رہی ہے اس نے ہونٹوں کو نیپکن سے تھپتھپاتے ہوہے کہا۔۔۔

حذیفہ اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

وہ دونوں اب گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے اور اسی کے ساتھ دو آنکھوں نے دور تک ان کا پیچھا کیا۔

رات کے ڈھائی بجے کا وقت تھا ہر طرف ہو کا عالم تھا ہر طرف سناٹے چھائے ہوئے تھے یہ ایک ہاسٹل کے کمرے کے اندر کا منظر تھا جہاں دو وجود بے خبر سو رہے تھے کہ اچانک ایک وجود پر بے چینی اور کپکپاہٹ طاری ہونا شروع ہو گئی وہ اپنا سر ادھر ادھر پٹکنے لگا اور ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔۔

یہ بے چینی، یہ کپکپاہٹ اسے سونے نہیں دیتی تھی۔ اسے چین نہیں آنے دیتی تھی اسے نہیں یاد پڑتا تھا کہ کب وہ سکون سے سویا ہو امایوسی اور نمی اس کی آنکھوں میں گھلنے لگی۔ اس نے سرد سانس ہوا میں خارج کیا اور باتھ روم کی جانب بڑھ گیا۔ باتھ روم سے وضو کر کر نکلنے کے بعد اس نے جائے نماز بچھائی اور اپنے رب کے حضور سجدے میں گر گیا۔ اس نے تہجد ادا کی اور پھر اس کے بعد اپنے رب کے حضور آنسو بہانے لگا۔

"یااللہ اے میرے پاک پروردگار میری اس بے چینی کو ختم کر دے یااللہ میں جس قدر پریشان ہوں تو بہتر جانتا ہے تو میرے دل کے حال سے واقف ہے یااللہ میری مشکل آسان کر دے مجھے بخش دے اگر میں نے کوئی گناہ کیا ہے اس کی معافی دے دے اس بے چینی اور بے سکونی کو میری زندگی سے نکال دے میں جب جب ٹوٹ کے بکھرا ہوں بس تیرے ہی پاس آیا ہوں یااللہ ابھی بھی مجھے بکھرنے سے بچالے یا اللہ مجھے بچالے"۔۔۔۔۔وہ اللہ کے حضور رو کر گڑ گڑا کر مدد مانگ رہا تھا۔۔۔جب اچانک سے دوسرے وجود میں جنبش ہوئی وہ اس کی سسکیوں کی آواز سے اٹھ چکا تھا۔۔

اسامہ تم کسی(psychiatrist)ماہر نفسیات کو چیک کیوں نہیں کرواتے۔۔۔اس طرح تو تم مینٹلی بیمار ہو جاؤ گے۔۔۔اس نے اسے سمجھانا چاہا

موسیٰ میرا علاج کسی سائیکیٹرسٹ کے پاس نہیں ہے میرا علاج میرے رب کے پاس ہے میں جب جب اس کے پاس آتا ہوں اپنے اندر کی تھکن مٹا دیتا ہوں مجھے اپنے رب پر پورا بھروسہ ہے کہ وہ ایک نہ ایک دن میری اس بے چینی اور بے سکونی کو راحت میں بدل دے گا اور تب میرے پاس اتنا سکون ہو گا کہ مجھے خود پر خود ہی رشک آئے گا۔۔اسامہ نے اسے ہمیشہ والا جواب دیا

اچھا چھوڑو ان باتوں کو تم بھی اٹھو تہجد پڑھ لو میں ذرا اب تھوڑی سی انٹرویو کی تیاری کر لوں دعا کرنا یہ جاب مجھے مل جائے۔۔ اسامہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا

ہاں ضرور انشاءاللہ مل جائے گی پریشان مت ہو اللہ تمہیں ہر منزل میں کامیاب کرے۔۔۔ موسیٰ نے سچے دل سے دعا دی

ایک یہی تو تھا اس کا مخلص دوست جس نے اس کا ہر قدم پر ساتھ دیا تھا۔۔

آج جمعہ کا دن تھا یہ ایک خوبصورت اور نفیس علاقے کا بنگلہ تھا جہاں اس وقت خاموشی کا راج تھا گھر کی قیمت اور اس کی آسائشیں کسی بھی لگزریس گھر سے کم نہ تھا۔۔۔ کہ اچانک ایک کمرے سے زینیا تیزی سے نکلتی ہوئی نظر آئی

وہ تیزی سیڑیاں اترتی ہوئی کچن کی طرف بڑھ گئی کے کہ اچانک کچن سے اس کی دھاڑ سنائی دی کہ ملازمین بوکھلا گئے۔

"گلشن!"

گلشن بوکھلا کر جلدی سے کچن میں داخل ہوئی۔۔

جی بی بی جی آپ نے بلایا۔

"ناشتہ کہاں ہے میرا۔" اس نے درشت آواز میں پوچھا

ملازمہ زینیا کے اس قدر غصے پر خوفزدہ ہو گئی۔

وہ بی بی جی بس تیار کرنے ہی لگی تھی۔ اس نے سہمتے ہوئے جلدی جلدی جواب دیا

کیا تمہیں میں نے رات کو نہیں بتایا تھا کہ مجھے صبح یونی جلدی جانا ہے؟ روز کے تمہارے ڈرامے ہی ختم نہیں ہوتے جاؤ یہاں سے۔۔اس نے اکتائے ہوئے انداز میں اس سے کہا

اور یہ واقعی سچ تھا وہ جان بوجھ کر دیر کرتی تھی تاکہ زینیا بنا ناشتہ کیے ہی چلی جائے اور اسے ناشتہ بنانا نہ پڑے۔۔۔

ریحام اس وقت آفس میں بیٹھی کام میں مگن تھی کہ اچانک دروازہ کھلا ریحام نے اپنے اندر کے اشتعال کو دبایا اور ایک ناگوار نظر اندر آنے والی شخصیت پر ڈالی

کیسی ہو وکیل صاحبہ۔۔۔فریال نے اس کی گھوریوں کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

خیر سے مسلمان ہو؟ اس نے اس پر لطیف سا طنز کیا

ہاں الحمدللہ۔۔کیوں کیا ہوا؟ اس نے حیرانگی سے سوال کیا

تو سلام تمہارے رشتے دار آکر کریں گے؟ اس نے طنزیا سوال کیا

انہوں نے کبھی ہمیں سلام نہیں کیا تمہیں کیا کریں گے۔۔۔اس نے بغیر شرمندہ ہوئے ڈھٹائی سے جواب دیا

وہ اس کی ڈھٹائی پر غصہ ضبط کرتی رہ گئی۔

ایک نمبر کی کمینی ہے ذرا جو تجھے شرم و لحاظ چھو کر گزرا ہو۔۔۔اس نے اسے لتاڑا

تو تو کر لیتی تو نے منہ میں گھی جمایا ہوا ہے؟۔۔۔اس نے اس کو سناتے ہوئے کہا۔

ویسے تو اس کا بل ہے کہ تجھے سلام کیا جائے؟ اب وہ اسے چھیڑ رہی تھی.

اچھا اچھا السلام علیکم کیسی ہیں میڈم آپ؟ کیا حال چال ہے آپ کا؟ اس نے اس کا ضبط سے سرخ سے پڑتا چہرہ دیکھ کر شرافت سے سلام کیا یہ نہ ہو وہ اسے اپنے آفس سے بھی باہر نکال دے۔۔۔

وعلیکم السلام۔۔ فضول حرکتیں کیے بغیر بھی سلام کیا جا سکتا تھا۔۔ اس نے اسے لتاڑا۔

کیا مطلب اب میں تمہارے آفس بھی نہ آؤں کیا بات ہے دوست دوست نہ رہا۔۔۔ اس نے آہیں بھرتے ہوئے جھوٹی خفگی دکھائی۔

پلیز فریال مجھے تنگ نہ کرو میں پہلے ہی بہت ڈسٹرب ہوں۔۔۔ ریحام نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

کیا ہوا کوئی پریشانی ہے تو مجھے بتاؤ تم مجھ سے کبھی بھی کوئی بات شیئر نہیں کرتی حالانکہ میں تمہاری بیسٹ فرینڈ ہوں۔۔۔ اس نے پریشانی سے پوچھتے ہوئے آخر میں شکوہ کیا۔

دکھو فریال بیسٹ فرینڈ ہونے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم ایک دوسرے سے ساری باتیں شیئر کریں بیسٹ فرینڈ کا مطلب ہوتا ہے بہترین دوست اور تم میری بہترین دوست ہو میں تم سے ہر بات شیئر نہیں کر سکتی کیونکہ میرے اندر یہ عادت نہیں ہے میں بہت زیادہ ہچکچاتی ہوں میں صرف اپنی باتیں اللہ سے شیئر کرتی ہوں دیکھو اس دنیا میں بہت سارے لوگ ہیں ہر انسان کی فطرت مختلف ہوتی ہے کسی کو اپنے دکھ سنانے کے لیے کوئی نہ کوئی مخلص دوست چاہیے ہوتا ہے اور کچھ دوست ہوتے ہوئے بھی نہیں بتاتے کیونکہ وہ اس میں کمفرٹیبل فیل نہیں کرتے اور میں اسی کیٹگری میں آتی ہوں

وہ ٹھیک کہہ رہی تھی دوست ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ آپ اپنی ہر بات ہر کسی سے شیئر کریں اکثر ہم کچھ بتانے میں کمفرٹیبل فیل نہیں کرتے ہچکچاتے ہیں تو ہمارے دوستوں کو چاہیے کہ اس کو انڈرسٹینڈ کرے نہ کہ ایک دوسرے کے پیچھے پڑ جائیں کہ مجھے یہ بات بتاؤ اس طرح انسان دوبارہ اس شخص سے بات کرتے ہوئے بہت محتاط رہتا ہے۔ اسے ڈر ہوتا ہے کہ اگر اس نے یہ بات کسی سے شیئر کی تو وہ کہیں کسی

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

سے شیئر نہ کر دے اور یہ ڈر بالکل ٹھیک ہوتا ہے کیونکہ جب بات ایک دفعہ منہ سے نکل جاتی ہے تو اس کو پر لگ جاتے ہیں وہ اڑنے لگتی ہے۔۔

اچھا ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی لیکن مجھے بتاؤ میں تمہارے لیے کیا کر سکتی ہوں۔ اس نے اس کی بات سمجھتے ہوئے کہا۔

تم بس میرے لیے دعا کر دینا میرے لیے یہی کافی ہے۔۔ اس نے نرمی سے اس سے کہا۔

ہاں ضرور کیوں نہیں۔۔ اس نے نرمی سے مسکرا کر کہا

چلو کوئی نہیں باہر چلتے ہیں تمہارا موڈ بھی فریش ہو جائے گا ویسے بھی لنچ کا وقت ہونے ہی والا ہے۔۔۔ اس نے دو منٹ میں ہی پلان بنا لیا۔

ہاں چلو چلیں میں بھی تھک گئی ہوں کام کر کر کہ۔۔۔ ریحام نے گاڑی کی چابی اٹھاتے ہوئے کہا۔

اس وقت زینیا گاڑی کو پارکنگ میں چھوڑتی تیز تیز قدم اٹھاتی یونیورسٹی کی طرف بڑھ رہی تھی آج اس کی پریزنٹیشن تھی جس میں وہ ہر حال میں اچھا پرفارم کرنا چاہتی تھی۔

زینیا اس وقت نیلی جینز پر گھٹنوں سے اوپر آتا سفید رنگ کا کرتا سے زیب تن کیے ہوئے تھے جس پر لال رنگ کی کڑھائی موجود تھی۔ بالوں کو پونی ٹیل میں باندھے پیروں میں جوگرز پہنے وہ اعتماد سے چل رہی تھی۔

یونیورسٹی میں الگ ہی ماحول تھا مختلف نوجوان عمر کے لڑکے لڑکیاں یہاں وہاں موجود تھے، ہر طرف ہلچل تھی۔

کچھ لوگ گھاس پر بیٹھے ہوئے تھے کچھ بینچز پر اور کچھ کھڑے ہوئے تھے ہر کوئی اپنے اپنی منزل کی طرف رواں دواں تھا ہر کسی کو اپنی اپنی پڑی تھی اسی بھیڑ میں زینیا بھی شامل تھی۔

زینیا اپنے دھیان میں تیز تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی ایک دم سے کسی سے زوردار تصادم ہوا۔۔

آہ۔۔۔اندھی ہو نظر نہیں آتا۔۔ آنکھیں کرائے پر دے کر آئی ہو چلنے تک کی تمیز نہیں ہے تمہیں؟ ثنا نے ہتک آمیز لہجے میں کہا۔

زیان جو اس کے ساتھ ہی موجود تھا اس کے ایسے لہجے پر لب بھینچ گیا۔

مجھے چلنے کی تمیز نہیں ہے تو تم دیکھ لو تمہاری آنکھیں کہاں فٹ ہیں؟ اس نے کون سا ادھار رکھنا سیکھا تھا۔

تم۔۔۔ تم جیسی لڑکی کو میں اچھے سے جانتی ہوں۔۔ اس نے استہزائیہ انداز میں کہا

اور مجھ جیسی سے کیا مراد ہے بتانا پسند کرو گی؟ اس نے چیلنجنگ انداز میں پوچھا۔

زیان بیزاری سے ان دونوں کو لڑتے دیکھ رہا تھا کیونکہ لوگ ان کی طرف متوجہ ہو رہے تھے۔

بالکل تم جیسی گھٹیا لڑکی جو مردوں سے ٹکرانے کے بہانے ڈھونڈتی ہیں وہ تو میں بیچ میں آ گئی ورنہ تم جیسی لڑکیوں کے ارادے میں اچھے سے جانتی ہوں۔۔۔ اس نے طنزیا اندر میں کہا۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس کی اس فضول بات کر زیان نے ایک ناگوار نظر اس پر ڈالی۔

اس کے اس کاری وار پر زینیا بلبلا اٹھی۔۔ اس نے بامشکل اپنے اندر اٹھتے ابال کو دبایا۔

سیریسلی؟ تمہاری جرات کیسے ہوئی مجھ پر میرے کردار پر انگلی اٹھانے کی جانتی بھی ہو میں کون ہوں میں زینیا شہریار ہوں میں اپنے کردار اور عزت کی حفاظت کرنا جانتی ہوں یہاں پر کھڑا ایک ایک شخص میرے کردار کی گواہی دے سکتا ہے تم اپنا سناؤ؟ تمہارے کردار کی گواہی کون دے سکتا ہے؟ اس نے استہزائیہ انداز اور تنبیہ کرتے ہیں نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

وہ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی اس نے ہمیشہ اپنے کردار کی حفاظت کی تھی اور اس بات کی گواہی واقعی پوری یونیورسٹی دے سکتی تھی کیونکہ وہ یونیورسٹی میں اپنا غصے کی وجہ سے کافی مشہور تھی اور یہ غصہ تب ہی نکلتا تھا جب کوئی لڑکا اس کے پاس جا کر فری ہونے کی کوشش کرتا۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ لڑکوں سے بالکل ہی بات نہیں کرتی تھی مگر صرف کام کی حد تک جو لڑکے اس سے فری ہونے کی کوشش کرتے پھر وہ انہیں ان کی نانی یاد دلوا دیتی تھی۔

اس کہ اس قدر پر یقین لہجے پر ثنا ایک دم سے خاموش ہو گئی۔

زیان اور باقی لوگ تماشائی بنے انہیں دیکھ رہے تھے۔

آئندہ میرے کردار تک مت جانا بلکہ اپنی شکل ہی مت دکھانا۔۔ اس نے تنبیہ کرتے انداز میں کہا اور سر جھٹک کر آگے بڑھ گئی۔۔

اس کا موڈ سخت غارت ہو گیا اب پریزنٹیشن کیا خاک دینی تھی۔۔۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

یہ کیا حرکت تھی؟ زیان نے اسے سخت نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔

کون سی حرکت؟ اس نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

یہی جو تم نے ابھی کی ہے کیا ضرورت تھی اس تماشے کی؟ اس نے اسے سرد نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا کونسا تماشا تم نے اس کی حرکت نہیں دیکھی تم نہیں جانتے ایسی لڑکیوں کو میں جانتی ہوں یہ ان کے لڑکوں کو پھنسانے کے طریقے ہیں۔۔ اس نے اس کا دل زینیا کی طرف سے برا کرنا چاہا اور اپنے آپ کو سچا ثابت کرنا چاہا۔

ثنا میں چھوٹا بچہ نہیں ہوں دیکھ سکتا ہوں اور عقل سمجھ بھی رکھتا ہوں اس نے جان بوجھ کے کچھ نہیں کیا تم بلاوجہ اپنے دل میں اس کے لیے بغض پال رہی ہو۔

تمہیں کس نے کہا کسی کے لیے ایسے لفظ استعمال کرو؟ بلاوجہ کسی کے کردار پر انگلی اٹھاؤ گی تو وہ خاموش تو نہیں رہے گا نا؟ اس نے اسے سمجھانا چاہا

اب تو اس لڑکی کے لیے مجھ سے لڑ رہے ہو؟ اس کے پاس آخری ہتھیار بچا تھا

اس کی اس فضول گوئی پر وہ لب بھینچ کر رہ گیا۔

آج ہفتے کا دن تھا اس وقت صبح کے نو بج رہے تھے۔ نکھری ہوئی خوشگوار اور روشن صبح کا آغاز ہوا۔ اس وقت خان ولا میں ناشتے کی تیاری ہو رہی تھی چونکہ آج ہفتہ تھا اس لیے زایان کی یونیورسٹی سے اور امل کے کالج سے چھٹی تھی۔

اور چونکہ چھٹی کی بدولت وہ دیر تک سو رہے تھے اس لیے گھر ہر ہنگامے سے پاک تھا۔ ورنہ یہ گھر نہیں چڑیا گھر لگ رہا ہوتا۔

یہ ایک خوبصورت اور جدید طرز کا بنا ہوا بنگلہ تھا جس میں قریباً ہر آسائش موجود تھی۔

اس وقت دانیال ہاشم خان اور ان کی زوجہ رافعہ دانیال خان لاؤنج میں بیٹھے چائے نوش فرما رہے تھے ساتھ ہی ساتھ ہلکی پھلکی گپ شپ بھی جاری تھی کہ اچانک امل کمرے سے نکلتی ہوئی نظر آئی وہ اس وقت گلابی گھٹنوں سے اوپر کھلی سی شرٹ اور ٹراؤزر میں موجود تھی۔

السلام علیکم۔۔ اس نے آتے ساتھ ہی سلام کیا اور باپ کے گلے لگ گئی۔ یہ روز کا معمول تھا وہ حد درجہ لاڈلی تھی دو بھائیوں کی اکلوتی بہن اور ماں باپ کی اکلوتی بیٹی ہونے کی وجہ سے سب ہی اس کے ناز نخرے

اٹھاتے تھے۔ کبھی کبھی رافعہ بیگم کو اس کی بڑی ٹینشن ہوتی کہ کہیں اس لاڈ پیر کی وجہ سے وہ بگڑ نہ جائے مگر وہ اپنے باپ اور بھائیوں سے اس قدر اٹیچ تھی کہ کہیں بھی جاتی انہی کے ساتھ جاتی ہے ہے اور ان سے ہر چیز کے بارے میں ایسے ڈیٹیل میں باتیں کرتی جیسے وہ اس کی سہیلی ہوں۔ یہ سب دیکھ کر وہ خود ہی مطمئن ہو جاتیں۔

کیا بات ہے آج میرا بیٹا بڑا خاموش ہے۔۔ امل اس وقت ان کے کندھے سے لگی خاموش بیٹھی تھی تو دانیال خان نے اس کی خاموشی کی وجہ دریافت کرنی چاہی۔

ایسے ہی بابا بس نیند آرہی ہے۔۔۔ اس نے ان کی پریشانی دیکھ کر مسکراتے ہوئے جواب دیا ہے۔

ارے میری چڑیل تو آج مجھ سے پہلے اٹھ گئی۔ اتنے میں زیان بھی آگیا اور آتے ساتھ امل کو تنگ نہ کرے ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا اس کا دن ہی شروع نہیں ہوتا اسے تنگ کیے بغیر۔۔

میں نے سوچا آج میں اپنے جن سے پہلے اٹھ جاتی ہوں۔ وہ کون سا کم تھی۔

اس کی حاضر جوابی پر زیان کا منہ کھل گیا۔۔ اس کے کھلے منہ کو دیکھ کر دانیال خان نے بڑی مشکل سے اپنی مسکراہٹ چھپائی۔۔۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

اچھا جاؤ امل جا کر بھائی کو جگاؤ اور اس کے ساتھ والے کمرے میں ریحام بھی ہے اسے بھی اٹھا دینا۔۔ رافعہ بیگم نے ان کی لڑائی شروع ہونے سے پہلے ہی انہیں کام پہ لگا دیا۔

ہیں بھائی آگئے؟ دونوں نے ماں کو دیکھتے ہوئے حیرت سے ایک ساتھ سوال کیا۔

ہاں وہ دونوں رات کافی لیٹ پہنچے تھے اب جاؤ انہیں جا کر جگاؤ پھر اکٹھے ناشتہ کرتے ہیں۔۔ انہوں نے انہیں سنجیدگی سے بتایا اور خود اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گئیں۔

اور وہ دونوں خوشی خوشی ریحام اور حذیفہ کو جگانے چلے گئے۔

کیا کر رہی ہے چھٹکو؟ غازان نے آتے ساتھ ماہا کے سر پہ چپت لگائی جو کہ لاؤنج کے صوفے پر آرام دہ پوزیشن میں بیٹھی کام کر رہی تھی۔

کچھ نہیں بس یونیورسٹی کا تھوڑا سا کام۔۔۔ماہا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

تم نے کل بھی یونیورسٹی جانا ہے؟ اب وہ غاذان سے پوچھ رہی تھی۔

ہاں۔۔۔اس نے سر ہلا دیا۔

یار مجھے تو تمہاری سمجھ نہیں آتی جب بننا تم نے پائلٹ ہے تو پھر یہ یونیورسٹی جانے کا کیا مقصد ہے۔۔۔غازان نے اس کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا

یار تمہیں بتا تو ہے آپی نے کہا جب تک میں تھوڑا بہت پڑھ نا لوں تب تک میں ٹریننگ کے لیے نہیں جا سکتی اور تمہیں پتہ تو ہے مجھے کتنا کریز ہے پائلٹ بننے کا تو میں اس کے لیے کوئی بھی قربانی دینے کو تیار ہوں۔۔۔۔اس نے بیچارگی سے کہا

چلو کوئی نہیں انشاءاللہ بس یہ آخری سمسٹر ہی ہے پھر تو میری یہ بہن پائلٹ بن جائے گی انشاءاللہ۔اس نے بڑی محبت سے اسے مان دیتے ہوئے کہا

انشاءاللہ!ماہا نے گہری سانس بھرتے کہا

دیکھو ماہا میں تمہیں بھی ریحام کی طرح مضبوط دیکھنا چاہتا ہوں کہ اگر میں کبھی تم لوگوں کے ساتھ موجود نہ بھی ہو تو میری بہنیں مجھ پر کبھی محتاج نہ رہے اپنے کام خود کر سکیں اپنے لیے خود لڑ سکیں اپنے لیے خود آواز اٹھا سکیں سمجھ رہی ہو نا میری بات۔۔۔اس نے بڑی سنجیدگی اور نرمی سے اسے سمجھایا

وہ تینوں بہن بھائی آپس میں کافی کلوز تھے۔ ریحام اور غاذان کی کوشش ہوتی کہ وہ ماہا کو مضبوط بنا سکیں کیونکہ ان تینوں میں ذرا ڈری سہمی سی رہتی تھی۔ غاذان کی کوشش ہوتی کہ وہ اپنی بہنوں کو وہ مان اور عزت دے سکے جو شاید ان کا باپ نہ دے سکا۔۔

ان تینوں میں سب سے بڑی ریحام تھی جو کہ ستائیس سال کی تھی پھر غازان جو کہ تئیس سال کا تھا اور سب سے چھوٹی ماہا جو کہ بیس سال کی تھی۔

ہمم۔۔۔ اس نے فقط سر ہلا دیا

چلو اب تم اپنا کام کرو۔۔۔ اس نے گہری سانس بھرتے کہا اور اپنے کمرے کی طرف چل دیا۔

ریحام کہاں ہے؟ ناشتے کی ٹیبل پر ریحام کو نا پا کر شہریار مرزا نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

اسلام آباد۔۔ سب نے ایک دوسرے کے چہروں کو دیکھا اور پھر غاذان نے سنجیدگی سے یک لفظی جواب دیا۔

کیوں اور کس سے پوچھ کر یہ روز روز اسلام آباد جانے کا کیا مقصد ہے؟۔۔۔ ان کے ماتھے پر بلوں کا جال پڑا۔

اس کے سسرال میں کوئی شادی ہے اور اس سے بھی انوائٹ کیا ہے۔۔۔ جواب رقیہ بیگم کی طرف سے آیا تھا جو سنجیدگی سے ان کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہی تھیں۔

جو بھی ہے یہ روز روز کا جانا مجھے پسند نہیں لوگ کیا کہیں گے کہ ہر وقت سسرال میں ہی بیٹھی رہتی ہے۔۔۔ انہوں نے سخت لہجے میں کہا

آپ لوگوں کو چھوڑیں اپنا سنائیں۔۔۔غازان نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا

تم مجھے مت سکھاؤ لڑکیوں کو اتنی چھوٹ دینا اچھی بات نہیں اگر روز روز ادھر ہی جانا ہے تو اس کی ایک ہی دفعہ رخصتی کر دیتے ہیں پھر جہاں مرضی جائے ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا۔۔۔انہوں نے سخت لہجے میں جواب دیا

اس کا فیصلہ تو ریحام ہی کرے گی۔۔۔۔غاذان نے ان کو اگاہ کرنا چاہا۔

یہ اس کے کرنے کی باتیں نہیں۔۔وہ لوگ واپس آجائیں تو میں خود حذیفہ سے بات کروں گا۔انہوں نے جیسے سارے دلائل کو رد کیا۔

غاذان نے اب کوئی جواب نہیں دیا بلکہ اطمینان سے ناشتہ کرتا رہا ہے کیونکہ جانتا تھا ہو گا تو وہی جو ریحام چاہے گی۔۔

وہ لوگ رات کے بارہ بجے کے قریب ایونٹ سے گھر لوٹے تھے اور ان کے ساتھ ساتھ دو چار رشتہ دار بھی آگئے۔ریحام کو تو ان کے آنے کا کوئی مقصد ہی سمجھ نہیں آیا بھلا جن کے گھر شادی ہوتی ہے ان کے گھر رکا جاتا ہے یہ لوگ منہ اٹھا کے یہاں آگئے لیکن وہ کچھ کہہ نہیں سکتی تھی لہذا خاموش رہی لیکن ان کے آنے سے اسے سخت کوفت ہو رہی ریحام دس سے پندرہ منٹ بیٹھنے کے بعد اٹھ کر اپنے کمرے میں آگئی لیکن پھر اسے یاد آیا اس کے کمرے کی چابی تو حذیفہ کے پاس تھی۔دراصل رافعہ بیگم نے اس نے کہا تھا کہ سب لوگ ہی ایونٹ پر جا رہے ہیں تو گھر میں صرف ملازم ہی ہوں گے تو بہتر ہے وہ اپنا کمرہ لاک کر لے بلکہ سب ہی اپنے کمرے لاک کر کے گئے تھے اور اس کے کمرے کی چابی حذیفہ کو پکڑائی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی وہ بے حد لاپرواہ ہے کہیں نہ کہیں رکھ کے بھول جائے گی اور اب اس سے غصہ آرہا تھا کیونکہ

حذیفہ اسے ڈراپ کر کہ کچھ اور مہمانوں کو ریسیو کرنے گیا تھا۔ اس سے پہلے کہ اس کا غصہ سوا نیزے پہ پہنچتا باہر حذیفہ کی گاڑی کا ہارن بجا۔ اس نے بے اختیار گہری سانس بھری اب وہ اتنے بھاری کپڑوں میں نیچے تو جا نہیں سکتی تھی تو اس نے اِدھر اُدھر کسی کو تلاش کرنا چاہا۔ وہ اس وقت ہلکے نیلے رنگ کے کامدار شرارے میں ملبوس تھی جس کے ساتھ پاؤں میں گولڈن ہیل کانوں میں جھمکے اور بھولے بھالوں کو کرلز کر کے پشت پر کھلا چھوڑ دیا تھا۔ کسی کو بھی اپنے قریب نہ پا کر وہ بے اختیار جھنجھلائی۔ اس نے سیڑھیوں کی ریلنگ پر ہاتھ جمعا کر ہال میں نظر دوڑائی اسے حذیفہ اجلت میں باہر نکلتا ہوا نظر ایا اس نے بے اختیار گہری سانس بھری اور اسے پکارا۔

"حذیفہ!" اپنے نام کی پکار اور اس پر تضاد یہ آواز وہ تھم سا گیا اور مڑ کر اوپر دیکھا۔

جہاں وہ حسینہ چہرے پر دنیا جہاں کی بیزاری لیے کھڑی تھی۔

اس نے بھنویں اچکا کر سوالیہ نظروں سے ریحام کو دیکھا۔

چابی دے دو کمرے کی فریش ہونا ہے مجھے۔۔۔ اس نے حذیفہ کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا

حذیفہ نے اجلت میں چابی جیب سے نکالی اور اوپر کی طرف اچھال دی جسے ریحام نے کمال مہارت سے پکڑ لیا۔ اور حذیفہ نے اجلت میں قدم باہر کی طرف بڑھا دیے۔

ریحام نے تالا کھولنے کی کوشش کی مگر اس نے ناکامی کا سامنا کرنا پڑا اس نے چابی کو غور سے دیکھا تو پتہ چلا حذیفہ اپنے کمرے کی چابی دے گیا ہے اس نے مٹھیاں بھینچ لیں۔ مگر پھر کندھے اچکا کر اس کا کمرہ کھول کر اندر کی طرف بڑھ گئی۔

کمرہ کھولتے ساتھ ہی اسے شدید حیرت ہوئی اس قدر صاف ستھرا کمرہ جسے نفاست اور سلیقے سے سجایا گیا تھا کمرے میں انٹر ہوتے ساتھ دائیں طرف بیڈ تھا اور بیڈ کے بائیں طرف ایک صوفہ اور ٹیبل موجود تھا آگے بڑھو تو باتھ روم اور اس کے ساتھ ہی ڈریسنگ روم کا دروازہ تھا اور اس کے ساتھ ہی ایک بڑی سی بالکنی تھی

جس پر سفید جالی دار پردے لگائے گئے تھے اور بالکنی میں کئی خوبصورت پودے لگائے گئے تھے ایسے لگتا تھا جیسے وہ پودوں کا بہت شوقین ہے۔

اسے کمال حیرت ہوئی مگر پھر یاد آیا کہ اس کا بھائی بھی ایسے ہی صاف ستھرا کمرہ رکھتا تھا ایک اس کی اندر یہ گندی عادت تھی کہ وہ اپنا کمرہ پھیلا کر رکھتی تھی۔ اسے لگتا تھا کہ ہم کمرہ ہر وقت صاف رکھیں گے تو ایسے لگے گا جیسے یہاں کوئی رہتا ہی نہیں ہے پتہ چلنا چاہیے کہ یہاں کوئی موجود ہے یہ اس کی کوئی اپنی ہی منطق تھی۔

خیر اگر اس وقت وہ اپنے کمرے میں جاتی تو وہ الریڈی پھیلا ہوا تھا اچھا ہوا اسے صاف ستھرا کمرہ مل گیا مزید گند پھیلانے کے لیے۔۔

تقریبا آدھے گھنٹے بعد حذیفہ کمرے میں داخل ہوا۔۔۔ کمرے کی حالت دیکھ کر اسے شعبہ ہوا جیسے وہ غلط کمرے میں آگیا ہے۔۔ مگر پھر کچھ دیر حواس بحال کرنے کے بعد سمجھ آئی کہ وہ غلط کمرے میں نہیں آیا بلکہ کوئی اس کے کمرے میں موجود ہے اور وہ "کوئی" کون تھا وہ اچھے سے پہچانتا تھا۔ بے اختیار اس کے چہرے پہ مسکراہٹ آگی۔ حیرت کی بات نہیں تھی؟ وہ اپنے کمرے کی ایسی حالت دیکھ کر مسکرا رہا تھا کہ ریحام کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک وبال آچکا ہوتا۔

اس کا دوپٹہ کلچ اور موبائل اس وقت اس کے بیڈ پر موجود تھا ٹیبل پر اس کی جیولری، صوفے کے قریب ہیلز آڑی تھر چھی پڑی ہوئی تھی۔

کچھ ہی منٹ میں ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ اس کے کمرے میں صدیوں سے رہتی آئی ہو۔

ابھی وہ کمرے کا معائنہ کرنے میں ہی مصروف تھا کہ ریحام ڈریسنگ روم سے نکلتی ہوئی نظر آئی۔

اس نے حذیفہ کو آتے دیکھ کر شکر کا کلمہ پڑھا۔

شکر تم آ گئے ورنہ مجھے لگا ہے میں ساری رات انہی کپڑوں میں گزارا کروں گی۔۔وہ اس پر لطیف سا طنز کر رہی تھی۔

تمہاری وجہ سے میں نے انہی کپڑوں میں اتنی مشکل سے نماز پڑھی ہے۔۔۔اس نے اسے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

وہ اس وقت اسی شرارے میں ملبوس حذیفہ کی چادر اپنے چہرے کے گرد لپیٹے ہوئے تھی۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ ابھی ابھی نماز پڑھ کر آئی ہے۔

تمہاری چادر میں نے لی تھی نماز پڑھنے کے لیے۔۔۔ریحام نے اسے خود کی طرف دیکھتا پا کر وضاحت دی۔

کیا میں نے پوچھا؟ حذیفہ نے سنجیدگی سے سوال کیا اسے اس کا یہ بتانے والا تکلف پسند نہیں آیا تھا۔

نہیں۔۔۔۔لیکن میرا تو بتانا فرض بنتا ہے نہ۔۔جواباً اس نے بھی سنجیدگی سے کہا۔

"میری کوئی بھی چیز حتیٰ کہ میں بھی مجھ سے پہلے تمہارا ہوں"۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

اس کے جواب پر ریحام لاجواب ہو گئی۔

ریحام نے کوئی بھی جواب دینے کے بجائے اپنی ہیلز اور دوپٹہ اٹھایا اور کمرے سے نکل گئی۔

حذیفہ اس کی باقی چیزوں کو دیکھنے میں مصروف تھا کہ کیا وہ واپس آ کر لے کے جائے گی کہ پیچھے سے آواز آئی باقی سامان میرے کمرے میں پہنچا دو اور وہ بے اختیار ہنس پڑا۔

شام کے پانچ بج رہے تھے۔اس وقت گاڑی اپنی منزل پر گامزن تھی۔ آج اتوار کا دن تھالہذا حذیفہ اور ریحام کولاہور کے لیے نکلنا تھا۔وہ دونوں آئے بائے ایئر تھے مگر اب حذیفہ کا کہنا تھا کہ ہم بائے روڈ جائیں گے جس کی وجہ سے وہ بائے روڈ سفر کر رہے تھے۔حالانکہ ریحام کا کہنا تھا کہ کیا ضرورت ہے اتنی تھکاوٹ کرنے کی جب ہمارے پاس سہولت ہے مگر وہ خاموش ہو گئی مگر اسے غصہ بہت آرہا تھا۔اس وقت حذیفہ ڈرائیونگ سیٹ پر موجود تھااور اس کے ساتھ والی سیٹ پر ریحام براجمان تھی۔ان کے بیچ ایک گہری خاموشی حائل تھی۔ پھر آخر کار حذیفہ نے اس خاموشی کو توڑا۔

میں جانتاہوں تمہارابائے روڈ آنے کا دل نہیں تھا۔ مگر مجھے تم سے کچھ باتیں کلیئر کرنی تھیں تو سوچا کیوں نہ اسی سفر میں کرلی جائیں۔حذیفہ نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے محتاط انداز میں کہا۔

ایسی کیابات ہے؟ریحام نے گردن ترچھی کر کے پوچھا

میں تمہارے رویے کی وجہ جاننا چاہتاہوں تمہارارویہ پہلے تو ایسا نہیں تھااب کیا ہو گیا ہے تمہیں۔۔۔وہ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے سہولت سے سوال کر رہا تھا۔

کیاہوا ہے میرا رویے کو ٹھیک سے تو بات کرتی ہوں اب کیا شہد جمالوں منہ میں؟اس نے تیکھے انداز سے جواب دیا۔

ریحام ایسی کیا وجہ ہے جس نے تمہیں مجھ سے اس قدر بدگمان کر دیا ہے تم اور میں دونوں جانتے ہیں کہ تمہارے رویے میں کیا تبدیلی ہے۔وہ ابھی بھی نرم لہجے میں ہی اس سے بات کر رہا تھا۔یہ اس کی طبیعت کا خاصہ تھا۔

ایسا کچھ نہیں ہے تو میں غلط فہمی ہوئی ہے۔۔۔اس بار اس نے قدرے دھیمے لہجے میں کہا۔

مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی میں اس رویے کی وجہ جاننا چاہتاہوں؟نہ کہ اس وجہ کو ٹالنا چاہتاہوں۔۔۔اس نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

اور اگر وجہ پتہ چل گئی تو کیا کرو گے ؟ ریحام نے چیلنجنگ انداز میں پوچھا۔

کیا کروں گا کیا مطلب ہے یقیناً میں اس کا کوئی حل نہیں تلاش کروں گا۔۔۔اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔

ٹھیک ہے تو پھر نکالو اس کا حل۔۔

اور پھر جو اس نے بات کہی وہ حذیفہ کو حیرت کے سمندر میں غرق کر گئی۔

اس وقت گھڑی کی سوئیاں نو بجا رہی تھیں اور شہریار مرزا کے آفس میں آج نئے ورکرز کے لیے انٹرویوز تھے۔ جس کو شہریار مرزا آج خود انجام دے رہے تھے۔

ڈھیروں لوگ ویٹنگ ایریا میں بیٹھے اپنی باری کا انتظار کر رہے تھے ان میں سے ایک وہ بھی تھا۔ جو بہت مطمئن اور بغیر کسی گھبراہٹ کے پر اعتماد طریقے سے بیٹھا فون استعمال کر رہا تھا۔ کوئی کہہ سکتا تھا کہ اس شخص کو جاب کی کتنی اشد ضرورت ہے۔ وہ ابھی بیٹھا فون ہی استعمال کر رہا تھا کہ اچانک اس نے اپنے نام کی پکار سنی۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"اسامہ جہانگیر خان" اس نے نظریں اٹھا کے دیکھا تو کوئی اسے اندر جانے کا اشارہ کر رہا تھا وہ اعتماد سے اٹھا اور قدم قدم اٹھاتا آفس کے باہر آ کر کھڑا ہوا پھر دھیمے ہاتھوں سے دستک دی اندر سے اجازت ملنے پر وہ اندر داخل ہوا۔ جہاں ساٹھ کے لگ بھگ کا آدمی سربراہی کرسی پر براجمان تھا۔

السلام علیکم ! اس نے اعتماد سے سلام کیا تو شہریار مرزا نے جواب دے کر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

پھر وہ اس کی سی وی دیکھنے لگے۔

"سی وی تو میں آپ کی دیکھ چکا ہوں کافی اچھی کارکردگی ہے آپ کی مسٹر جہانگیر مگر آپ کے پاس ایکسپیرینس (تجربہ) نہیں ہے۔ سی وی پر نظر دوڑاتے اور چند ایک سوال کرنے کے بعد انہوں نے اس سے کہا۔

سر ایکسپیرینس (تجربہ) کام کرنے سے ہی آئے گا۔" اسامہ نے ان کو دیکھتے ہوئے سنجیدگی اور پر اعتماد لہجے میں کہا۔

بالکل آپ درست کہہ رہے ہیں۔ انہیں اس کا اعتماد بہت بھایا تھا ورنہ اب تک جتنے لوگوں کا وہ انٹرویو کر چکے تھے ان سب میں سے پر اعتماد وہی لگا ورنہ سب تو گھبراہٹ کا ہی شکار ہو رہے تھے اور انہیں ایسا ہی ایک ورکر چاہیے تھا جو بہت اعتماد سے ان کے کام اور ہر سچویشن کو ہینڈل کر سکے۔

ایسا کریں آپ کل سے آجائیں اپوائنٹمنٹ لیٹر آپ کو ایشو کر دیا جائے گا اب باہر سے ریسیو کر لیں مگر ابھی آپ کو صرف ٹرائل پہ رکھا جائے گا دو ہفتے بعد آپ کی کارکردگی کو دیکھتے ہوئے ہم آپ کو اطلاع کریں گے کہ اپ مستقل طور پر ادھر کام کر سکتے ہیں یا نہیں۔

اسامہ نے ان کے جواب سن کر دھیمی مسکراہٹ سے ان کا شکریہ ادا کیا اور پر اعتماد چال چلتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

وہ بے تحاشہ خوش تھا۔

صبح سویرے کا وقت تھا۔ سورج آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ مئی کا مہینہ تھا۔ اسلام آباد میں ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔ موسم کبھی گرم ہو جاتا تو کبھی ٹھنڈی ہوائیں چلنے لگتیں۔ اسی طرح اگر ہم خان ولا کے اندر کے مناظر دیکھیں تو صبح سویرے سناٹا چھایا ہوا تھا۔ کچن میں ناشتے کی تیاری چل رہی تھی۔ جبکہ دانیال

خان معمول کے مطابق اخبار پڑھنے میں مصروف تھے۔زایان اپنے کمرے میں یونیورسٹی کے لیے تیار ہو رہا تھا۔جبکہ امل ہاشم خان ابھی تک خواب وخرگوش کے مزے لوٹ رہی تھی۔سب کچھ معمول کے مطابق ہو رہا تھا کہ اچانک پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ سبھی یکدم چونک گئے کہ اتنی صبح صبح کون آگیا۔اچانک گاڑی سے ایک نوجوان نکلتا ہوا نظر آیا۔حذیفہ دو دن پہلے ہی لاہور گیا تھا تو اس کے آنے کے امکانات تو نہیں تھے اور نہ ہی یہ اس کی گاڑی کا ہارن تھا۔دانیال خان نے ملازم کو اندر بلایا کہ پوچھا جائے کہ اس وقت کون آیا ہے؟ مگر ملازم کے پیچھے ہی ایک نوجوان لکڑی کے دروازے سے لاؤنج میں داخل ہوتا ہوا نظر آیا۔

السلام علیکم!کیسے ہیں انکل؟نوجوان نے بڑی خوش دلی سے سلام کر کے حال احوال پوچھا۔

وعلیکم السلام!ارے باسل تم۔۔؟پاکستان کب آئے؟انہوں نے خوشگوار حیرت سے پوچھا اور اس سے بغل گیر ہوئے۔

بس کل رات کو ہی پہنچا ہوں میرا تو ارادہ تھا رات کو ہی چکر لگالوں لیکن پھر میں نے سوچا کافی دیر ہو گئی ہے تو مناسب نہیں لگتا۔۔باسل نے انہیں احترام سے جواب دیا۔

اتنے میں رافعہ بیگم کچن سے نکلتی ہوئی نظر آئیں اور ان کا ردعمل بھی دانیال خان سے کم نہ تھا۔

باسل کی جوں ہی ان پر نظر پڑی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور ان کی طرف بڑھا۔

اسلام علیکم خالہ کیسی ہیں؟وہ محبت سے کہتا ان کے گلے ملا۔

ارے میری جان تم کب آئے پاکستان آپا نے بھی مجھے نہیں بتایا؟وہ حیرت اور خوشی کے ملے جلے تاثرات سے کہہ رہی تھیں۔

ممی کو بھی نہیں پتا تھا میں نے سوچا آپ سب کو سرپرائز دیا جائے۔۔وہ صوفے پر دوبارہ بیٹھتے ہوئے بتا رہا تھا۔

بہت اچھا کیا بس اب جلدی سے اپنی پڑھائی مکمل کرو اور ادھر ہی آجاؤ۔ آپا بھی اکیلی ہوتی ہیں صنم بھی آتی رہتی ہے۔۔ مگر شادی شدہ بیٹیاں اس طرح خیال تھوڑی رکھ سکتی ہیں جس طرح بیٹے رکھ سکتے ہیں۔۔ وہ اسے سمجھا رہی تھی کہ وہ مستقل طور پر پاکستان آجائے۔ صنم اور باسل دونوں ان کی بہن شمیم کے بچے تھے۔ باسل چونکہ اپنی پڑھائی کے سلسلے میں اٹلی گیا ہوا تھا اور اس کی بڑی بہن صنم شادی شدہ تھی ان کے والد ذوالفقار صاحب کا انتقال پانچ سال قبل ہی ہو گیا تھا رافعہ بیگم نے تو کئی بار انہیں منانا چاہا کہ وہ ہمارے ساتھ رہیں مگر وہ اس پر راضی نہ تھیں۔ اور ملازموں پر کتنا بھروسہ کیا جا سکتا تھا؟

جی خالہ بس یہ آخری سال ہے پھر انشاء اللہ میں پاکستان ہی رہوں گا۔۔ اس نے ان کی پوری بات سننے کے جواب میں تحمل سے کہا۔

ابھی کوئی اور بات ہوتی کہ اچانک زایان سیڑھیوں سے نیچے آتا ہوا دکھائی دیا۔۔ اس کی ابھی تک باسل پر نظر نہیں پڑی تھی مگر باسل کی نظر اس پر پڑ چکی تھی۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا زیان اور باسل ہم عمر تھے تو ان کی دوستی بھی کافی گہری تھی۔ وہ اپنے دھیان میں موبائل پکڑے ہوئے نیچے آرہا تھا کہ ایک دم سے اس کی نظر باسل پر پڑی اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔۔ تم؟ تم کب آئے؟ وہ بے یقینی کی کیفیت میں اس سے سوال کر رہا تھا.

باسل اس کی حیرانی پر مسکرا دیا اور جواباً کہا کل رات کو ہی آیا ہوں۔۔ اس نے اس سے گلے ملتے ہوئے کہا۔

کچھ ہی دیر میں باتوں کا سلسلہ جاری رہا پھر سب ناشتے کے لیے بیٹھنے لگے تو دانیال خان نے امل کا پوچھا تو رافعہ بیگم نے انہیں یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ آج اس کی یونیورسٹی کے فنکشن کی وجہ سے کوئی چھٹی ہے جس کی وجہ سے وہ لیٹ اٹھے گی آپ ناشتہ شروع کریں۔

انہوں نے سر ہلانے پر اکتفا کیا۔

کچھ ہی دیر میں دانیال خان اور زیان اپنے اپنے کاموں کے لیے روانہ ہو گئے۔ اب باسل رافعہ بیگم کے ساتھ ہلکی پھلکی باتوں میں مصروف تھا۔

خالہ یہ آپ کی بیٹی کب اٹھے گی مجھے آئے ہوئے دو گھنٹے ہو چکے ہیں اور اگر میں ملے بغیر چلا گیا تو اس کا بھی ایک الگ محاذ کھڑا کر دے گی۔۔ اس کی دہائی پر وہ بے اختیار مسکرائیں۔

تم ایک کام کرو تم اسے جگاؤ میں تب تک اس کا ناشتہ تیار کرتی ہوں۔۔ وہ اسے کہتی خود کچن کی طرف روانہ ہو گئیں۔

باسل بیچارہ شرمندہ سا ہو گیا مگر پھر اٹھ کر امل کی کمرے کی طرف چلا گیا۔

اگر شہر لاہور کی طرف بڑھیں تو ہر کوئی اپنے اپنے کام میں مصروف نظر آتا ہے۔ سڑکوں پر چہل پہل تھی، سورج پورے آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ گرمی کی آمد آمد تھی۔ اسی طرح اگر ہم حذیفہ کے آفس میں جائیں تو وہاں کا منظر کچھ یوں تھا کہ حذیفہ اس وقت اپنے آفس میں موجود تھا خلاف معمول آج کام تھوڑا زیادہ تھا تو وہ ڈٹ کر پوری دلجمعی سے کام کر رہا تھا۔ ریحام اور اس کے درمیان دو دن پہلے ہونے والی گفتگو کے بعد اب تک خاموشی تھی۔ دونوں کی طرف سے کوئی رد عمل ظاہر نہیں ہو رہا تھا مگر کیا واقعی؟ ان دونوں کی اس دن کے بعد کوئی ملاقات یا بات چیت نہیں ہوئی تھی۔

ابھی حذیفہ لیپ ٹاپ پر کام کر ہی رہا تھا کہ اچانک اس کا فون بجا۔

اس نے فون کی سکرین پر ابھرتے نام کو پڑھا اور کان سے لگا لیا۔

ہیلو السلام علیکم بھائی! کیسے ہیں آپ؟ آپ کو کچھ پتہ ہے یہاں کیا ہو رہا ہے؟ زایان اپنی عادت کے مطابق فون اٹھاتے ساتھ ہی شروع ہو چکا تھا۔

وعلیکم السلام۔۔ صبر کیا کرو اگلے کو جواب دینے دیا کرو پھر بات کیا کرو۔۔ حذیفہ زایان کو اس بات پر کئی دفعہ ٹوک چکا تھا مجال ہے جو یہ لڑکا سن لے۔

اب بتاؤ کیا ہو رہا ہے وہاں جو مجھے نہیں معلوم؟ وہ اسے سمجھانے کے بعد آخر میں سوال کر رہا تھا۔

آپ کو پتہ ہے کل رات باسل پاکستان آیا تھا آج صبح ہی صبح ہم سب سے ملنے آیا تھا۔۔ اب وہ محلے کی عورتوں کی طرح خبریں پہنچا رہا تھا۔ اس کے پیٹ میں بات نہیں ٹکتی تھی جب تک وہ حذیفہ کو بتا نہ لے۔

اچھا مجھے تو نہیں پتا۔۔؟ حذیفہ نے حیرت سے نکلتے ہوئے لیپ ٹاپ کو بند کرتے ہوئے کرسی کی پشت سے سر ٹکاتے ہوئے کہا

اوہو اس نے سرپرائز دیا ہے سب کو ہمیں بھی نہیں پتا تھا۔۔ زایان اسے ایک ایک چیز کے بارے میں جب تک نہیں بتائے گا اس کی روح کو چین نہیں آئے گا۔

اچھا چلو ویسے تو میں بہت بزی ہوں اس ویک لیکن پھر بھی دیکھتا ہوں چکر لگاؤں۔۔ حذیفہ نے عام سے انداز میں اسے تفصیلاً اگاہ کیا۔

بھائی وہ آپ سب مجھ پہ چھوڑ دیں رات کو تفصیل سے بات کریں گے پھر میں آپ کو اس کا حل بتاؤں گا۔۔۔ پتہ نہیں کیا چل رہا تھا زایان کے دماغ میں جو ابھی اسے تفصیلاً بات کر کے حل بتانا تھا۔

ٹھیک ہے اللہ حافظ میں کام کر رہا ہوں۔۔ حذیفہ نے بات کے اختتام میں کہا۔

اوکے اللہ حافظ۔۔ زیان نے کہتے ساتھ کال کاٹ دی۔

باسل امل اس کے کمرے میں داخل ہوا تو میڈم ابھی تک مزے سے نیند پوری کر رہی تھیں۔ یہ ایک کشادہ اور ہوادار کمرہ تھا جس کے دائیں سائیڈ پر جھولا جبکہ بائے سائیڈ پر بالکنی اور بالکنی کے ساتھ ہی باتھ

روم اور ڈریسنگ ٹیبل کا دروازہ تھا فرش پر کالین بچھا ہوا تھا اور کمرے کے وسط میں بیڈ تھا جس پر امل میڈم دنیا سے بے خبر سو رہی تھیں۔

باسل کی نظر اس پر پڑی تو بے اختیار مسکرایا وہ نائٹ سوٹ میں چادر پیٹ تک ڈھانپے تکیے کو ایک بازو میں رکھے اوندھے منہ سو رہی تھی۔ وہ گول مٹول چہرے اور مناسب قد والی لڑکی اسے بے تحاشا خوبصورت لگتی تھی۔ ابھی وہ اسے دیکھنے میں ہی مصروف تھا کہ اچانک اس کی آنکھوں میں شرارت ابھری۔ وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا بیڈ کی طرف بڑھا اور امل کے قریب پہنچتے ہی اس کی ناک کو اپنی انگلی میں بھر کے ہولے سے دبایا۔ امل جو کچی نیند میں تھی ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔

کون ہے ماما کون ہے؟ وہ منہ سے چیخ نما بے ربط جملے بولتی باسل کو قہقہہ لگا کر ہنسنے پر مجبور کر گئی۔

امل کی نظر باسل کے ہنستے ہوئے چہرے پر پڑی تو پہلے تو وہ غائب دماغی سے اسے دیکھتی رہی پھر ایک دم چیخ پڑی "تم!" باسل تم کب آئے۔ وہ حیرانی سے اس سے سوال کر رہی تھی مگر پھر اچانک اس کی کچھ دیر پہلے کی گئی حرکت یاد آئی تو اس پر چڑھ دوڑی۔

اور تم نے میرا ناک کیوں دبایا میں تمہارا منہ توڑ دوں گی۔۔ وہ کہتے ساتھ اس پر جھپٹی۔

ارے ارے لڑکی شرم کرو شوہر ہوں تمہارا۔۔ وہ اپنا بچاؤ کرتے ہوئے ڈرامیٹک انداز میں کہہ رہا تھا۔

ہنہ۔۔ آئے بڑے شوہر۔۔ امل نے ہنکار بھرا اور بیڈ سے نیچے اتری۔

اچھا چلو سوری نہ میں دو گھنٹوں سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں تم اٹھ کر ہی نہیں دے رہی تھی۔۔ وہ التجائیا انداز میں کہتا اسے بازو سے پکڑ کر گلے لگا گیا۔

آئے بڑے سوری کرنے والے کب آئے ہو اور مجھے بتایا کیوں نہیں؟ وہ بظاہر نارمل انداز میں پوچھ رہی تھی مگر آنکھوں میں خونخوار تاثر تھا۔

سچ میں یار کل رات کو ہی آیا ہوں اور صبح صبح تم سے ملنے آ گیا۔۔ وہ ڈرنے کی ناکام ایکٹنگ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

امل اس کے تاثرات دیکھتے ہوئے ہنس پڑی اور پھر گویا ہوئی "تم کبھی نہیں سدھر سکتے۔"

اسے ہنستے دیکھ کر باسل بھی مطمئن ہو گیا اور اب وہ دونوں ہستے مسکراتے اپنی ہی باتوں میں مگن ہو چکے تھے۔

باسل امل کی خالہ کا بیٹا تھا تو اس وجہ سے ان کی بچپن سے ہی کافی دوستی تھی وہ امل سے صرف تین سال ہی بڑا تھا ان کی آپس میں لگتی بہت تھی اور ایک دوسرے کے بغیر گزارا بھی نہیں تھا۔ اور یہ دوستی کب محبت میں تبدیل ہوئی انہیں اندازہ ہی نہیں ہوا دو سال قبل باسل نے اپنی یہ خواہش اپنی والدہ شمیم کے ساتھ شیئر کی تو وہ تو جیسے تیار بیٹھی تھیں فوراً ہی رشتہ لے کر پہنچ گئیں اور پھر اسی طرح امل کی رضامندی جاننے کے بعد ان دونوں کو ایک بندھن میں باندھ دیا گیا۔ رخصتی امل اور باسل کی پڑھائی مکمل ہونے پر ہونا قرار پائی تھی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

دوپہر کے دو بجے کا وقت تھا اسلام آباد کے ایک مشہور و معروف علاقے میں داخل ہوں تو یہاں بڑے بڑے خوبصورت گھر نمایا ہے جس میں سے ایک نفیس اور عالی شان گھر میں وہ وجود اپنے کمرے میں بیٹھا ایک تصویر پر نم انکھوں سے ہاتھ پھیر رہا تھا۔ کئی پچھتاوے تھے کئی تکالیف تھی ذہن میں ابھرتے اپنے کیے گناہ جن سے وہ وجود نظر چرا گیا۔ مگر پچھتاوے کیا ہی کر سکتے ہیں یہ بڑے جان لیوا ہوتے ہیں یہ صرف ان کے حصے میں آتے ہیں جنہیں اللہ پر یقین نہ ہو۔ ابھی وہ بیٹھا نم آنکھوں سے اپنی پیاس بجھانے میں

مصروف تھا کہ اچانک اس کے نمبر پر ایک کال آتی دکھائی تھی اس نے گہرا سانس بھرا اور فون کان سے لگایا۔

کیا ہوا۔۔اس وجود نے فون کان سے لگاتے ساتھ ہی سوال کیا۔

کچھ خاص نہیں بس یہ بتانے کے لیے فون کیا تھا کہ ابھی تک کوئی سوراخ ہاتھ نہیں لگا۔۔فون کے پار اس وجود نے اطلاع کی۔

اس اطلاع کو سننے کے بعد تصویر ہاتھ میں لیے بیٹھے وجود نے کچھ بھی کہے بغیر فون بند کر دیا اور آنکھیں موند کر گہری سانس بھری اور کئی پچھتاوے اسے اپنی زد میں لے گئے۔

کیا فائدہ ہے اس سے پچھتاووں کا جب انسان اپنے گناہوں سے باز نہ آئے پھر سے وہی گناہ دہرائے۔ غلطی وہ ہوتی ہے جو انسان ایک دفعہ کرتا ہے جو بار بار کیا جائے وہ گناہ کہلاتا ہے۔

شہر لاہور میں ابھی سورج غروب ہونے میں ایک ادھ گھنٹہ باقی تھا۔وقت پوری تیز رفتاری سے گزر رہا تھا۔اس وقت شہریار مرزا کے آفس میں داخل ہو تو ہر کوئی اپنے اپنے کام میں مصروف اور مگن نظر آتا تھا۔یہ ایک خوبصورت اور جدید طرز کا بنایا ہوا شاندار قسم کا آفس تھا جس میں ہر قسم کی لگزری پائی جاتی تھی۔اسی طرح اگر ہم اسامہ کی طرف بڑھیں تو اس وقت وہ کام میں مگن دکھائی دیتا تھا کہ ایک دم سے ایک لڑکی اسے شہریار مرزا کے آفس کی طرف بڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

جی آپ کون؟اور یہاں کیا کر رہی ہیں؟اسامہ نے سوالیہ نظروں سے اس لڑکی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے سوال کیا۔

میرے پاس اتنا وقت نہیں کہ میں آپ کو اپنا تعارف کرواتی رہوں یہاں کسی سے بھی پوچھ لیں۔۔وہ سرد تاثر سے کہتی آفس کے اندر داخل ہو چکی تھی اور وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔وہ اس قدر متاثر کن شخصیت کی مالک تھی کے وہ اس کے آگے نہ کوئی جملہ کہہ پایا اور نہ ہی اسے روک پایا۔کچھ لوگ ہوتے ہیں جن کی شخصیت بہت پر اثر ہوتی ہے اسامہ نے سنا تھا مگر آج دیکھ بھی لیا۔وہ ابھی یہ سوچنے میں ہی مصروف تھا کہ اچانک ایک ورکر اس کے ساتھ آ کھڑا ہوا جو پہلے دور کھڑا اس کی حرکات دیکھ رہا تھا۔

یہ کون تھی؟اس نے آفس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ورکر سے پوچھا۔

مرزا صاحب کی صاحبزادی ہیں۔۔ورکر نے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے نارمل انداز میں جواب دیا۔

تم ابھی نئے ہو اس لیے شاید تمہیں معلوم نہیں ہے یہ مرزا صاحب کی سب سے بڑی صاحبزادی ہیں جو کہ وکیل ہیں "ریحام مرزا"۔۔ورکر نے اسے تفصیلاً اگاہ کیا اور آگے بڑھ گیا۔

اسامہ بھی اپنے کیبن کی جانب بڑھ گیا مگر وہ ابھی تک ریحام کی شخصیت کے اثر میں تھا۔کچھ لوگ بڑی پر اثر شخصیت کے حامل ہوتے ہیں۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

ریحام آفس میں داخل ہوئی تو شہریار مرزا سامنے ہی کرسی پر بیٹھے ادھر سے ادھر جھول رہے تھے۔آفس میں داخل ہوں تو آفس کے وسط میں آفس ٹیبل ہیڈ چیئر اور کلائنٹ چیئر موجود تھیں دائیں طرف ایک اور کمرہ کھلتا تھا آفس کے بائیں طرف باتھ روم کا دروازہ تھا جبکہ دوسری طرف گلاس ونڈو لگی ہوئی تھی جس کے اوپر پردے برابر تھے۔

جی مرزا صاحب آپ نے مجھے کس لیے بلوایا ہے۔۔ ریحام نے اندر داخل ہوتے ساتھ گہری سنجیدگی اور آنکھوں میں سرد تاثر لیے سوال کیا۔

وہ انہیں باپ کہہ کر نہیں پکارتی تھی۔۔ کیوں نہیں پکارتی تھی اس کی کئی وجوہات تھیں۔۔

بیٹھو میں بتاتا ہوں۔۔ شہریار مرزا نے نارمل انداز میں اس کی بات کو نظر انداز کر کے اپنی بات کہی۔

چند لمحے اس نے ان کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔۔ انہوں نے بات کرنے کے لیے تمہید باندھی۔

کہیں میں سن رہی ہوں آپ کی ضروری بات۔۔ اس نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے گہری سنجیدگی اور ایک ایک لفظ پر زور دیتے کہا۔

میں چاہتا ہوں کہ تم درانی کے خلاف کیس نہ لڑو۔۔ انہوں نے سہولت سے اپنی بات کا آغاز کیا۔

وہ چند لمحے ان کے چہرے کو دیکھتی رہی اور اپنے چہرے پر کوئی بھی تاثر لانے سے خود کو باز رکھتی رہی اور پھر طنزیا گویا ہوئی اور آپ کو اس وقت کیوں لگتا ہے کہ میں آپ کی بات مان لوں گی۔

ابھی مرزا صاحب اس کو کوئی جواب دیتے کہ ساتھ ہی دروازے پر دستک ہوئی انہوں نے دستک دینے والے کو اجازت دی۔

اندر داخل ہونے والا اسامہ تھا۔

ریحام اس کے اندر آنے پر اپنا فون نکال کر اس میں مگن ہو گئی۔ اسامہ نے ایک فائل مرزا صاحب کی طرف بڑھائے اور سائن کے لیے کہا۔ جب تک مرزا صاحب سائن کر رہے تھے اسامہ نے ایک نظر فون میں مگن بیٹھی ریحام کا جائزہ لیا۔ وہ اس وقت گرے پینٹ کوٹ کے ساتھ کالی سلک کی شرٹ زیب تن کیے ہوئے تھی گہرے بھورے بالوں کے کرلز کیے پیروں میں معمول کے مطابق کالی ہیل پہنے مناسب میک

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

اپ کیے چہرے کے تیکھے نقوش اور مغرور شخصیت سے اسے کوئی ماڈل ہی لگی۔شاید اس کا باڈی لک اور قد ہی ایسا تھا کہ وہ کوئی ماڈل لگتی تھی۔

شہریار مرزا کے پکارنے پر اس نے ریحام سے نظر ہٹائی اور ان سے فائل پکڑ تا کمرے سے نکل گیا مگر جاتے جاتے اس کے کانوں میں ریحام کہ یہ الفاظ پڑھے تھے۔

"ریحام اپنے فیصلے خود کرتی ہے اس کا اختیار وہ کسی کو نہیں دیتی"۔

یہ کہہ کر وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور آفس سے نکلتی چلی گئی۔

پیچھے مرزا صاحب نے انہیں ایسی ہی نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں نافرمان۔

صبح سویرے کا وقت تھا سورج اپنا دیدار کروا رہا تھا۔آج جمعرات کا دن تھا۔معمول کے مطابق سب لوگ اپنے اپنے کاموں کے لیے رواں دواں تھے۔اسی طرح اگر شہر اسلام آباد میں نظر ڈالیں تو یہاں کی یونیورسٹی میں معمول کے مطابق قدرے کم چہل پہل تھی کیونکہ امتحان نزدیک تھے اور زیادہ تر سٹوڈنٹس گھر رہ کر ہی پڑھائی کرنے کو ترجیح دیتے ہیں اور جو آتے تھے وہ صرف ٹائم پاس کرنے یا اپنی مستی میں مگن رہنے کے لیے ہی آتے تھے۔اسی طرح اگر ہم گراؤنڈ میں ایک بینچ پر نظر ڈالیں تو زینیا بیزار سی بیٹھی تھی۔

کاش سر کو ہم پر کچھ ترس آتا۔۔وہ قدرے بیزار لہجے میں منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

سب سٹوڈنٹس چھٹی کر کے اپنی تیاری میں مگن تھے ایک ان کے سر نے ہی سب کو یونیورسٹی بلا لیا تھا۔اس کا موڈ سخت اوف تھا۔

ابھی وہ بیٹھے برے برے منہ ہی بنا رہی تھی کہ اچانک اس کی نظر یونیورسٹی کے داخلی دروازے کی طرف اٹھیں جہاں سے زایان داخل ہو رہا تھا۔ اسے دیکھ کر زینیا نے ایسا منہ بنایا جیسے کڑوا بادام کھا لیا ہو۔

اسے یاد تھا جس لڑکی نے اس کے ساتھ چند دن پہلے جھگڑا کیا تھا۔ یہ اکثر اسی کے ساتھ پایا جاتا تھا اتنی بدتمیز لڑکی کے ساتھ پایا جانے والا لڑکا بھی یقیناً بہت بدتمیز ہو گا اسے یقین تھا۔ ابھی وہ دیکھ ہی رہی تھی کہ اچانک زایان نے خود پر کسی کی نظریں محسوس کر کے اپنی نظریں اٹھائیں تو اس لڑکی کو خود کو دیکھتا پایا جس سے ثنا کی اس دن اچھا خاصہ جھگڑا ہوا تھا۔ زینیا نے اسے خود کی طرف پاتا دیکھ کر اپنے نظروں کا ارتقا بدل لیا اور خود کو سرزنش کی کہ آخر کیا ضرورت تھی ایسے آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے کی۔

زایان نے اس کو دیکھا اور پھر کندھے اچکا کر کینٹین کی طرف بڑھ گیا۔

زینیا تو اس سے آتے ساتھ کینٹین کی طرف جاتے دیکھ کر ہی سمجھ گئی ضرور یہ کوئی بہت بڑا پیٹو ہے جو آتے ساتھ ہی کینٹین میں گھس گیا ہے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

دروازے پر ہونے والی دستک سے وہ جو آنکھیں موندے کرسی پر بیٹھا جھول رہا تھا خاصا ڈسٹرب ہوا اور دستک دینے والے کو اندر آنے کی اجازت دی۔ یہ ایک کھنڈر نما فیکٹری تھی جس کے کمرے میں وہ بیٹھا حرام مشروب کو اپنے حلق میں انڈیل رہا تھا جگہ جگہ باڈی گارڈز اور گنڈے موجود تھے۔

تم یہاں بیٹھے اپنے نشے میں لگے ہوئے ہو اور وہاں وہ وکیل ہمارے خلاف ثبوت پر ثبوت اکٹھے کرتی جا رہی ہے۔۔ اندر آنے والا شخص کوفت سے اسے دیکھتے پھنکارا۔

اندر داخل ہونے والا کوئی لگ بھگ تیس سے پینتیس سالہ مرد تھا اور وہ جس شخص سے مخاطب تھا وہ لگ بھگ چالیس سے پینتالیس کی عمر کا شخص تھا۔

تم پریشان کیوں ہوتے ہو اس کے باپ کو کہہ دیا ہے میں نے سنبھال لے گا وہ سب کچھ۔۔وہ بے فکر انداز میں اسے مطمئن کر رہا تھا۔

وہ اپنے باپ کو انکار کر چکی ہے اگر یقین نہ آئے تو بے شک اس کو فون کر کے پتہ کر لو۔۔۔سامنے کھڑا شخص طنزیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے غرایا۔

اس کے اتنے پر یقین لہجے پر اس نے اپنا فون اٹھایا نمبر ملایا فون اٹھانے پر وہ کال اٹھانے والے سے مخاطب ہوا۔

کیا ہوا میرے کام کا مرزا صاحب۔۔؟وہ پر اسرار لہجے میں کہہ رہا تھا۔

میں نے اس سے بات کی تھی مگر وہ نہیں مانی۔۔انہوں نے تحمل سے جواب دیا

کیا مطلب نہیں مانی تمہیں اسے منانے کا نہیں کہا تھا حکم دینے کا کہا تھا۔۔وہ تنفر سے پھنکارا۔

وہ اپنے فیصلے خود لینا چاہتی ہے میں صرف اسے سمجھا سکتا تھا یہ سرزش کر سکتا تھا اگے میری بات کو ماننا یا نہ ماننا اس کے اختیار میں تھا۔۔مرزا صاحب نے اپنی پیشانی مسلتے جواب دیا۔

ٹھیک ہے پھر اب جو میں کروں گا تم اس کے لیے مجھے روک نہیں سکتے مرزا۔۔کچھ تھا اس کے لہجے میں کہ مرزا صاحب فون کے اس پار چونکے۔

کیا بکواس ہے۔۔یاد رکھنا درانی وہ میری بیٹی ہے میں اس پر ایک نظر بھی برداشت نہیں کروں گا۔۔۔مرزا صاحب سرد لہجے میں غرائے۔

ان کے درمیان جتنی بھی تلخیاں تھیں۔ریحام سے وہ بہت محبت کرتے تھے وہ ان کی بیٹی تھی ان کی عزت ان کا مان وہ ان سے دور بھی ہو گئی تو کیا ہوا تھی تو ان کی ہی اولاد نا وہ ان کی پہلی اولاد تھی سب سے زیادہ لاڈلی اور پہلی اولاد تو ہوتی ہی بہت عزیز ہے پہلی اولاد پہلا احساس وہ بات ہی الگ ہوتی ہے اور پھر پہلی چیز تو ہمیشہ پہلی ہی رہتی ہے چاہے وہ پہلا غم ہو پہلی تکلیف یا پہلی خوشی۔۔۔

یہ تو دیکھیں گے مرزا کہ جیت آخر کس کے ہاتھ میں لکھی ہے۔۔اس کا انداز بہت چیلنجنگ تھا۔

سامنے کھڑا وجود جو کہ تماشائی بنا انہیں دیکھ رہا تھا اب ان کے اس انداز پر انہیں آنکھوں سے داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔

اور تم بھی دیکھنا جیت تو میری بیٹی کے ہی حصے میں آئے گی۔۔۔ان کے لہجے میں ایک مان تھا ایک غرور ایک فخر جو ہر ایک باپ کے لہجے میں ہوتا ہے۔

وہ ڈھٹائی سے قہقہا لگا اٹھا اور ہنستے ہنستے فون کاٹ دیا۔

کیا کہا تھا میں نے۔۔سامنے کھڑے وجود نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے کچھ جتلایا۔

پریشان مت ہو سب سنبھال لیں گے ہے تو وہ ایک عورت ہی نا۔۔۔درانی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے گھٹیا پن سے آنکھ دبا کر معنی خیزی سے بات کی۔

تصیح کرو وہ ایک مضبوط عورت ہے اور مضبوط عورتیں کسی کے سامنے نہیں جھکا کرتی۔۔اس نے درانی اس کو بہت کچھ باور کروایا۔

درانی نے نظریں چرائیں۔۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

اوئے کیا کر رہی ہے چڑیل۔۔وہ جو منہ بنا کر بیٹھی بار بار وقت دیکھ رہی تھی اور ساتھ ساتھ فون استعمال کرتے ہوئے باسل کا انتظار کر رہی تھی زایان کی بات پر تپ اٹھی۔

تم۔۔تم خود ہو گے جن، بھوت، سڑے ہوئے کریلے، بھنڈی کے منہ والے۔۔۔چڑ کر اپنا بدلہ اتارا۔

ہیں۔۔موٹو تیری زبان کو کیا ہو گیا ہے پہلے تو صرف تیری شکل سڑی ہوئی تھی اب تیری زبان بھی سڑ گئی ہے۔۔۔زایان کون سا باز آنے والا تھا۔

السلام علیکم!

وہ جو کچھ بولنے ہی والی تھی باسل کی آواز سن کر اس کی طرف گھومی اور خونخوار نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

وہ تینوں اس وقت لاؤنج میں موجود تھے لاؤنج میں ان تینوں کے علاوہ اس وقت کوئی بھی موجود نہ تھا۔

اب آرہے ہو؟ اس کی طرف گھومتے بھنویں اچکا کر سوال کیا۔

یار وہ رستے میں ٹریفک اتنا تھا۔۔ اس نے سر کھجا کر وضاحت پیش کرنی چاہی۔

اوئے باسی ڈبل روٹی میں بھی ابھی باہر سے ہی آرہا ہوں کوئی رش وش نہیں تھا میری بہن کو چونا نہ لگا۔۔ زایان جو ادھر ہی کھڑا تھا اپنی زبان کو لگام کیسے دیتا۔۔

زایان کی اس گل افشانی پر باسل اسے تیکھی نظروں سے دیکھنے لگا۔

دیکھ دیکھ کیسے تیرے بھائی کو گھور رہا ہے۔۔ زایان اسے تنگ کرنے کی خاطر امل کو کسایا۔

وہ جو پہلے ہی اس پر تپی بیٹھی تھی اسے ایک نئی وجہ مل گئی۔

آنکھیں نیچے کرو خبردار جو میرے بھائی کو آنکھیں دکھائی آنکھیں نکال لوں گی تمہاری۔۔ امل باسل کو گھورتے ہوئے بولی۔

اس کے انداز پر اور اس پر تضاد باسل کی شکل دیکھ کر زایان نے بڑی مشکل سے اپنی امڈ آنے والی ہنسی کو دبایا۔

باسل نے مسکین سی شکل بنا کر اس کی طرف دیکھا۔ اچھا نا یار اب ہو گیا لیٹ جلدی کرو تم بہت چلتے ہیں ہم دونوں۔۔ وہ زایان کو دیکھتے ہوئے جتلانے والے انداز میں امل سے کہہ رہا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا وہ دونوں کہیں جائیں اور زیان بیچ میں کباب کی ہڈی نہ بنے ایسا تو ہو ہی نہیں سکتا۔ اب اس نے اپنا کسی طرح تو بدلا لینا

تھانا۔۔ایسا نہیں تھا کہ اسے باسل پر یقین نہیں تھا مگر وہ جان بوجھ کر باسل کو تنگ کرنے کے لیے اس طرح کی حرکتیں کرتا تھا۔

مگر وہ ابھی تک کھڑی اسے گھور رہی تھی۔۔باسل کو خود پر ترس آیا اب وہ زایان کے سامنے اس سے معافی مانگتا تو وہ اسے تنگ کرتا رہتا۔

بالآخر زایان کو ہی اس کی مسکین شکل دیکھ کر ترس آیا۔۔

چل موٹو اس بار معاف کر دے بیچارے کو۔۔زایان نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے پچکارا۔

چلو۔۔زایان کا ہاتھ ہٹاتے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔

اور میں؟زایان نے معصوم سی شکل بنا کر کہا۔

آجاو تم بھی۔۔وہ اسے کہتی باہر نکلی اور گاڑی میں اگلی سیٹ پر براجمان ہوئی۔

باسل نے خونخوار نظروں سے اسے دیکھا تو وہ اسے منہ چڑاتا باہر نکل گیا۔

باسل تاسف سے اسے دیکھتا باہر روانہ ہوا اب اس کو لے کر جانے کے علاوہ کوئی آپشن نہیں تھا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

چاچو آپ کے جانے کے بعد آپ کی یہ بیٹی بہت اکیلی ہو گئی ہے۔۔۔وہ کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے دل میں ان سے مخاطب تھی۔

مشی بھی مجھے چھوڑ کر چلی گئی چاچو۔۔۔وہ رات بہت عزیت ناک تھی چاچو۔۔۔کاش آپ آج ہوتے تو میں آج ان حالات میں نہ ہوتی۔۔۔اس کی بند آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔۔۔اس نے خود کو سرزنش کرتے اپنے آنسو صاف کیے اور سرد سانس اندر کھینچا۔

السلام۔۔فریال جو اندر ہی آرہی تھی اسے خاموشی سے آنکھیں موندے بیٹھ کر پریشان ہوئی۔

ریحام اس کی آواز سن کر سیدھی ہو کر بیٹھی اور مسکرا کر اسے دیکھا مگر اس کی آنکھیں اس کی مسکراہٹ کا ساتھ نہ دے سکیں۔

مشال کو یاد کر رہی تھی؟ اس نے براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

وہ مجھے بھولی ہی کب تھی۔۔ اس نے اسے دیکھے بغیر جواب دیا۔

یار وہ سب کچھ تمہاری وجہ سے نہیں ہوا تم سب چیزوں کو بھول کیوں نہیں جاتی وہ صرف ایک حادثہ تھا اور حادثے تو سب کی زندگیوں میں ہی ہوتے ہیں۔۔ فریال نے اسے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی وہ کبھی بھی اسے اس طرح سے پریشان نہیں دیکھ سکتی تھی۔

چھوڑو ان باتوں کو۔۔ اس نے سر جھٹکتے جواب دیا۔

اتنے میں ریحام کا فون بجا ریحام کے ساتھ ساتھ فریال کی نظر بھی موبائل پر پڑی جہاں حذیفہ کا نمبر جگمگا رہا تھا مگر ریحام نے فون سائلنٹ پر ڈال دیا۔

کیا ہوا بات کیوں نہیں کر رہی؟ ناراضگی چل رہی ہے؟ فریال نے تفشیشی انداز میں بنھویں اچکا کر پوچھا۔

نہیں ریحام نے سنجیدگی سے جواب دے کر نظریں چرائیں۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

تو پھر کیا میری وجہ سے فون نہیں اٹھا رہی؟ اب اس نے شوخ انداز میں پوچھا۔

اونو۔۔ ریحام نے نفی میں سر ہلایا۔

تو پھر؟ فریال سنجیدگی سے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھے جو بالکل سپاٹ تھے۔

تو پھر کیا جب میرا دل چاہے گا میں بات کر لوں گی۔۔ سنجیدگی اب بھی برقرار تھی۔

تو پھر اس سب کا کیا مطلب لوں میں یہ تم دونوں کی پسند کی شادی ہے نا اور پھر ایسا رویہ مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا ہے تم دونوں کو دیکھ کر ایسے لگتا ہے جیسے زبردستی کسی نے شادی کروادی جتنی مرضی جھوٹی مسکراہٹیں

تم سب کے سامنے دکھالو مگر مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتی۔۔اب اسے صحیح معنوں میں غصہ آیا تھا آخر مسئلہ کیا تھا دونوں کے ساتھ؟

تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے یہ شادی صرف باہمی رضامندی کے ساتھ ہوئی ہے یہ کوئی لو میرج نہیں ہے۔۔حذیفہ کا میں کچھ نہیں کہہ سکتی مگر مجھے اس سے کبھی بھی محبت نہیں تھی ہاں وہ ایک اچھا انسان ہے اور مجھے ایک اچھے انسان کے ساتھ ہی شادی کرنی تھی صرف اسی لیے میں اس کے نکاح میں ہوں۔۔وہ سنجیدگی سے اس کی غلط فہمی دور کر گئی۔

یہ ابھی صرف باہمی رضامندی کی شادی تھی تو تم نے اتنی ضد کی ہے انکل سے؟ وہ ابھی تک حیران پریشان اس کا منہ دیکھ رہی تھی۔

حذیفہ جو کسی کام کے سلسلے میں اس کے پاس کوئی کیس لے کر آیا تھا اندر جانے ہی والا تھا کہ اندر سے آنے والی آوازوں کو سنتے رک گیا اور یہ الفاظ اس نے سنتے ہی اپنے حواسوں پر قابو پایا اس کا دل جیسے تھم سا گیا اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اپنی اتنی پرسنل بات کسی کے سامنے کر دے گی۔اس کا دل واقعی بہت اداس ہوا مگر پھر اس سے اپنے دل کو سمجھایا اور خاموشی سے ہلکا سا دروازہ ناک کرتا اندر کی جانب بڑھ گیا۔۔کچھ لوگ ہوتے ہیں آپ کی زندگی میں جنہیں معاف کرنے کے لیے آپ کا دل ہر وقت تیار رہتا ہے۔۔

ہمارا دل تجھ پہ اس قدر قربان ہے
کہ تیری ہر خطا ہنس کے ٹال دیتا ہے

فریال جو کچھ کہنے ہی والی تھی دروازہ کھلنے کی آواز پر مڑ کر دیکھا اس کے ساتھ ریحام نے بھی اپنی نظریں اٹھائیں اور اندر آنے والے کو دیکھا تو وہ دونوں اپنی اپنی جگہ حیران رہ گئیں۔

فریال تیزی سے سلام کرتی ہے باہر کی جانب بڑھ گئی جبکہ ریحام نے بمشکل خود پر قابو پایا۔

تم۔۔ تم خیریت یہاں پر؟ اپنے حواسوں کو قابو کرنے کی کوشش میں وہ ہکلائی۔

ہاں کیس ڈسکس کرنا تھا اپنے دوست کے رشتہ دار کا۔۔ اس نے کہا ہے میں تم سے بات کروں اگر تم اس طرح کا کیس لے سکتی ہو تو وہ تم سے خود آ کر ملے گا۔۔ اس نے سنجیدگی سے اسے جواب دیا البتہ اس کے چہرے کی طرف ایک دفعہ بھی نہیں دیکھا تھا۔۔ اور یہی بات ریحام کو پریشان کر رہی تھی کیونکہ وہ ہمیشہ اس سے بہت خوش دلی سے ملتا تھا ایسے اگنورنس کہاں دیکھی تھی اس کی۔۔

تو کیا تم اس کو سیکرٹری ہو؟ اس نے بظاہر سنجیدگی سے اس پر طنز کیا۔

وہ پشاور رہتا ہے اسی لیے مجھے کہا کہ میں تم سے بات کروں۔ تم کیس لے سکتی ہو تب بھی وہ لاہور آئے گا ورنہ کسی اور وکیل سے بات کرے گا۔۔ اس کا چہرہ کسی بھی تاثر سے پاک تھا اور اسے نظر ملائے بغیر کسی غیر مرئی نقطے پر نظر جمائے جواب دیا۔

اچھا۔۔۔ ریحام نے اس سے فائل لے لی اور چند ایک باتوں کے بعد حذیفہ وہاں سے چلا گیا مگر جب تک وہ وہاں رہا اس نے ایک نظر اٹھا کر اس کی طرف نہیں دیکھا اور یہ بات ریحام کو بری طرح کھلی تھی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

مغرب کا وقت گزر چکا تھا۔ رات کا اندھیرا ہر جگہ پھیل رہا تھا۔۔ یہاں ریحام اپنی گاڑی لے کر آفس سے گھر کی طرف روانہ کی وہ اپنی گاڑی خود ہی ڈرائیو کرتی تھی اسے گاڑی ٹرائیو کرنے میں بہت مہارت تھی وہ لندن میں اکثر ریسنگ مقابلے میں بھی حصہ لے چکی تھی۔۔ وہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے سوچوں میں ساتھ ساتھ الجھی ہوئی تھی کہ سوچوں کا ارتقا ایک دم سے آنے والی فون کال نے توڑا اس نے نمبر دیکھا کوئی غیر شناسہ نمبر تھا پہلے وہ کاٹنے لگی مگر پھر کچھ سوچتے ہوئے اس نے کال اٹھالی۔

جی کون؟ فون کان سے لگائے وہ سنجیدگی سے مخاطب ہوئی۔

کیسی ہیں مس ریحام؟ دوسری جانب وجود مسکراتی آواز میں مخاطب ہوا؟

آواز سنتے ہی وہ پہچان چکی تھی کہ دوسرے جانب کون ہے۔

میں اگر ٹھیک نہیں بھی ہوں گی تو آپ کو نہیں بتاؤں گی مسٹر درانی۔ اس کا لہجہ برف کی مانند ٹھنڈا تھا۔

دوسری جانب عرفان درانی نے اس کی ہمت کو داد دی۔

کیا بات ہے آئی ایم امپریسڈ۔۔ آپ کی پرسنلٹی میں کچھ تو ہے ایسا مس مرزا کہ ہر کوئی اپ کا دیوانہ ہے۔۔ وہ بغیر لحاظ کیے اپنے منہ سے غلاظت بک رہا تھا۔۔

میرے خیال سے آپ کو ڈوز کی ضرورت ہے۔۔ اور یقینا آپ جانتے ہوں گے میں کس ڈوز کی بات کر رہی ہوں؟ وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں سے بہت کچھ باور کروا رہی تھی۔

ارے آپ تو دھمکیاں دینے پر اتر آئی ہیں۔۔ وہ گھٹیا پن سے قہقہا لگا اٹھا۔

میں دھمکیاں نہیں دیتی عمل کر گزرتی ہوں سو آئندہ بی کیئر فل مسٹر درانی۔۔ اس کے لہجے میں ایک آنچ سی تھی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

کہتے ساتھ اس نے فون کھٹاک سے بند کر دیا اور سرد تاثر سے فون کو دیکھا۔

سورج کا اجالا ہر طرف پھیلا تو خوبصورت اور کھکھلاتی روشنیوں سے بھرپور صبح آنگن میں اتری۔ آج ہفتے کا دن تھا معمول کی طرح سڑکوں پر چہل پہل تھی۔ آج ریحام کو ایک یونیورسٹی فنکشن کے لیے جانا تھا جہاں پر وہ ایک چیف گیسٹ کے طور پہ انوائٹڈ تھی تو بس وہ اپنے کمرے میں بیٹھی اسی کی تیاری کر رہی تھی آج

اسے آفس نہیں جانا تھا۔ کورٹ بھی بند تھا لہذا وہاں بھی کوئی کام نہیں نکلتا تھا اس نے ہفتے کا دن ہی اس کام کے لیے سلیکٹ کیا تھا۔

اس وقت وہ اپنے کمرے میں وارڈروب سے مختلف کپڑے نکال کر انہیں چیک کر رہی تھی کہ اسے کیا پہننا چاہیے پہلے وہ سوچ رہی تھی کہ ایسٹن پہن لے پھر کہہ رہی تھی ویسٹرن پہن لے اس کا دماغ بری طرح سے گھوما ہوا تھا مگر کرنی تو اسے اپنی ہی مرضی تھی۔

لہذا اس نے ایک کالا پینٹ کوٹ اٹھایا اس کے ساتھ کالی ڈریس شرٹ پیروں کے لیے آج مختلف کرنے کے لیے اس نے سکن رنگ کی ہیلز نکالیں۔ اس کے ساتھ ہلکا سا میک اپ اور مناسب سی ہلکی سی چین اور کانوں میں ہلکے سے ہوپس پہنتے وہ تیار تھی خود کو آئینے میں دیکھ کر سراہا۔ ایک تو اس کا قد ویسے ہی اتنا اچھا تھا اوپر سے وہ ہیلز پہن لیتی تو مناسب قد کے مردوں سے بھی اونچی لگتی۔۔

اپنا سامان اٹھایا اور نیچے کی طرف بڑھی۔۔

کیا کر رہے ہو یہاں؟ وہ جو اپنی گاڑی میں بیٹھنے لگا تھا انہیں اپنے سر پہ سوار ہوتے دیکھ کر پوچھے بنا نہ رہ سکا۔

باس نے کہا ہے آپ کے ساتھ رہنا ہے آج آپ ان سے ملیں گے۔۔ سامنے والا کھسیانہ سا ہو کر جواب دینے لگا۔

معلوم ہے مجھے اب جاؤ یہاں سے مجھے تم لوگوں کی حفاظت کی ضرورت نہیں۔۔ وہ ٹھنڈے ٹھار لہجے میں اس کی عقل ٹھکانے لگا گیا۔

مگر سر وہ۔۔۔ اس نے تھوک نگلتے کچھ کہنا چاہا مگر سامنے والے کے سرتاثر دیکھ کر خاموشی اختیار کر لی۔

مجھے سکھائیں گے اب یہ۔۔ وہ ہنکار بھرتا گاڑی نکال لے گیا۔۔

حذیفہ نے جب سے وہ الفاظ ریحام کے منہ سے سنے تھے وہ یقین نہیں کر پا رہا تھا کہ وہ اس کے اور اپنے درمیان کی بات اتنی آسانی سے کسی سے کر سکتی ہے۔۔ مگر بات صرف اتنی ہی نہیں تھی وہ پریشان ان کی پچھلی ملاقات کی وجہ سے بھی تھا آج وہ اس سلسلے میں اس سے بات بھی کرنا چاہتا تھا مگر یہ سب سن کر اس کی ہمت ہی نہیں پڑی۔۔ وہ چاہتا تھا کہ ان کے درمیان سب کلیئر ہو جائے مگر شاید قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا ابھی کچھ آزمائشیں تھیں جو ان کے لیے لکھی تھی۔۔ اب وہ اس دن کے بارے میں سوچ رہا تھا جب ان کے درمیان سے کئی رازوں سے پردے اٹھے تھے۔۔

ریحام جو کہ فنکشن میں شدید بور ہو رہی تھی وہ ایسی ہی تھی جلد ہی چیزوں سے بتا جاتے تھے اور لوگوں میں بیٹھنا تو اسے ہرگز پسند نہیں تھا۔۔ فنکشن میں کھانا کھلنے والا تھا اس لیے سب لوگ ادھر ادھر باتوں میں مصروف تھے۔ ریحام جو کہ اب اس فنکشن سے اکتا چکی تھی میزبان سے جانے کی اجازت چاہتی تھی وہ انہیں ادھر ادھر ڈھونڈ ہی رہی تھی ایک دم کسی سے ٹکرائی ابھی وہ نظریں اٹھا کر اس نے دیکھا ہی تھا کہ حیران رہ گئی۔

ارے شاہنواز تم یہاں؟ وہ حیرت سے گنگ اپنے سامنے کھڑے اس پینتیس سالہ بھرپور مرد سے سوال کر رہی تھی۔

ہاں میں یہاں کیوں اچھا نہیں لگا کیا؟ شاہنواز نے اس کے چہرے کو جانچا۔۔

ایسی کوئی بات نہیں۔۔ ریحام نے بھرپور مسکراہٹ سے کہا مگر دونوں ہی جانتے تھے مسکراہٹ کتنی مصنوعی ہے۔

وہ لوگوں سے بات کرتے ہوئے ایسے ہی مصنوعی مسکراتی تھی کیونکہ اصل مسکراہٹ تو جیسے کہیں کھو گئی تھی۔۔ اور پھر لوگ تو آپ کے لیے صرف مصنوعی سا ہی مسکرا سکتے ہیں۔۔

خیر یہاں کیسے آنا ہوا؟ ریحام نے آخر کار دماغ میں آنے والا سوال پوچھ ہی لیا۔

فیملی سے ملنے آیا تھا مگر یہاں کے اونر سے میری بہت اچھی واقفیت ہے تو انہوں نے مجھے بھی انوائٹ کر لیا۔۔ وہ براہ راست اس کو دیکھتا ہوا تفصیلا اگاہ کر رہا تھا۔

اچھا چلو میں تو اونر سے مل کر نکلنے لگی تھی مجھے دیر ہو رہی ہے پھر ملیں گے۔۔ اس نے نکلنا چاہا۔

شیور پھر ملیں گے۔۔ شاہنواز نے کہا اور راستہ چھوڑ دیا۔

ریحام ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ سر خم کرتی ہوئی آگے بڑھ گئی۔

شاہنواز امیر سے وہ لندن میں اپنی پڑھائی کے تیسرے سال میں کسی نوکری کے سلسلے میں ملی تھی اور وہاں سے ان کی جان پہچان ہو گئی البتہ ریحام بس ایک حد تک ہی سلام دعا رکھتی تھی مگر زیادہ خوش اخلاقی شاہنواز کی طرف سے تھی جو وہ دوستوں کی طرح ملے تھے۔۔

ریحام وہاں کے اونر سے ملتی اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئی۔

البتہ دو آنکھوں نے اس کا پیچھا کیا تھا۔۔ اور وہ آنکھوں سے واقف تھی کہ کوئی اسے اپنی نظروں کے حصار میں رکھے ہوئے ہے مگر اب تک یہ نہ جان پائی تھی کہ وہ کون ہے؟

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

کہاں ہو اس وقت ؟ حذیفہ نے بڑی محبت سے استفسار کیا۔

کہاں ہونا ہے آفس سے گھر جا رہی ہوں۔۔ ریحام نے تھکاوٹ سے بھرپور جواب دیا۔

راستے میں ہو ؟ سوالیہ انداز

ظاہر سی بات ہے۔۔ ریحام نے کہہ کر گاڑی کا ٹرن لیا۔

کہاں تک پہنچی ہو ؟ پھر سے سوالیہ انداز

ابھی تو نکلی ہوں ساتھ ہی تمہارا فون آ گیا۔۔ ریحام نے تفصیلا اگاہ کیا

اچھا پھر ایسا کرو ادھر آ جاؤ گھر، حذیفہ نے چہک کر کہا

تمہارا دماغ خراب ہے یا بھنگ پی لی ہے ؟ رات کے سوا سات بجے میں تمہارے گھر آؤں اور وہ بھی جہاں تم اکیلے ہو ملازم کیا سوچیں گے گھر والے کیا سوچیں گے میں سب کو کیا کہوں گی، ریحام نے اسے ڈھکے چھپے الفاظ میں سمجھانا چاہا۔

اوہو ملازم ہیں ہی کتنے مالی دوپہر تک چلا جاتا ہے اور ملازمہ شام پانچ بجے تک چلی جاتی ہے بچا چوکیدار اس کو چھوڑو تم، حذیفہ نے اسے ٹالنا چاہا

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

پھر بھی حذیفہ، وہ ہچکچائی

تم آ جاؤ بریانی بنی ہے، اس نے لالچ کا تیر چلایا جو کہ ٹھیک نشانے پر لگا تھا۔

لیکن۔۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

مرضی ہے تمہاری، اس نے کہہ کر فون بند کر دیا جانتا تھا کہ وہ ضرور آئے گی۔

تقریبا آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں حذیفہ کے گھر کے لاؤنج میں بیٹھے بریانی کے انصاف کرتے کرتے خوب قہقے لگا رہے تھے۔

واہ یار کیا بریانی ہے۔۔ایسی بریانی کھائے ہوئے عرصہ ہو گیا ہے۔۔یہ وہ جملہ تھا جو وہ تقریبا ہر نوالے کے بعد ہی بول رہی تھی۔

بس کرو ریحام ہر نوالے کے ساتھ ایک ہی جملہ چلو تمہیں تعریف کرنی ہے تو جملہ تو بدل لو۔۔حذیفہ نے حسب عادت اسے چھیڑا۔

نہیں تمہیں کوئی مسئلہ ہے اگر ہے بھی تو جاؤ ڈاکٹر کے پاس علاج کراؤ۔۔ریحام نے لاپرواہی سے کہا

مگر وہ اس وقت حذیفہ کا چہرہ نہیں دیکھ رہی تھی اگر دیکھ لیتی تو یقینا اپنے جملے پر غور کرتی کہ آخر ایسا کیا بول دیا تھا اس نے جو حذیفہ کا چہرہ اس قدر سنجیدہ ہو گیا تھا۔

جلدی کرو پھر گھر بھی جانا ہے تمہیں۔۔حزیفہ نے سنجیدگی سے کہا

زیادہ جلدی نہیں تمہیں مجھے نکالنے کی؟ طنز کا تیر مارنے میں تو ماہر تھی وہ۔۔

حذیفہ نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا جہاں لاپرواہی تھی۔حزیفہ نے گہرا سانس بھرا۔وہ تھوڑی نہ جانتی تھی انجانے میں وہ ایک لفظ سے اس کے زخم ہرے کر چکی تھی۔

اچھا بس کرو کتنا کھاؤ گئی۔۔وہ کہاں باز آنے والا تھا۔

منظر دھندلایا اور حذیفہ نے گہری سانس بھری یہ وہ آخری شام تھی جب وہ ایسے ایک ساتھ دل کھول کر ہنسے تھے۔۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

صبح سویرے کا وقت تھا سورج اپنا دیدار کروا رہا تھا۔ اسلام آباد کی ہوائیں اور موسم خوشگوار تھا اور کہتے ہیں جب موسم خوشگوار ہو تو انسان کا موڈ بھی خوشگوار ہو جاتا ہے اسی طرح آج اسلام آباد کے شہریوں کا موڈ بڑا خوشگوار تھا۔ خان ولا میں نظر ڈالیں تو وہی خوبصورت دن کا آغاز ہو رہا تھا۔ آج گھر میں معمول سے زیادہ چہل پہل تھی کیونکہ حذیفہ کل رات ہی واپس لوٹا تھا۔ ابھی بیٹھے سب خوش گوار ماحول میں ناشتہ ہی کر رہے تھے کہ امل کا فون بجا۔ باسل کا نمبر دیکھ کر وہ ایک معذرت خواہانہ نظر ڈال کر وہاں سے اٹھ گئی۔ باقی سب بیٹھے آرام سے ناشتہ کرتے رہے۔

ریحام کو کیوں نہیں لائے ساتھ؟ رافعہ بیگم نے چائے کی پیالی میں چائے انڈیلتے ہوئے سرسری انداز میں پوچھا۔

مجھے یاد نہیں رہا اس سے پوچھنا جلدی میں آیا تھا باسل کی وجہ سے۔۔ حذیفہ نے بھرپور کوشش کی کہ اس کا لہجہ اور اس کے تاثرات نارمل رہیں۔

چلو کوئی بات نہیں ہم خود اپنی بیٹی کو بلوا لیتے ہیں۔ دانیال خان نے بڑی محبت سے کہا

ہو سکتا ہے بابا وہ نہ آئے۔۔

کیوں؟ زیان کب تک خاموش رہ سکتا تھا۔

کیس چل رہا ہے نا اس کا ویسے میری اس بارے میں سے کوئی بات نہیں ہوئی اس سے، حذیفہ نے پین کیک کا ٹکڑا منہ میں ڈالتے ہوئے سرسری سا کہا

چلو دیکھتے ہیں اس چیز کو بھی تم اس سے بات کر لو نا اگر وہ بزی ہے تو پھر اس بار ہم چلے جائیں گے اپنی بیٹی سے ملنے، رافعہ بیگم کے لہجے میں بہو کے لیے مٹھاس ہی مٹھاس تھی۔

حذیفہ کا دل برا ہوا جب وہ ان کے بیٹے کو کچھ نہیں سمجھتی تھی تو پھر انہیں کیا سمجھتی ہو گی، اس نے دل میں سوچا۔

جی ٹھیک ہے۔۔بد دلی سے کہہ کر وہ جوس کا کلاس ہلک میں انڈیلنے لگا۔

حذیفہ نے ریحام سے بات کی تو اس نے آنے کی حامی بھر لی مگر یہ نہیں بتایا تھا کہ وہ کس دن آئے گی سو اس نے گھر والوں کو اطلاع کر دی مگر ریحام نے پہلی دفعہ اس کے لہجے کو سرد مہری سے بھرپور اور اپنائیت سے خالی محسوس کیا تھا۔ دوسری طرف ریحام شہریار مرزا اور رقیہ بیگم منع کرنے کے باوجود جا رہی تھی انہوں نے منع کیا تو اس میں بھی ریحام نے سنا دی کہ وہ خود نہیں جا رہی بلکہ اس کے ساس سسر نے اسے خود بلایا ہے اور اگر وہ اپنی مرضی سے بھی جانا چاہیں تو وہ اسے روک نہیں سکتے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

ارے بڈی آپ کب آئے، آٹھ نو سال کی وہ بچی جو کھانا کھانے باہر آ رہی تھی لاؤنج میں بیٹھے اپنے بڈی کو دیکھ کر چیخ پڑی۔

لاؤنج کے صوفے پہ بیٹھا وہ بھرپور مرد سامنے اس بچی کو دیکھ کر بے تحاشہ خوش ہوا اور اپنے بازو وا کیے جن میں وہ آ سمائی۔

اب وہ مرد اس بچی کا ماتھا چوم رہا تھا، کیسا ہے میرا بیٹا؟ محبت سے لبریز لہجا

ارے میں تو بالکل ٹھیک بڈی، میرے گفٹس تو لائے ہیں نا؟ اپنی خیر خیریت بتاتے ساتھ ہی اسے اپنے تحائف کی فکر پڑ گئی تھی۔ کیونکہ جانتی تھی ایک وہی ہے اس کے لیے۔۔

بالکل میں اپنی گڑیا کے لیے لایا ہوں گفٹس، اس نے بچی کے بال سنوارتے محبت سے کہا

اچھا میرے چھوٹے کارٹون کہاں ہیں؟ مرد نے خالی لاؤنج کو دیکھتے کہا

ماما ساتھ نانو گھر گئے ہیں، بچی نے اسے جواب دیا البتہ اس کا چہرہ اس سوال پر مرجھا گیا تھا۔

تو آپ کیوں نہیں گئی؟ اس مرد نے براہ راست اس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے اس کی اداسی کی وجہ جاننی چاہی۔

میں تو سکول تھی نا مجھے لیٹ چھٹی ہوتی ہے اس لیے ماما ان دونوں کو لے کر چلی گئیں۔ بچی نے وضاحت دی۔

اچھا آپ بتاؤ پاپا کہاں ہیں؟

اسلام آباد گئے ہیں۔۔

بڈی پاپا روز روز کہیں چلے جاتے ہیں اب میرے ساتھ نہیں کھیلتے اور ماما صرف ان دونوں (چھوٹے بہن بھائی) کے ساتھ ہی لگی رہتیں، بچی کی آواز بھرا گئی۔

ارے چاچو ہیں نہ اپنی بیٹی کے لیے، چھوڑو سب کو ہم دونوں ہی کافی ہیں، اس مرد نے بچی کو پچکارا البتہ اس کو اپنا دل خون ہوتا ہوا نظر آیا اور اپنے بھائی بھابھی پر انتہا کا غصہ آیا کہ وہ بچی کے لیے ہفتے میں ایک دن کا بھی وقت نہیں نکال سکتے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

بچے پیار اور وقت کے ہی بھوکے ہوتے ہیں۔

چاچو آپ تو اتنی دیر بعد آتے ہو، اتنا وقت کون لگاتا بڈی؟ آنکھوں میں آنسو اور زبان سے شکوہ آیا۔

بیٹا آپ کو تو پتہ ہے میں آرمی میں ہوں وہ اتنی جلدی چھٹی نہیں دیتے، مرد بچی کے آنسوؤں کے آگے بے بس ہو رہا تھا۔

اچھا ٹھیک ہے رونا بند کرو سب سے پہلے اپنے گفٹس دیکھ لوں پھر ہم دونوں کھانا کھانے جائیں گے باہر اور شاپنگ کرنے جائیں گے۔۔ اس نے پیار سے بچی کو پچکارا۔

ٹھیک ہے چلیں بچی خوشی خوشی راضی ہو گئی کیونکہ یہی تو تھے اس کے ہمدرد اس کے دوست۔۔

ریحام نے گہری سانس بھری اور اپنی آنکھوں کی نمی کو اپنے اندر ہی اتارا۔
وہ اس وقت جہاز میں بیٹھی کھڑکی سے پار نظارے دیکھتی اور سوچوں میں اپنے چاچو کو یاد کر رہی تھی۔۔

زینیا کا آج پہلا امتحان تھا۔ وہ امتحان دے کر پارکنگ میں آگئی تاکہ اپنی گاڑی نکال سکے۔ یونیورسٹی کی پارکنگ میں اس قدر چہل پہل تھی کہ گھٹن ہونا شروع ہو گئی تھی ابھی اس نے گاڑی کے دروازے پر ہاتھ ہی رکھا تھا کہ پیچھے سے کوئی اسے مخاطب کرتا ہوا اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو وہی لڑکا کھڑا تھا جو بتمیز لڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔ اس نے بیزاری سے دیکھا کیونکہ اس وقت وہ بس گھر جانا چاہتی تھی۔
جی۔۔ چہرے اور لہجے دونوں میں بیزاری تھی۔
یہ میری گاڑی ہے، زیان کو جیسے اس کی عقل پر شبہ ہوا ایک تو اس کی گاڑی چوری کرنے لگی تھی اوپر سے کیا ایٹیٹیوڈ تھا۔
جی؟ زینیا کو ابھی تک اس کی بات سمجھ نہیں آئی تھی۔
جی، زایان نے بھی اسی طرح کہا
اور آپ کے پاس کیا ثبوت ہے؟ زینیا نے بنھویں اچکا کر پوچھا۔
آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، ابھی زیان کچھ کہتا کہ اچانک زینیا کی نظر گاڑی کی نمبر پلیٹ پر پڑی تو ایک دم گڑبڑا گئی کیونکہ یہ تو اس کی گاڑی کا نمبر ہی نہیں تھا۔
او آئی ایم سوری۔۔ ذرا جلدی میں تھی تو دیکھ نہیں سکی ایکچولی میری گاڑی کا بھی یہی کلر اور ماڈل ہے۔
کوئی بات نہیں ہو جاتا ہے، زیان نے اسے شرمندہ ہونے سے بچایا۔
ابھی زینیا یا زیان میں سے کوئی کچھ کہتا کہ اچانک ایک لڑکا پیچھے سے زیان کی گردان لگاتے ہوئے آیا۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

زیان زیان۔۔وہ لڑکا تقریبا بھاگتے ہوئے اس کے پاس آرہا تھا۔

کیا ہو گیا؟زیان نے اس کی اتنی ہڑبڑی مچانے پر بے ساختہ پوچھا۔

مجھے تم سے کچھ بات کرنی تھی، لڑکے نے اب جلدی سے کہا۔شاید یہ اس کی عادت تھی کہ وہ ایسے ہی بات کرتا تھا۔

او۔۔زینیا آپ یہاں؟لڑکا اب زینیا سے مخاطب ہوا جو دونوں کی شکلیں دیکھ رہی تھی۔

جی وہ مجھے لگا یہ میری گاڑی ہے،

او اچھا خیر اس سے ملو یہ میرا دوست ہے زیان اور زیان یہ زینیا ہے میں صرف ان کو نام تک ہی جانتا ہوں۔ایک دفعہ ان سے ہیڈ اف ڈیپارٹمنٹ میں سرسری سے ملاقات ہوئی تھی۔۔لڑکے نے زیان کے تاثرات دیکھتے ہوئے سے وضاحت دی۔

اچھا اب میں چلتی ہوں تھینک یو،زینیا نے اب یہاں سے نکلنا چاہا کیونکہ وہ جتنی بیزار تھی اتنا ہی اسے یہاں پر ٹائم ویسٹ کرنا پڑا۔

زیان اور اس لڑکے نے راستہ چھوڑ دیا۔

یہ وہی ہے نا جس کا ثنا سے جھگڑا ہوا تھا؟زیان کنفرم کرنا چاہا۔

ہاں ہاں وہی ہے۔۔

اچھا،زیان نے اس کی پشت دیکھتے ہوئے کہا۔

زیان ابھی گھر کے گیٹ پر پہنچا ہی تھا کہ اسے لگا جیسے بھابھی (ریحام) کیب سے نکل رہی ہیں۔وہ فوراً سے گاڑی سے اتر کر اس کی طرف بڑھا تھا کہ اس کا سامان اٹھا لے۔

السلام علیکم بھابھی، کیسی ہیں آپ بھائی نہیں آئے آپ کو لینے ؟

کال کی تھی اس کا نمبر نہیں لگ رہا تھا تو سوچا خود ہی آجاؤں، ریحام نے نارمل لہجے میں کہا

تو آپ گھر کال کر لیتی ہیں یا مجھے کر لیتیں،

چلو اب تو میں آگئی ہوں نا چلو اندر چلتے ہیں، کہتے ساتھ وہ دونوں اندر کی جانب بڑھے۔

السلام علیکم! اندر داخل ہوتے ساتھ ہی ریحام نے سلام کیا۔

لاؤنج میں بیٹھے رافعہ بیگم اور دانیال خان بڑی محبت سے اس سے ملے،

بیٹھو بیٹا۔۔ ہمیں تو لگا کہ ایک دو دن تک آؤ گی، رافعہ بیگم نے خوش دلی سے کہا

وہ بس مسکرا کر رہ گئی،

امل باسل کے ساتھ گئی ہے اور حذیفہ ذرا باہر نکلا ہے تم فریش ہو جاؤ پھر میں کھانا لگواتی ہوں تب تک وہ لوگ بھی آجائیں گے۔

چلیں ٹھیک ہے پھر میں فریش ہو لیتی ہوں آپ کھانا لگوا دیں مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے۔۔ ریحام نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

یا اللہ میرے نصیب میں ماں باپ کا ساتھ کیوں نہیں لکھا؟ باپ ہمیشہ کے لیے چھوڑ گیا تو ماں۔۔۔ اس کے آگے اس سے بولا نہیں گیا دل پھٹنے کے قریب آگیا وہ ہر بار کی طرح آج بھی بری طرح ٹوٹ رہا تھا اور پھر انسان تو تنہائی میں ہی اپنا آپ رب کے سامنے ظاہر کرتا ہے۔

اسامہ۔۔، وہ جو جانماز پر بیٹھا اپنے رب سے گفتگو کر رہا تھا اس میں خلل موسی کی آواز نے ڈالا۔

ہاں بولو، وہ جانماز سے اٹھ کھڑا ہوا

میں گھر جانا چاہتا ہوں تم ساتھ چلو گے۔۔ موسی نے اس کے چہرے کے تاثرات کو مد نظر رکھتے ہوئے کہا ہاں میں چلوں گا اور اس بار تو عباس انکل کہہ رہے تھے کہ گاؤں بھی جانا ہے۔۔ اب وہ اپنا فون اٹھا کر کوئی میلز چیک کر رہا تھا۔

ہاں تو بس تیاری کر لو پھر، اپنے آفس سے تم نے چھٹی لے لی۔۔؟

نہیں آج جاؤں گا نا تو لے آؤں گا ویسے تین سے چار دن کافی ہوں گے؟ اس نے جواب دیتے ہوئے آخر میں موسی سے پوچھا۔

صرف تین چار دن؟ یار میں تو تھک گیا ہوں اس ہاسٹل سے اب چلتے ہیں نا گھر ہی۔۔

بس انشاءاللہ دو تین مہینے تک میں کوئی اپارٹمنٹ رینٹ پہ لے لوں گا فلحال ابھی جاب نئی ہے تو مجھے ذرا معاملات کو ہینڈل کرنا ہے، اسامہ ابھی بھی موبائل میں میلز چیک کرتے ہوئے لاپرواہی سے کہہ رہا تھا۔

کیا مطلب اب تم ہمارے ساتھ نہیں رہو گے؟ موسی نے بے یقینی سے پوچھا۔

تو یہ باتیں تمہیں الریڈی پتہ تھی اس میں اتنا اوور ریاکٹ کرنے والی کون سی بات ہے، وہی ازلی لاپرواہی مگر مجھے تو لگا تم مذاق کر رہے ہو، موسی اب تک بے یقین تھا وہ دونوں ہمیشہ ساتھ رہے تھے ایک ہی گھر میں پلے بڑھے تھے اب ایک دم سے وہ چلا جائے گا تو وہ بہت زیادہ اکیلا ہو جاتا ہے۔

ٹھیک ہے تمہاری مرضی بابا تم سے خود ہی بات کر لیں گے۔۔

خبردار جو تم نے انہیں میرے خلاف کیا، اسامہ تنبیہ کرتے لہجے میں بولا

بھاڑ میں جاؤ میری طرف سے۔۔ موسی جو شرٹ پکڑے ہوا تھا وہی گول مول کر کے اسے منہ پر دے ماری۔

موسی سے بحث بکار تھی وہ جانتا تھا وہ اور عباس صاحب ایسے ہی ری ایکٹ کریں گے۔

ریحام جو ابھی فریش ہو کر نکلی تھی فون کی گھنٹی بجتے دیکھ تولیہ بیڈ پر رکھ کر فون اٹھایا۔

نمبر دیکھتے ساتھ ہی ناگواری کی ایک شدید لہر اس کے اندر ابھری۔

بکو۔۔ریحام نے فون اٹھاتے ساتھ بولنے والے کو اس کی اوقات یاد کروائی۔

ارے آپ تو ناراض ہی ہو گئی ہیں،

حد میں رہو درانی، آج اس نے صاحب لگانے کی غلطی نہیں کی تھی۔

دوسری طرف درانی گھٹیا بن سے قہقہہ لگا گیا۔

ریحام نے غصہ سے فون کاٹ دیا۔

تمہیں تو میں دیکھتی ہوں کہنے کے ساتھ اس نے کسی کو فون میلایا۔

میرے کام کا کیا بنا؟

کون سا والے کام میم؟

بالکل تمہیں تو میں نے اتنے کام دیے تھے اور تم نے تو کوئی بھی نہیں کیا اب تم یہی پوچھو گے نا کون سا کام فلحال درانی والے کام کا اور کل تک مجھے ان فارم کرو۔

اوکے میم۔۔

کال کاٹتے ساتھ ہی اس نے دوسرا نمبر ملایا۔

جی مہران صاحب کیا بنا میرے کام کا؟ سنجیدگی سے سوال کیا گیا۔

جی میم بس اپ آجائیں تو آپ دیکھ کر فائنل کر دیجئے گا بس ایک ہفتے کا ہی کام ہے۔

ٹھیک ہے تب تک آپ سارا پیپر ورک دیکھ لیں اگر ضرورت پڑی تو ہمارے پاس الریڈی تیار ہونے چاہیے باقی ان پیپرز کو کام میں لانا ہے یا نہیں یہ میں وہاں آکر ڈیسائڈ کروں گی۔

اوکے میم میں دیکھ لیتا ہوں۔

ٹھیک ہے خدا حافظ۔

فون کاٹتے ساتھ ریحام نے گہری سانس بھری اور نیچے کی طرف چل دی۔

السلام علیکم !ریحام نے نیچے لاؤنج میں آتے سب کو سلام کیا جہاں تین افراد کا اضافہ ہو چکا تھا اور وہ یقینا تین افراد باسل امل اور حذیفہ ہی تھے۔

وعلیکم السلام۔۔حذیفہ اور باسل نے جواب دیا جبکہ امل اٹھ کر ریحام سے گلے مل رہے تھی۔

کیسی ہیں آپ بھابھی؟ باسل نے خوش دلی سے پوچھا چونکہ وہ حذیفہ اور اس کے نکاح میں شریک نہیں تھا اس لیے ان کی آج پہلی ہی ملاقات تھی البتہ ریحام اس کی بہن اور امی سے مل چکی تھی۔

الحمدللہ آپ سنائیں کیسی جا رہی ہے آپ کی پڑھائی؟ ریحام نے بھی خوش دلی سے ہی پوچھا۔

اچھی چل رہی ہے میں معذرت خواں ہوں آپ لوگوں کے نکاح میں شرکت نہیں کر سکا اس وقت میرے ایگزامز چل رہے تھے تو یہ معذرت کے طور پر یہ تحفہ قبول کریں، باسل نے ایک تحفہ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا

ویسے اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی مگر شکریہ، ریحام نے کہتے ساتھ اس سے تحفہ قبول کیا۔

ارے بھابھی لے لیں بھلا گفٹ کو کون منع کرتا ہے، امل نے بات میں اپنا حصہ ڈالا۔

اب ہر کوئی تمہاری طرح تو نہیں ہوتا نا جو اتنی لمبے لسٹ دے دے منہ پھاڑ کر کہ میرے لیے یہ بھی لے آنا یہ بھی لے آنا، زایان اس پر طنز کر رہا تھا۔

تم چپ کرو تم سے منگواتی ہوں اپنے شوہر سے ہی منگوایا ہے نا، امل نے دانت پیستے جواب دیا۔

سب ان کی نوک جھوک پر مسکرا دیے۔

باقی سب ان کی گفتگو سن رہے تھے جبکہ رافعہ بیگم کچن میں ملازمہ کو ہدایت دے رہی تھی کہ کھانا لگا دیا جائے۔

چلیں بھئی کھانا لگ گیا ہے آجائیں۔ اتنے میں رافعہ بیگم نے سب کو کہا تو سب اٹھ کر کھانے کی میز کی طرف چل دیے۔ جبکہ وہ حذیفہ نے ریحام کو مخاطب کیا۔

تم نے آج آنا تو مجھے بتایا کیوں نہیں میں تمہیں لینے آجاتا۔ جو بھی تھا وہ اس کی ذمہ داری تھی۔

کیا تم آجاتے؟ طنزیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے ریحام نے سوال کیا۔

کیا میں پہلے کبھی نہیں آیا؟ حذیفہ کو بھی غصہ آگیا اور اس کی اتنی فضول بات پر

خیر ان باتوں کو چھوڑو بعد میں بات کریں گے مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے چلو اگر تم نے کھانا ہے۔

حذیفہ کو اب اس پر غصہ آنے لگا تھا ایک تو غلطی بھی اپنی اوپر سے ایٹیٹیوڈ۔۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

میم وہ ابھی تک کام نہیں ہو سکا، وہ لڑکی کو ہی موقع ہی نہیں دیتی ہم کیا کریں۔۔ وہ لڑکا ہاتھ باندھے سر جھکائے اپنے سامنے بیٹھے وجود کو بتا رہا تھا۔

لعنت ہو تم لوگوں پر ایک لڑکی کو نہیں قابو کر سکتے، دفع ہو جاؤ یہاں سے میں خود دیکھ لوں گی اس معاملے کو، وہ عورت جو کرسی پر بیٹھی تھی اس کی بات سن کر سلگ گئی۔

لڑکا بیچارہ کھسیا کر چلا گیا۔

یہ ایک تہ خانہ تھا جہاں وہ عورت بیٹھی تھی۔ ہر طرف اندھیرا اور کار کباڑ ہی پڑا تھا۔ اس عورت کو جب کوئی کام کی معلومات لینی ہوتی وہ صرف تب ہی یہاں دیکھی تھی۔ دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ جگہ کو استعمال میں نہیں۔۔

یار مجھے سمجھ نہیں آتی میں کیا کروں۔۔ ماما پاپا کو میں نے صرف ایک ہفتے کا وقت دیا تھا اب تین ہفتے ہونے والے ہیں مگر انہوں نے میری کسی بات کو سیریس نہیں لیا یار میں تھک گئی ہوں اس زندگی سے مجھے بھی ایک نام چاہیے پتہ ہے جب ان کے باقی بچوں کے ساتھ مرزا لگتا ہے تو مجھے اتنی تکلیف ہوتی ہے کہ کاش میں بھی اپنے نام کے ساتھ مرزا لگا سکتی کتنا فرق ہے ناموں میں ریحام مرزا، ماہا مرزا، غازان مرزا اور زینیا شہریار۔ مجھے اپنا آپ کمتر سا محسوس ہوتا ہے۔۔ زینیا اس وقت اپنے کمرے میں بیٹھی اپنی دوست جو کہ ابھی کچھ دیر پہلے آئی تھی اس کے ساتھ بیٹھی اپنا دل ہلکا کر رہی تھی ایک وہی تو تھی اس کی مخلص دوست جس سے وہ اپنی ہر بات کر سکتی تھی وہ اس کے ماضی حال مستقبل بچپن ہر چیز سے واقف تھی۔ اور وہ اس کے راز رکھتی بھی تھی۔

تو تم میڈیا کو بتا دو۔۔ اس کی دوست نے اسے آسان حل پیش کیا۔

نہیں میں یہ نہیں چاہتی کہ مجھے نام ملے اور میرے ماں باپ کا نام بدنام ہو، اسے ابھی بھی انہی ماں باپ کا خیال تھا جن کے لیے بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی اس گھر میں وہ اکیلی رہتے رہتے تھک گئی تھی۔

تمہیں پتہ ہے باپ تو چلو اسلام آباد نہیں رہتا اور ماں وہ تو ادھر اس شہر میں ہوتی ہوئے بھی مجھ سے مشکل سے مہینے بعد چکر لگاتی ہے اس سب کا میں کیا سمجھوں میرے تو ماں باپ ہوتے ہوئے بھی نہیں ہیں۔ میں کیا کروں مجھے خود سمجھ نہیں آتا۔ انہیں وہاں پر اپنے گھر میں اکیلے رہنا منظور ہے مگر وہ میرے ساتھ نہیں

رہ سکتیں یا مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتیں کیونکہ ان پر انگلیاں اٹھیں گی۔ تو تب یہ کرنے سے پہلے کیوں نہیں سوچا انہوں نے، وہ بے حد مایوس تھی۔

تم ایک کام کیوں نہیں کرتی میں نے سنا ہے تمہاری بہن وکیل ہے تم اس سے بات کرو ہو سکتا ہے وہ تمہارا کوئی حل نکال دے۔ کیونکہ وکیل تو ویسے بھی بڑے ہمدرد اور نرم دل ہوتے ہیں۔ اس کی دوست نے اسے ایک اور مشورہ پیش کیا۔

اور اگر اس نے میری بات کا یقین نہیں کیا اور کچھ غلط ہو گیا پھر، زینیا نے اپنا ڈر پیش کیا۔

کچھ نہیں ہو گا تم ایک کام کرو سارے پیپرز ریڈی کرو مگر ہاں اس کے پاس اصلی پیپرز نہیں لے کے جانا سارے ڈاکومنٹس جو ہیں نا اپنے ماما پاپا کی نکاح کی کاپی اور ائی ڈی کا اپنی کچھ تصویریں کی ان کے ساتھ بچپن سے لے کر اب تک ٹھیک ہے اور اپنی جو برتھ سرٹیفیکیٹ وغیرہ اور اپنی ڈی این اے رپورٹ یہ سب کچھ لے کر جاؤ اور اس کو دکھانا ہو سکتا ہے وہ تمہیں کوئی حل پیش کرے اگر وہ تمہاری نہیں بھی سنتی تو پھر بھی اس کو یہ تو پتہ چل جائے گا نا کہ تم اس کی بہن ہو اور اگر سب کا نہ حل نکلے تو کوئی اور حل نکال سکتے ہیں ہم۔۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

ٹھیک ہے لیکن اس سب کے لیے تو مجھے لاہور جانا پڑے گا اور ڈیڈی مجھے کبھی بھی لاہور آنے نہیں دیں گے کیونکہ انہیں بہت سارے خوف ہیں۔ اس نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

اوہو تم لاہور میں نہیں جا سکتی تو وہ تو اسلام آباد آ سکتی ہے ایک کام کرتے ہیں۔ سب سے پہلے اس سے رابطہ کرتے ہیں اور پھر اسے کہتے ہیں کہ تم سے کہو کہ تمہیں اس سے ملاقات کرنی ہے اور ہو سکتا ہے وہ کوئی حل نکال لے، اس کی دوست نے اسے ایک اور حل پیش کیا۔

یہ تو ہو سکتا ہے مگر ہمارے پاس اس کا نمبر نہیں ہے،

لڑکی نمبر نہیں ہے تو ہمارے پاس اس کی انسٹا ائی ڈی تو ہے نا تمہیں پتہ ہے نا وہ کتنی سوشل ہے اور ویسے بھی یہ جو پبلک فگرز ہوتے ہیں تو ان کی تو کوئی نہ کوئی ائی ڈیز ہوتی ہیں اس کی بھی ہو گی ہم وہاں سے پتہ کر سکتے ہیں ہم اس سے وہاں سے کانٹیکٹ کر سکتے ہیں۔۔

ہاں یہ اچھا ہے چلو چلو اس کی آئی ڈی ڈھونڈتے ہیں۔۔ میرا فون کدھر ہے، زینیا نے کہتے ساتھ اپنا فون تلاش کرنا چاہا۔

یہ پڑا ہے لڑکی باولی ہو گئی ہو۔۔ اس کی دوست نے سائیڈ سے پکڑ کے اس کو فون پکڑایا۔

اب وہ دونوں بیٹھ کر ریحام کی آئی ڈی تلاش کر رہی تھیں۔

اب اگے دیکھنا انہوں نے یہ تھا کہ وہ اس کی مدد کریں گی یہ اس کا کیا ری ایکشن ہو گا۔۔

اسامہ اور موسی گاؤں پہنچ چکے تھے۔ اسامہ اپنے آفس سے اجازت لے چکا تھا۔ اس لیے عباس صاحب پہلے ہی گاؤں چلے گئے تھے جبکہ موسی اور اسامہ کو ایک ساتھ جانا تھا اس لیے وہ آج پہنچے تھے۔

اب وہ دونوں ٹیکسی سے نکل رہے تھے، چلو آؤ اندر چلیں۔ موسی نے اسامہ کو مخاطب کیا جو کہ حویلی کو دیکھ رہا تھا۔ یہ حویلی موسی اور اس کے والد عباس صاحب کے آباؤ اجداد کی تھی۔ وہ اکثر یہاں پہ چھٹی میں آتے تھے۔ حویلی بہت شاندار نہیں تھی مگر بہت گئی گزری بھی نہیں تھی۔

ہاں چلو۔۔

اب وہ دونوں اندر داخل ہو رہے تھے جہاں عباس صاحب ان کے استقبال کے لیے کھڑے تھے اور وہ دونوں عباس صاحب سے ملے اور اندر کی طرف چل دیے۔

ابھی وہ دونوں لاؤنج میں بیٹھے ہی تھی کہ عباس صاحب نے ان سے گفتگو کا اغاز کیا۔

میں نے تم دونوں کو یہاں پہ کسی مقصد کے لیے بلایا ہے۔۔انہوں نے سنجیدگی سے بات کا آغاز کیا۔
وہ دونوں ان کے چہرے بہت غور سے دیکھ رہے تھے۔۔
میں جانتا ہوں یہ بات تم لوگوں سے چھپانا ہو سکتا ہے دونوں کو برا لگے مگر اگر میں ایسا نہ کرتا تو تم لوگ زندگی کی رنگینیوں میں اتنا آگے بڑھ جاتے کہ پھر مجھے تم لوگوں کو سنبھالا مشکل ہو جاتا۔اسی لیے میں نے تم لوگوں سے یہ بات چھپائی تھی۔
میں اور جہانگیر بہت اچھے دوست تھے۔میری شادی جہانگیر کی شادی سے کچھ مہینے پہلے ہی ہوئی تھی۔اور پھر جہانگیر کی شادی تمہاری امی سے ہوئی،اب یہ بات کرتے ہوئے وہ اسامہ کے چہرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔
ہم لوگ کبھی بھی ایک مڈل کلاس فیملی سے بلونگ نہیں کرتے تھے ہم دونوں کا اپنا بزنس تھا جس میں ہم دونوں ففٹی ففٹی کے پارٹنر تھے۔موسی کی امی نے ہمیشہ میرا ساتھ دیا۔مگر جہانگیر اس معاملے میں ذرا بدقسمت ثابت ہوا تھا۔اسے بہت جلدی اندازہ ہو گیا کہ اس کی بیوی کس قسم کی خاتون ہے۔وہ ایلٹ کلاس کی عورت تھی اور انہی کی طرح کے مزاج بھی تھے ان کے اوپر سے وہ اپنے گھر والوں کی بہت لاڈلی تھی۔جس وجہ سے جہانگیر کو لگتا تھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ سنبھل جائے گی مگر وہ وقت نہ آیا اور تمہاری امد کی خوشخبری انہیں مل گئی۔یہ سب باتیں جو میں تمہیں بتا رہا ہوں یہ مت سمجھنا کہ جہانگیر مجھے سب کچھ بتاتا تھا اس نے مجھے کچھ بھی نہیں بتایا یہ باتیں مجھے بہت بعد میں معلوم ہوئیں۔۔تمہارا باپ ایک بہت اچھا انسان تھا۔میں نے اسے کھویا ہے تو مجھے لگتا ہے کہ میں نے بہت کچھ کھو دیا۔وہ صرف ایک اچھا انسان ہی نہیں تھا بلکہ اسے رشتے نبھانے کے اچھے سے آتے تھے۔مگر کوئی بھی تعلق صرف ایک ہی ڈور پہ ہی چل سکتا۔جب انہیں تمہاری امد کی خوشخبری ملی تو تمہاری امی نے بہت شور مچایا کہ انہیں ابھی اولاد نہیں چاہیے وہ اپنی زندگی کو انجوائے کرنا چاہتی ہے۔مگر جہانگیر کو اپنی اولاد بہت عزیز تھی۔اس نے انہیں سختی سے

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

منع کر دیا اور دھمکی بھی دی اگر انہوں نے تمہیں کچھ کرنے کی کوشش کی تو وہ ان پر کیس کر دیں گے بلکہ نہ صرف کیس کریں گے ان کے گھر والوں کو بھی سب کچھ بتا دیں گے۔۔ جس کی وجہ سے وہ کچھ وقت کے لیے خاموش ہو گئیں۔ مگر ان دونوں کے درمیان تلخیاں بڑھنے لگی تھی۔ ان دنوں جہانگیر بہت زیادہ پریشان رہنے لگا تھا بہت کمزور ہو گیا تھا وہ، وہ بچپن سے یتیم تھا اور بہن بھائی بھی کوئی نہیں تھا چچا نے پالا تھا اور چچا کی ہی بیٹی سے شادی کی تھی اس نے، پھر آگے اس نے اپنی محنت اور لگن سے سب کچھ حاصل کر لیا اور اس کا خاندان بھی ایلٹ کلاس ہی تھا جس کی وجہ سے جو اس کے باپ کا حصہ تھا وہ اسے ملا جس کی بنا پر اس نے میرے ساتھ بزنس سٹارٹ کیا تھا۔ اگر اب بیوی بھی چھوڑ جاتی تو چچا کا خاندان بھی اس سے الگ ہو جاتا۔ اس لیے وہ تمہارے معاملے میں زیادہ پریشان رہتا تھا کہ اگر وہ گھر میں کبھی نہ موجود ہوا تو وہ اس کے پیچھے کچھ بھی تمہیں کچھ بھی کر سکتی تھی چاہے بے شک وہ تمہیں دنیا میں لے آتی خیال تو اسے ہی رکھنا تھا۔ اس سب کے پیچھے کیا وجوہات تھیں وہ نہیں جانتا تھا وہ صرف اتنا ہی جانتا تھا کہ شاید وہ ابھی اولاد نہیں چاہتی صرف اسی لیے اس طرح کی باتیں اور اس طرح کی تلخی اس کے اندر بڑھتی جا رہی ہے مگر وہ انجان تھا کہ اس کی بیوی کسی اور مرد میں انوالو ہو چکی ہے۔۔ یہ بات اسے تب معلوم ہوئی جب ایک دن وہ آفس سے گھر آ رہا تھا اور اس نے تمہاری امی کی ساری باتیں سن لی وہ کسی سے فون پر گفتگو کر رہی تھی۔ یہ سب سننے کے بعد اس کے اندر ہمت نہ بچی، جہانگیر کے استفسار پر اس نے ڈھٹائی سے طلاق کا مطالبہ کیا۔ جہانگیر خود بھی ایسی عورت کو نہیں رکھنا چاہتا تھا بے شک اس سے محبت کرتا تھا مگر محبت عزت سے کئی گنا عزیز تر ہوتی ہے۔ اس نے بھی عزت کو محبت پر ترجیح دی۔ اور ایک معاہدہ کیا کہ جب تک تم اس دنیا میں نہیں آ جاتے وہ تمہارا خیال رکھے اور جس دن تم اس دنیا میں آ گئے اسی دن وہ اسے طلاق دے دے گا۔ اور معاہدے کے مطابق سب کچھ ویسا ہی ہوا جیسے ہونا تھا جس دن تم پیدا ہوئے اسی دن میں تمہیں چھوڑ کر چلی گئی تھی اور پھر جہانگیر نے تمہیں خود سنبھالا تھا۔ یہ ایک مشکل امر تھا اس کے لیے ایک دن

کے بچے کو سنبھالنا جیسے ماں کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ جسے اپنی بھوک مٹانے کے لیے بھی اپنی ماں چاہیے ہوتی ہے مگر اسے ترس نہ آیا۔ مجھے یہ سب کچھ اسی دن معلوم ہوا تھا جس دن جہانگیر کو اس کی بے وفائی کا علم ہوا تھا۔ وہ اس دن بہت ٹوٹ گیا تھا وہ میرے پاس آیا تھا بہت زیادہ پریشان تھا میں نے اس سے پہلے ایسے کبھی نہیں دیکھا اور مرد واقعی ٹوٹتا ہے جب اس سے عورت دھوکہ دیتی ہے کوئی بھی مرد یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کی عورت اس سے بے وفائی کرے اس کے مال اور عزت کی حفاظت نہ کرے۔ خیر اس سب کے بعد پانچ سال تک جہانگیر تمہیں اکیلا ہی سنبھالتا رہا پھر ایک دن اس کا ایکسیڈنٹ ہو گیا اس دن ہسپتال میں وہ آخری سانسیں لے رہا تھا جب اس نے مجھ سے کہا کہ میں تمہیں اڈاپٹ کر لوں مگر اصل نام اور پہچان کے ساتھ۔۔ اس بات کا مطلب یہ تھا کہ تمہارے نام کے ساتھ جہانگیر ہی لگے گا۔ مجھے تم بہت عزیز تر تھے، ہوتے بھی کیوں نہ میرے یار کے بیٹے تھے۔ دوست بھی وہ جس نے ہر قدم پر میرا ساتھ دیا تھا۔ ہسپتال میں اس وقت اس نے مجھ سے ایک ہی بات کہی تھی کہ تمہیں کبھی یہ میں محسوس نہ ہونے دوں گا کہ تم یتیم ہو اور تمہیں آسائشوں سے بھری زندگی دینے کے بجائے ہر طرح کی زندگی جینے کا فن سکھاؤں اسی لیے میں نے تم دونوں کو ایسی زندگی دی کہ تم دونوں مضبوط بنو۔ میں نے تم لوگوں سے سب کچھ چھپایا۔ مگر آج تم دونوں اس قابل ہو کہ تم لوگ سب سنبھال سکو اسی لیے میں آج تم دونوں کو تم دونوں کی کارکردگی کا بہترین تمغہ دینا چاہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے تم لوگ غلط سمجھو کہ ہر چیز ہوتے ہوئے بھی تم لوگوں کو میں نے کیوں دھوکے میں رکھا اور ایک پر آسائش زندگی کیوں نہ دی۔ مگر یہ جہانگیر کا فیصلہ تھا مجھے امید ہے کہ تم دونوں ایک بات کو سمجھو گے مگر اس کا یہ فیصلہ صرف اسامہ کے لیے گیا تھا موسی کے لیے یہ فیصلہ میں نے خود لیا تھا۔ عباس صاحب نے ان دونوں کے سامنے ان کی پراپرٹی کے پیپرز رکھے۔ یہ تم دونوں کا حصہ ہے سب کچھ تم لوگوں کا ہی ہے۔ وہ کہہ رہے تھے مگر آواز کانپ رہی تھی اپنے

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

جگری یار کو یاد کر کے وہ اشک بہا رہے تھے آنکھیں نم اور آواز بھاری تھی جبکہ موسی اور اسامہ بے یقین تھے اور ان دونوں کی آنکھوں سے بھی انسو جاری تھے۔

میں جانتا ہوں کہ میں نے تمہیں تمہاری ماں کے بارے میں کچھ نہیں بتایا مگر یہ میرا فیصلہ نہیں جہانگیر کا فیصلہ تھا کہ تمہیں تب تک یہ نہ بتاؤں جب تک تم سمجھدار نہ ہو جاؤ۔

بہادر بنو میرے یار۔۔عباس صاحب اس کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے اٹھ گئے انہیں اس وقت تنہائی کی ضرورت تھی۔

پیچھے موسی اسامہ کو سنبھال رہا تھا تو وہ اس کے گلے لگ کر بچوں کی طرح رو رہا تھا۔

تم نے فریال سے یہ کیوں کہا کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں، وہ دونوں اس وقت حذیفہ کے کمرے میں موجود تھے اور حذیفہ سوال کر رہا تھا۔

اس کے سوال پر وہ پہلے تو گڑبڑا گئی پھر ایک دم خود کو سنبھالتے ہوئے کہا

تو؟ ریحام نے بنھویں اچکائیں۔

تم مجھے سب کے سامنے بیٹھ کر ذلیل نہیں کر سکتی، حذیفہ کے لہجے میں کچھ تھا۔

میں تمہیں ذلیل کیوں کروں گی یہ صرف ایک جنرل سی بات ہے تم اس کو اتنا کیوں بڑھا چڑھا رہے ہو۔۔وہ اس کی بات سے چڑ گئی۔

میں بات بڑھا رہا ہوں؟ تمہیں اگر مجھ سے محبت نہیں بھی ہے تو یہ بات سب کو بتانے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کی سنجیدگی اب بھی برقرار تھی۔

مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا حذیفہ تمہاری، کیا بات کر رہے ہو؟

حذیفہ نے اس کی بات کے جواب میں اسے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

کیا تمہیں مجھ پر یقین نہیں؟

نہیں۔۔اس کے جواب پر حذیفہ اسے دیکھ کے رہ گیا۔

اور تمہیں مجھ پر یقین کیوں نہیں ہے؟

تم بہتر جانتے ہو۔۔اب ریحام کی طرف سے طنز آیا۔

میں تمہیں کیسے سمجھاؤں کہ وہ میں نہیں ہوں۔۔وہ بے بسی سے کہہ رہا تھا۔

وہ اس کے اس طرح صفائی دینے پر اسے دیکھ کر رہ گئی۔یہ شخص اسے نہیں سمجھ سکتا۔

تو مجھے یہ بتاؤ اگر یہ تصویریں سوشل میڈیا پر چلی جائیں تو کوئی تمہیں سانس لینے دے گا چین سے بیٹھنے دے گا کیا کہے گی دنیا؟ سنجیدگی سے پوچھا گیا، سنجیدگی سے پوچھا گیا۔

تم دنیا کو چھوڑو اپنی بات کرو؟ حذیفہ کی سنجیدگی بھی برقرار تھی۔

ٹھیک ہے میں نے مان لیا وہ تم نہیں ہو میرا دل ابھی بھی یہ مانتا ہے کہ وہ تم نہیں ہو مگر دنیا۔۔؟ کیا وہ یہ سب مانے گی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

پلیز یار اس طرح مت کرو ہم دونوں کا تعلق بہت خراب ہو رہا ہے، حذیفہ نے بے بسی سے کہا

ٹھیک ہے میں مانتی ہوں میں غصے میں تھی پریشان بھی تھی مگر اب تم خود بتاؤ جو تصویر ہے اس کے ہاتھ لگی ہیں کیا وہ ٹھیک ہے؟

میں نہیں چاہتی تمہاری عزت پر کوئی بھی حرف آئے۔

کوئی مجھے یہ نہ کہے کہ دیکھو تمہارا شوہر کیسا ہے جبکہ میں یہ جانتی ہوں کہ وہ کیسا ہے، آخر کار ریحام نے اپنے دل کی بات کہہ ہی دی۔

حذیفہ نے اس کی بات سن کر گہری سانس بھری۔

اتنی سی بات تھی جس کو کہنے میں اس نے اتنا وقت لگایا تھا اور وہ سمجھتا رہا کہ وہ اس پر شک کر رہی ہے۔

میں جانتی ہوں تم یہی سمجھتے ہو گے کہ میں تم پر شک کر رہی ہوں مگر خود سے پوچھو کہ میں تم پر شک کر سکتی ہوں؟ ریحام نے اس کی آنکھوں میں انکھیں ڈال کر کچھ جتایا۔

آئی ایم سوری۔۔ مجھے یہ نہیں سمجھنا چاہیے تھا مگر کوئی بھی انسان ہوتا وہ یہی سمجھتا کیونکہ تم نے کوئی بھی بات ٹھیک سے ایکسپلین نہیں کی تھی۔

خیر اب اس سب کو چھوڑو اور مسئلے کا کوئی حل نکالو، ریحام نے اس کی بات کو نظر انداز کیا

مسئلے کا حل تو نکل آیا؟ حذیفہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا

کیا مطلب؟

تمہیں مجھ پر یقین ہے یہی کافی ہے میرے لیے۔۔ حذیفہ نے کہہ کے ساتھ گہری سانس بھری اور اسے بازو سے پکڑ کر خود سے لگایا۔

ائی ایم سوری۔۔ حالانکہ میری غلطی نہیں ہے۔۔

بالکل ساری غلطی تو میری ہے۔۔ لطیف سا طنز آیا۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

یہ طنز کرنے کا ڈپلومہ کہاں سے لیا ہے تم نے؟ حذیفہ اس کے اتنے طنز کرنے پر واقعی چڑ گیا۔

مگر یہ بات پریشانی کی ہے حذیفہ میں یہ سب کچھ برداشت نہیں کروں گی۔

اوکے دیکھ لیتے ہیں اب اس مسئلے کا بھی حل۔ حذیفہ نے اس سے علیحدہ ہوتے ہوئے کہا

اور مجھے تمہیں کچھ اور بھی بتانا ہے،

کیا؟

کوئی مجھے فالو کر رہا ہے کافی وقت سے۔۔

اور تم مجھے یہ اب بتا رہی ہو؟ حذیفہ کو اس کی لاپرواہی پر ایک دم سے غصہ آیا۔

اپنا غصہ اپنے پاس رکھو ویسے بھی میں کل جا رہی ہوں۔

کیا مطلب صرف ایک دن کے لیے آئی تھی؟ ایک دو دن یہیں پر رک جاؤ۔

اور جیسے میں تمہاری بات مان لوں گی؟

پتہ نہیں کون سی بیویاں ہوتی ہیں جو شوہر کے آگے چوں بھی نہیں کرتیں اور ایک میری ہے۔۔ حذیفہ نے اسے چھیڑا۔

تو تم گونگی بیوی سے شادی کر لیتے نا مجھ سے کیوں کی ہے؟ وہ تمہارے سامنے چوں بھی نہ کرتی۔

ریحام کو کچھ وقت پہلے کچھ تصویریں موصول ہوئی تھیں جس میں حزیفہ کسی لڑکی کے ساتھ تھا ریحام نے اس سے یہ چیز ڈسکس نہیں کی اور خود تک رکھتی رہی وہ جانتی تھی تصویریں اصل نہیں ہیں مگر اسے بس اس بات کا غصہ تھا کہ یہ آدمی اتنا بھی نہ جان سکا کہ کوئی انسان اس کی کس قسم کی تصویریں فوٹو شاپ کر رہا ہے کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے. وہ تصویریں کسی لڑکی کے ساتھ تھیں جس نے بھی وہ تصویریں بنوائی تھی اس کا یقینا یہی مقصد تھا کہ وہ حذیفہ کے کردار کو اس کی نظروں میں مشکوک کر سکے۔ پھر آخر کار اس رات سے گاڑی میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ اس نے ناراض تھی مگر حذیفہ کو لگتا رہا کہ وہ اس پر شک کر رہی ہے۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

السلام علیکم! حذیفہ اور ریحام نے ایک ساتھ ہی نیچے آتے ساتھ انہیں سلام کیا۔ انہیں ملازمہ بتا چکی تھی کہ نیچے جمیلہ ہاشم خان آئی ہیں تو بیگم صاحبہ آپ کو نیچے لگا رہی ہیں۔

وعلیکم السلام! خیریت سے آئی ہو بیٹا، ان کی بات کے پیچھے مطلب کو کوئی اور سمجھا ہو یا نہ ہو ریحام سمجھ گئی تھی۔

ابھی کوئی کچھ کہتا کہ اس سے پہلے ہی ریحام بول پڑی۔

کیوں اپنے گھر خیریت سے نہیں آیا جاتا؟ ریحام انہے ایک ہی جملے میں سب کچھ جتا گئی۔ کسی نے کچھ سمجھا ہو یا نہ ہو جمیلہ ہاشم خان کی بات کا مطلب اچھے سے سمجھ گئی تھیں۔

باقی سب اس کے اتنے اپنائیت بھرے لہجے پر مسکرا دیے۔

ارے تم تو برا ہی مان گئی بیٹا میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔۔ جمیلہ ہاشم خان مصنوعی سا مسکرائی۔

ان کی مصنوعی مسکراہٹ کے بدلے ریحام بھی مصنوعی سا مسکرائی۔

پتہ نہیں ریحام کو ان سے اچھی وائبس کیوں نہیں آتی تھیں۔ مگر پھر وہ خود کو ہی ڈپٹ دیتی کہ وکیل بن کر اس کا دماغ بہت شکی ہو گیا ہے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

بھائی ہم لوگ کہیں چلیں؟ یہ شوشہ زیان کی طرف سے آیا تھا۔

وہ لوگ اس وقت لاؤنج میں بیٹھے تھے جبکہ جمیلہ ہاشم خان دانیال ہاشم خان اور ان کی زوجہ رافعہ بیگم اپنی ہی باتوں میں مگن تھے جبکہ رافعہ بیگم کا دھیان بچوں کی باتوں کی طرف بھی تھا۔

ہاں چلو چلتے ہیں۔۔ حذیفہ نے کہا

آپ لوگ چلیں گے اس نے سب بڑوں کو مخاطب کیا۔

بڑوں کے منع کرنے پر وہ سب خود ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔

میں باسل کو فون کرتی ہوں وہ ریڈی رہے، امل نے چہکتے ہوئے کہا اسے گھومنے پھرنے کا بہت شوق تھا۔

چھوڑو بھئی ہم تو نہیں لے کے جا رہے تمہارے نکمے شوہر کو، زایان نے حسب عادت اسے چھیڑا۔

جب تمہاری بیوی آئے گی نا تو میں بھی یہی کہوں گی اس چڑیل کو بھی ساتھ لے کر نہیں جانا، امل کہاں ادھار رکھنے والی تھی۔

ان دونوں کی نوک جھونک سنتے سب مسکرا رہے تھے۔

چلو بھئی نکلو اب کیا ادھر ہی رہنا ہے، حذیفہ نے انہیں نکلنے کو کہا جس پر وہ ایک دوسرے کا منہ چڑھاتے ہوئے باہر کی طرف بڑھ گئے۔ ان کے پیچھے ہی حذیفہ اور ریحام بھی تھے۔

اس وقت گاڑی میں وہ پانچواں بیٹھے تھے۔ ابھی ابھی وہ اچھا سا فاسٹ فوڈ اور آئس کریم کھا کر نکلے تھے۔ اور اب گاڑی میں بیٹھے گپے ہانک رہے تھے۔ حذیفہ گاڑی چلا رہا تھا تو ریحام اس کی ساتھ والی سیٹ پر براجمان تھی جبکہ پیچھے امل باسل اور زیان موجود تھے۔ ابھی وہ لوگ ہنسی مذاق کر ہی رہے تھے کہ ریحام اپنے سوشل میڈیا اکاؤنٹس چیک کر رہی تھی کہ اچانک اسے انسٹاگرام پر ایک میسج موصول ہوا ویسے تو وہ اپنے پروفیشنل اکاؤنٹ کو چیک نہیں کرتی تھی مگر آج اس نے غلطی سے کھول ہی لیا تھا تو ساتھ ہی ایک دم سے کسی کا میسج آیا میسج کیوں کہ ابھی آیا تھا اسی لیے اس نے دبا دیا اس نے ان باکس اوپن کیا تو وہاں پر لکھا تھا کہ میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں مجھے آپ سے کچھ ڈسکس کرنا ہے آپ اسلام اباد آئی ہوئی ہیں میں بھی اسلام آباد رہتی ہوں میں لاہور نہیں آسکتی تو کیا اپ میری مدد کر سکتی ہیں۔ پہلے تو ریحام کو لگا کہ کوئی فراڈ ہو گا مگر پھر ہم نے کچھ سوچتے ہوئے اوکے کا جواب دے دیا۔ اور پھر اپنی مرضی کا پتہ اسے بتا دیا کہ وہ اس سے کہاں مل سکتا ہے یا سکتی ہے۔

بھابھی آپ کیا بور ہو رہی ہیں جو ہم سے باتیں نہیں کر رہیں، زایان نے اسے فون میں گم دیکھتے ہو کہا۔

ارے نہیں نہیں۔۔ایک میسج دیکھ رہی تھی بس، تو ریحام نے فون بند کر کے سائیڈ پر رکھا اور اب ان تینوں کی نوک جھونک سن رہی تھی۔

وہ چاروں باسل کو اس کے گھر چھوڑ کر اب گھر واپس آ چکے تھے۔امل تو اتنا تھک گئی تھی کہ آتے ساتھ ہی اندر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ جبکہ حذیفہ، زیان اور ریحام لان میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ مخملی گھاس کے اوپر کرسیاں اور میز موجود تھا۔ جس پر وہ براجمان تھے۔کچھ دیر بیٹھنے کے بعد زیان بھی اندر کی طرف بڑھ گیا۔اب وہاں پر صرف ریحام اور حذیفہ ہی موجود تھے۔دونوں کے درمیان ایک گہری خاموشی کا وقفہ آیا تھا۔نیلے آسمان کے کشادہ چادر پر سیاہی کے قطرے پھیلتے جا رہے تھے۔پھر اس خاموشی کو ریحام نے توڑا۔

"وہ لڑکی کون تھی؟" چہرہ آسمان کی طرف کیے وہ سوال کر رہی تھی۔

"کون؟" وہ انجان بنا۔

وہ یقیناً تصویر والی لڑکی کی بات کر رہی تھی۔

کیا تم نہیں جانتے کہ میں کس کے بارے میں بات کر رہی ہوں؟ اب وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"میں مان ہی نہیں سکتا کہ تمہیں نہیں معلوم؟" حذیفہ نے چیلنجنگ انداز میں بنھویں اچکا کر کہا۔

ریحام نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر کچھ جتایا جیسے کہنا چاہ رہی ہو کہ میں تمہارے منہ سے سننا چاہتی ہوں۔

"کلاس فیلو" حذیفہ کی جانب سے مختصر سا جواب ایا۔

ریحام اب خاموش رہی۔

"یہ جس دن کی تصاویر ہیں اس دن ہم لوگ اچانک سے ملے تھے تو وہ مجھے اپنی منگنی کے بارے میں بتا رہی تھی۔ وہ ہماری ہی ایک کلاس فیلو کو پسند کرتی تھی اسی لیے میں بھی ذرا ایکسائیٹمینٹ میں اس سے بات کر رہا تھا البتہ وہ مجھے اپنی انگوٹھی دکھا رہی تھی۔ مجھے لگا وہ انگوٹھی بالکل ویسی ہے جیسے باسل نے امل کو دی تھی۔ اس لیے میں اس کو ذرا غور سے دیکھ رہا تھا۔ مگر مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ سب ہو جائے گا۔ خیر وہ تو میں معلوم کر ہی لوں گا کہ یہ آخر کس کا کام ہے۔ تم پریشان مت ہو۔" وہ اس کا ہاتھ تھپتھپاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ ریحام بھی اٹھ کھڑی ہوئی اور اب وہ دونوں اندر کی طرف بڑھ رہے تھے۔

وہ تصویر دیکھنے میں کچھ اس طرز کی دکھتی تھی کہ لڑکی خوشی خوشی اپنا ہاتھ دکھا رہی ہے اور حذیفہ اس کا ہاتھ دیکھ رہا ہے۔ البتہ اصل میں تصویر اس قدر کلوز نہیں تھی۔ جتنا اسے فوٹوشاپ کر کے الگ زاویے سے دکھایا جا رہا تھا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

اگلے دن کا سورج پورے آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ خان ہاؤس میں معمول کے مطابق ناشتہ تیار کیا جا رہا تھا۔ مگر آج ایک فرد کا اضافہ تھا اور وہ تھی ریحام۔

سب ناشتہ کر کے اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ اس وقت ریحام اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھی۔ آج ریحام کو اس لڑکی سے ملنا تھا جس کا اسے میسج آیا تھا۔ البتہ وہ سوچ رہی تھی کہ کہیں کوئی اسے ٹریپ تو نہیں کر رہا؟ کیونکہ وکیلوں کے تو ہزاروں دشمن ہوتے ہیں۔ لہذا اس کے بھی تھے۔ وکیل بننا ایک رسکی کام تھا۔ مگر اس نے یہ رسک لیا۔ ابھی وہ اس بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ اچانک اس کا فون بجا اس نے دیکھا مہران صاحب کی کال تھی۔ اس نے فون کان سے لگایا۔

"جی مہران صاحب" سلام وغیرہ کے بعد اب وہ ان سے کال کیے جانے کی وجہ پوچھ رہی تھی۔

"دراصل جو آپ نے کام کہا تھا وہ میں نے کر دیا ہے مگر ابھی ابھی مجھے ان کلائنٹ کی کال آئی ہے وہ کہہ رہے ہیں کہ آپ آکر آج ہی فائنل کر دیں انہیں ایک دو دن میں ملک سے باہر جانا ہے۔" مہران صاحب ریحام کو پریشانی سے صورتحال کے بارے میں بتا رہے تھے۔

"مگر آپ خود دیکھیں مہران صاحب ایسا کیسے ہو سکتا ہے ابھی میں یہاں بیٹھی ہوئی ہوں۔ آپ ان کو کنونس کریں کہ میں اسلام آباد میں ہوں۔ میں تو ایک دو دن تک آنے کا پلان بنا رہی تھی۔ ہماری تو ایک ہفتے تک کی یہ بات ہوئی تھی نا کہ ابھی۔۔" اسے حقیقتاً غصہ بھی آ رہا تھا مگر وہ اپنا غصہ دبا گئی۔

"میم میں نے تو انہیں کافی کنونس کیا ہے آپ آجائیں کیونکہ اگر وہ چلے گئے تو ایک سال تک ان کی واپسی نہیں ہو پائے گی۔" مہران صاحب ابھی بول رہے تھے۔

"ٹھیک ہے آپ انہیں پرسوں تک روک لیں میں کل آکر چیک کر لوں گی باقی صورتحال بھی وہاں آکر دیکھوں گی مگر یاد رکھیے گا، آپ نے کچھ بھی فائنل نہیں کرنا فائنل میں ہی کروں گی اگر مجھے کوئی خامی نہیں دکھی تو! البتہ آپ ان کی ذرا معلومات حاصل کریں کہ کیا یہ سچ کہہ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کوئی فراڈ ہو جو اتنی جلدی یہاں سے نکلنا چاہ رہے ہیں۔" ریحام نے آنے کی حامی بھر کر ساتھ ہی انہیں باقی صورتحال پر بھی توجہ دلائی۔

"میم میں الریڈی پتہ کر چکا ہوں ایسا کچھ نہیں ہے وہ واقعی اپنی بیٹی کے علاج کی وجہ سے پریشان ہیں اس لیے وہ باہر جانا چاہتے ہیں علاج کے لیے۔" مہران صاحب نے تفصیلاً آگاہ کیا۔

"ٹھیک ہے پھر میں کل آتی ہوں۔" ریحام نے کہتے ساتھ کال کاٹ دی۔

اب وہ اپنی فلائٹ بک کرنے کے بعد حذیفہ کو فون ملا رہی تھی۔

"ہاں ہیلو" دوسری طرف سے شاید حذیفہ نے کال اٹھالی تھی۔

"مجھے آج لاہور کے لیے نکلنا ہے۔" سلام وغیرہ کے بعد اس نے اپنا مدعا بیان کیا۔

"مگر آج؟ تمہارا تو آج جانے کا کوئی پلان نہیں تھا؟" حذیفہ حقیقتاً حیران ہوا۔

"تم آؤ تو میں پھر بتاتی ہوں۔" وہ اس سے فون پر بات کرتے کرتے اپنا سامان سمیٹنے لگی تاکہ اپنا بیگ پیک کر سکے۔

"ٹھیک ہے میں آتا ہوں۔" حذیفہ نے کہہ کر کال کاٹ دی۔

اس وقت دن کے تین بج رہے تھے۔ سب سے مل لینے کے بعد ریحام دانیال صاحب کے آفس جا کر ان سے ملی اور اب وہ دونوں ایئرپورٹ کی طرف روانہ تھے۔ البتہ سب نے روکنے کی بہت کوشش کی مگر اس نے معذرت کر لی۔ حذیفہ گاڑی چلا رہا تھا اور ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی ریحام گاڑی سے باہر کے مناظر دیکھ رہی تھی۔

"ویسے یہ کام اس قدر ضروری تو نہیں۔" حذیفہ گاڑی کا موڑ کاٹتا ہوا کہہ رہا تھا۔

"ضروری تو کچھ بھی نہیں یہ تو ہم اپنی سہولتوں کے لیے کرتے ہیں سب۔۔" ریحام کہہ رہی تھی۔

"پھر بھی۔۔" حذیفہ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"کیا یہ گاڑی ضروری ہے؟ نہیں نا حالانکہ ہم کیب بھی منگوا سکتے ہیں۔ مگر صرف اپنی سہولت کے لیے ہم نے رکھی ہوئی ہے۔" اسے سمجھانا بیکار تھا حذیفہ کو یقین ہو چلا وہ بہت ضدی تھی اسے اندازہ ہو رہا تھا۔

"خیر میں تم سے نہیں جیت سکتا۔" وہ اعتراف کر رہا تھا۔ ایسے جیسے اس نے ہتھیار ڈال دیے ہوں۔

"جو بھی کہو" ریحام نے کندھے اچکا دیے۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

ابھی دونوں میں سے کوئی کچھ کہتا ہے کہ ریحام کا فون بجا ریحام نے حیرت سے فون کو دیکھا جہاں پر انسٹاگرام کی وائس کالنگ موجود تھی۔

اس نے چیک کیا تو معلوم ہوا کہ یہ وہی لڑکی ہے جس سے ریحام نے آج ملنے جانا تھا۔ وہ اپنی پریشانی میں اپنی کمٹمنٹ تو بھول ہی گئی تھی۔

اس نے کال کاٹ کر فوراً سے میسج کیا۔

"ایکچولی ائی ایم سوری مجھے ارجنٹ لاہور کے لیے نکلنا پڑ رہا ہے۔ اگر کوئی ضروری کام نہیں ہے تو میں آپ سے اگلے ہفتے مل لوں گی۔" اس نے پیغام لکھ کر سینڈ کا بٹن دبا دیا.

"ٹھیک ہے مگر آپ اگلے ہفتے مجھ سے مل تو سکتی ہیں نا؟" وہ اب جیسے کنفرم کرنا چاہ رہی تھی۔

"جی ضرور میں آپ کو بتا دوں گی۔ جب میں فری ہوں گی البتہ اگر میں بھول جاؤں تو آپ مجھے یاد کروا دیجیے گا۔" اس نے سینڈ کرتے اگلا جواب موصول ہونے سے پہلے ہی موبائل بند کر دیا۔

اب وہ پھر سے گاڑی سے باہر اسلام آباد کے حسین مناظر دیکھ رہی تھی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"ہاں بتاؤ کیا بنا؟ قابو کر لو گے اس کو؟" درانی اپنے سامنے بیٹھے وجود سے مخاطب ہوا۔ وہاں اس کھنڈر نما کمرے میں تین نفوس موجود تھے۔ جہاں ایک عورت اور ایک مرد عرفان درانی کے ساتھ کرسیوں پر موجود تھے۔

"جب وہ اتنے عرصے سے میرے قابو میں نہیں آئی تو اب کیا آئے گی۔ کوئی اور حل نکال لو۔" سامنے بیٹھے مرد نے ہتھیار ڈال دیے۔

"تم سے ایک لڑکی قابو نہیں ہو سکتی؟ تف ہے تم پر، تم اسے چھوڑو کسی اور کو اس کام پہ لگاؤ۔" ساتھ بیٹھی عورت نے اس پر لعنت بھیجی اور پھر درانی سے مخاطب ہوئی۔

"آپ کو یہ جتنا آسان لگ رہا ہے دراصل یہ ہے نہیں۔ جب میر اشیر اس کو قابو نہیں کر سکا تو کوئی اور اسے کیسے قابو کرے گا۔" درانی نے سامنے بیٹھے مرد کی اہمیت جتائی۔ وہ اس کا بھائی تھا کوئی اسے انڈر سٹ میں کیسے کر سکتا تھا؟

"تو پھر کوئی اور حل نکالو۔" وہ عورت جیسے ان کی ایک ہی بات سے اکتا گئی۔

"مسئلے کا حل تو ہے میرے پاس اگر آپ لوگوں کو مناسب لگے تو۔۔" سامنے بیٹھے مرد ("شیر" درانی کے مطابق) نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"کیا!" درانی اور سامنے بیٹھی عورت نے یک زبان کہا۔

"تم لوگ اس کی چھوٹی بہن کو قابو کر لو اسے کسی طرح سے ٹریپ کر لو۔" سامنے بیٹھے آدمی نے مشورہ دیا۔

اس کی اس بات پر درانی اور سامنے بیٹھی عورت نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر عورت نے کچھ سوچتے ہوئے حامی بھر لی۔

وہ سب تو ٹھیک ہے مگر اس کے لیے پھر کسی اور بندے کو کام پر لگانا پڑے گا کیونکہ تم تو اس سے عمر میں کافی بڑے ہو۔" وہ درانی کے ساتھ بیٹھے اس پینتیس سالہ مرد کو کہہ رہی تھی۔

"تو ٹھیک ہے اس کام کے لیے جمال ایک قابل اور پر اعتماد بندہ ہے۔" درانی نے اپنے کسی قابل اعتبار بندے کا نام لیا۔

"ٹھیک ہے مگر بہت احتیاط سے کیونکہ اگر کام ذرا سا بھی بگڑ گیا تو وہ لوگ الرٹ ہو جائیں گے۔" عورت نے تنبیہ لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے تو پھر تم جمال کو اس کام پہ لگاؤ۔" عورت نے درانی سے کہا

"اور ہاں وہ جو یونیورسٹی والے لڑکا لڑکی تھے ان کا کام کہاں تک پہنچا؟" عورت اب درانی سے مخاطب تھی۔

"میری ان سے کل بات ہوئی تھی وہ بتا رہے تھے کہ وہ لڑکا لڑکی کے پیچھے پڑ گیا ہے اب آگے آپ بتائیں گی تو معاملہ آگے بڑھائیں گے۔" درانی نے اسے تفصیل اگاہ کیا۔ اس سارے معاملے میں ساتھ بیٹھا مرد خاموش تماشائی بنا بیٹھا تھا۔ اسے سگریٹ کس قدر طلب ہو رہی تھی مگر جانتا تھا اگر یہاں اس نے یہ غلطی کی تو وہ عورت کسی قسم کا لحاظ نہیں کرے گی۔ اسی لیے اپنی طلب کو مارتا رہا۔

"گریٹ! اس سے کہو جان چھڑوا لے اس سے۔ اس طرح سے غائب ہو کہ اس کا نام و نشان بھی نہ ملے۔" وہ نئے پلان پر کام کرنے کا کہہ رہی تھی۔

"میڈم میں آپ کے سارے کام کر رہا ہوں مگر بدلے میں آپ یاد رکھیے گا کہ مجھے جیل نہیں ہونی چاہیے۔" درانی نے اسے اپنا کام بھی یاد دلوایا۔

عورت سر ہلاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

یہ منظر اسلام آباد ایئرپورٹ کا تھا۔ جہاں معمول کے مطابق چہل پہل تھی۔ ہر کوئی اس دوڑ میں تھا کہ پہلے وہ اپنا کام کر لے اس سب میں اگر کوئی پر سکون تھا تو وہ ریحام تھی۔ اس کی شخصیت میں یہ ٹھہراؤ ہمیشہ سے تو نہ تھا۔ مگر وقت انسان کو بہت کچھ سکھا دیتا ہے۔ اس وقت وہ بینچ پر بیٹھی تھی اور اس کے ساتھ ہی حذیفہ براجمان تھا۔ ابھی تک جانے کا وقت نہیں ہوا تھا۔ اس لیے وہ وہیں پر موجود تھا۔ دونوں اپنے اپنے فون میں مصروف تھے کہ اچانک اعلان ہوا۔ ریحام اور حذیفہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے حذیفہ نے ہمیشہ اسے پک کیا تھا اسے ڈراپ کرنا کتنا مشکل تھا کوئی حذیفہ کے دل سے پوچھتا! اسی لیے وہ اپنی دلی کیفیت پر قابو پانے کے لیے فون میں مصروف رہا۔ حذیفہ نے اسے بازو کے حصار میں لیا۔ وہ جو اپنا فون بند کر کہ اپنے پرس میں ڈال رہی تھی چونک گئی۔ پھر اس کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا یہ ریحام کی طرف سے پیش

قدمی تھی وہ دونوں جانتا تھا۔ وہ اتنا ہی کر سکتی تھی، حذیفہ کے لیے اتنا بھی بہت تھا کہ وہ اسے دھتکار نہیں رہی تھی۔ پھر حذیفہ نے اس سے الگ ہوتے ہوئے کہا "اللہ حافظ "جواباً ریحام نے بھی خدا حافظ کہا اور یہ وہ واحد لفظ تھا جو دونوں کے منہ سے نکلا تھا۔ پھر وہ آگے کی طرف بڑھ گئی اور وہ اسے اپنی نظروں سے اوجھل ہوتا ہوا دیکھتا رہا۔

"کیا ہوا؟" اس کی دوست کے سامنے بیٹھی تھی اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہی تھی پوچھنے لگی۔

وہ ابھی کچھ منٹ پہلے ہی آئی تھی اور اب اس سے کہہ رہی تھی کہ ریحام سے ملنے کی تیار کیوں نہیں ہوئی؟

"یار اسے کوئی ضروری کام آگیا تھا وہ ارجنٹ لاہور چلی گئی ہے۔" زینیا نے مایوسی سے کہا

"تو تم نے کہا نہیں کہ آپ نے مجھے وقت دیا تھا۔" اس کی دوست کہہ رہی تھی.

یار بتایا تو ہے اسے ارجنٹ کام تھا۔ وہ کہہ رہی تھی اگلے ہفتے آؤں گی تو مل لینا۔" زینیا نے مایوسی سے کہا

"تو تم خود لاہور چلی جاؤ" مشورہ آیا۔

"ماہین میں تمہیں پہلے بھی بتا چکی ہوں" زینیا نے دانت کچکچائے۔

"تو انکل آنٹی کو نہ بتاؤ نا یار!" ماہین اس کے چہرے کی اداسی دیکھ نہ سکی۔

زینیا کی آنکھوں میں سوالیہ تاثر ابھرا۔

"تم کہہ دینا کہ تم میرے ساتھ میرے گھر رہ رہی ہو۔" ماہین نے حل پیش کیا۔

"تو کیا میں اکیلی جاؤں گی؟" زینیا نے بنھویں اچکا کر سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"نہیں پورے اسلام آباد کو لے جانا۔ ظاہر سی بات ہے میں تو نہیں جا سکتی تم تمہیں خود ہی جانا ہو گا۔ مضبوط بنو۔" ماہین اس کی بات پر چڑھ کر آخر میں اس کا حوصلہ بڑھایا۔

کیا سوچ رہی ہو؟ ماہین نے اسے سوچ میں ڈوبے دیکھ کر کہا۔

"ٹھیک ہے میں جاؤں گی اور اب خود کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونے دوں گی۔ آخر میں کب تک سوالیہ نشان بن کر رہوں گی؟ مجھے اپنے لیے اواز اٹھانا ہی پڑے گی۔ میرے پاس سارے ثبوت ہیں اور میں جائز ہوں تو میں کیوں یہ سب کچھ برداشت کروں؟ زینیا کی آنکھوں میں نمی ابھری۔

"میری بہادر دوست" ماہین نے اسے گلے لگا کر حوصلہ دیا۔

"مگر یہ جلد بازی کا کام نہیں ہے تم آرام سے کرنا۔" وہ اب اسے سمجھا رہی تھی کہ کہیں وہ جلد بازی کے چکر میں کچھ غلط نہ کر بیٹھے۔

زینیا نے سر ہلانے پہ اکتفا کیا۔

شام کے پانچ بج رہے تھے شہر لاہور میں گاڑیوں کا شور ہر طرف تھا۔ اپنی منزل پر پہنچنے کے لیے ہر کوئی بے تاب تھا۔ ان میں سے گاڑی ریحام کی بھی تھی وہ اپنی گاڑی لاہور ایئرپورٹ پر پارک کر کے اسلام آباد جاتی تھی۔ لہذا اس وقت وہ اپنی گاڑی میں سوار لاہور کا رش بیزاری سے دیکھ رہی تھی۔ ابھی وہ بیزاری سے نظریں ادھر اُدھر گھمانے میں ہی مصروف تھی کہ اچانک ایک بائیک نے اسے پیچھے سے ٹکر ماری۔ وہ جھنجھلا گئی، اور گاڑی سے باہر نکلی۔ اس کا دماغ گھوم گیا۔ اس کی من پسند گاڑی کو ٹکر ماری وہ کیسے برداشت کرتی۔

وہ اپنی چیزوں کو لے کر بے حد حساس تھی مگر اصل آنکھیں تو اس کی ڈینٹ دیکھ کر ابل پڑیں۔ اس نے نظریں اٹھا کر ٹکر مارنے والی بائیک کو دیکھا۔ جس پر ایک دبلا پتلا سا لڑکا سوار تھا۔ گوری رنگت جو کہ سورج کی روشنی میں دمک رہی تھی، معصوم نین نقوش کا حامل وہ لڑکا پر سکون تھا۔

یہ کیا ہے؟ وہ یقیناً اپنے نقصان کا پوچھ رہی تھی۔ بڑی مشکل سے اس نے تہمل انداز اپنایا۔

"معذرت میڈم میں ذرا جلدی میں تھا۔" لڑکا معذرت خواہانہ انداز میں کہہ رہا تھا کیونکہ وہ اسے پہچان چکا تھا۔ ورنہ معذرت کرنے کے بجائے پیسے سامنے والے کے منہ پر مارتا اور آگے بڑھ جاتا، چاہے اس کے بعد اپنے پاس دس روپے بھی نہ بچیں۔

ریحام نے سپاٹ چہرے سے اسے دیکھا اس کی معذرت کا وہ اچار ڈالتی۔

"میں آپ کا نقصان بھر دیتا ہوں آپ مجھے بتا دیں آپ کا کتنا نقصان ہوا ہے۔" اسے خاموش دیکھ کر لڑکے نے کہا۔

وہ اب اسے دیکھنے کے بجائے اپنی گاڑی کو دیکھ رہی تھی۔

"کتنی تنخواہ ہے تمہاری؟" ریحام کی نظریں ابھی بھی گاڑی پر ہی تھیں۔ وہ یقیناً اس سے پہچان چکی تھی اور اب اسی لیے پوچھ رہی تھی کہ آخر اتنی فراخ دلی وہ کیوں اپنا رہا ہے۔ جتنی اس کی تنخواہ ہو گی تقریباً اتنا ہی یہ نقصان کی بھرپائی ہو گی۔

چالیس ہزار۔۔ بتاتے ہوئے اس کے چہرے پر کوئی ہچکچاہٹ یا شرمندگی نہیں تھی۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

ریحام نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"کتنے بڑے بے وقوف ہو تم" ریحام نے تاسف سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

جی؟ وہ خود کو بے وقوف کہے جانے پر ریحام کی شکل دیکھ کر رہ گیا۔

"کسی بھی راہ چلتے کو اپنی تنخواہ بتا دیتے ہو؟" طنز میں ڈوبا سوال۔

"آپ تو۔۔" وہ جو کچھ کہنے لگا تھا کہ ریحام نے اس کی بات کاٹ دی۔

میں تو؟ سوالیہ انداز میں بنھویں اچکا کر سوال کیا۔

"آپ تو باس کی بیٹی ہیں اس لیے میں نے۔۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

نام کیا ہے تمہارا؟ تاسف سے اسے دیکھتے ہوئے ریحام نے سوال کیا۔

"اسامہ" بتاتے ہوئے اسامہ کے چہرے پر ناسمجھی کا تاثر ابھرا۔

"اسامہ صاحب آپ بہت ہی بے وقوف واقع ہوئے ہیں۔ میرے باپ کی کمپنی تو گئی۔ آپ تو ان کے نظر آنے والے دوستوں کو بھی کمپنی کی ڈیٹیل ایسے دیں گے، جیسے وہ میرے باپ کے واقعی دوست ہوں۔" وہ طنز ایسے کرتی تھی جیسے یہ اس کا پسندیدہ مشغلہ ہو۔

اسامہ اس کے طنز کے آگے شرمندہ ہو گیا۔

"میں تمہارے باس کی بیٹی ہوں باس نہیں سمجھے؟" ریحام نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جتایا۔

"یہاں لوگوں کو یہ بتاؤ کہ ہمیں پیاس لگی ہے، تو وہ ہم سے پانی چھین لیتے ہیں اور تم یہاں تنخواہ بتا رہے ہو۔ اگر سمجھدار ہو گے تو میری بات سمجھ جاؤ گے۔ البتہ لگتے تو کہیں سے نہیں ہو۔" ریحام بات کے اختتام پر بھی طنز کرنا نہیں بھولی۔

"خدا حافظ" ریحام گاڑیوں کو آگے بڑھتا دیکھ کر اپنی گاڑی میں سوار ہوئی اور گاڑی آگے بڑھا دی البتہ اسامہ وہیں کھڑا تھا اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اسے کیا ہو رہا تھا؟ وہ خاموش رہنے والوں میں سے تو نہ تھا مگر ہر بار ریحام کے سامنے کچھ بول نہیں پاتا تھا۔ معلوم نہیں کون سا سحر پھونکتی تھی وہ؟

شام کے چھ بج رہے تھے جب ریحام کی گاڑی مرزا ہاؤس میں آ کر رکی ابھی وہ گاڑی سے نکل کر گھر کے اندر کی طرف بڑھ رہی تھی کہ اچانک لاؤنج سے آواز آئی۔

"بڑے بڑے لوگ آئے ہیں ہمارے غریب خانے پر" آواز ماہا کی تھی۔ ریحام پہچان گئی۔ اس کے بہن بھائی بھی اس کی سنگت میں رہ رہ کر طنز کرنا سیکھ گئے تھے۔ وہ گہرا مسکرائی۔

"بالکل میں نے سوچا لگا ہی لینا چاہیے ایک چکر۔" وہ ڈھٹائی سے مسکرائی۔

"ارے آپ نے تکلف کیوں کیا آپ تو اسلام آباد رہتی ہیں۔ کبھی کبھی لاہور والوں کو شکل دکھاتی ہیں اسلام آباد والے زیادہ عزیز ہو گئے ہیں آپ کو۔" لہجے میں خفگی کا عنصر نمایاں تھا۔

"ارے اسلام آباد والوں کی اپنی جگہ لاہور والوں کی اپنی جگہ" ریحام نے اس کی خفگی دور کرنا چاہی۔

"چلو مان جاؤ شاباش فون چاہیے نا وہ والا جو مجھے دکھایا تھا" ریحام اور اس کا شاہانہ انداز!

"اچھا کیا یاد کریں گی معاف کیا۔" ماہا نے فون کا نام سنتے ہی فراخ دلی سے کہا۔

ریحام نے اپنی مسکراہٹ ضبط کی۔

"بالکل۔۔" اب ریحام ماہا کے گلے لگ رہی تھی۔

"اتنا بہن چارہ؟" غازان جو سیڑھیوں سے نیچے آ رہا تھا بہنوں کو گلے لگا دیکھ کر تنگ کرنا اپنا فرض سمجھا۔

"میرے خیال سے تم دونوں ہی بڑوں کو سلام کرنے کی تمیز بھول گئے ہو۔" ریحام نے اب محسوس کیا تھا کہ ماہا نے بھی سلام نہیں کیا تھا۔

معذرت میڈم السلام علیکم! ماہا اور غازان نے یک زبان سلام کیا۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

وعلیکم السلام! ریحام نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیتے غازان کو گلے لگایا۔

"ماما سو رہی ہیں اور پاپا ابھی تک آفس سے نہیں آئے۔" غازان نے اسے ادھر اُدھر نظر دوڑاتے دیکھ کر سنجیدگی سے کہا۔

"اچھا تم ایک کام کرو کھانا لگوا دو میں فریش ہو کر آتی ہوں۔" ریحام سنجیدگی سے کہتی اوپر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔ پیچھے غازان اور ماہا ایک دوسرے کو بے بسی سے دیکھ کر رہ گئے۔

صبح کا سورج شہر لاہور میں جگمگا رہا تھا۔ سورج کی کرنیں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں۔ شہر لاہور کی سڑکیں شہر لاہور کی طرح زندہ دل تھیں۔ ہر طرف چہل پہل تھی۔ اسی طرح اگر ہم شہر کے ایک مشہور یونیورسٹی میں نظر دوڑائیں تو ہمیں ماہا شہریار مرزا جلد بازی میں چلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ ابھی وہ تیزی سے قدم اٹھا ہی رہی تھی کہ اچانک کسی سے زوردار تصادم ہوا۔ اور یہ گئی اسسائنمنٹ۔ جس کے لیے ماہا نے رات بھر محنت کی تھی۔ وہ کاغذ جگہ جگہ بکھر گئے تھے۔ اب معلوم نہیں وہ سارے کاغذ ملیں گے بھی یا نہیں؟ طالب علم جو کہ ادھر ادھر کھڑے تھے یہ منظر دیکھ کر دلچسپی سے اب ماہا کا رد عمل کا انتظار کر رہے تھے اور ماہا وہ تو صرف صدمے سے اپنی اسسائنمنٹ دیکھ رہی تھی جس کے کاغذ جگہ جگہ پھیل گئے تھے۔

"یہ۔۔ یہ کیا" وہ ابھی تک صدمے کی کیفیت میں بے ربط الفاظ منہ سے نکال رہی تھی۔

اسے صدمے میں دیکھ کر طلبہ اور دلچسپی سے دیکھ رہے تھے جبکہ وہ لڑکا جس کا ٹکراؤ ماہا سے ہوا تھا۔ ہونک بنا اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ یقیناً وہ جمال تھا۔ جسے اپنا کام سرانجام دینا تھا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ اس کے ہاتھ میں اسسائنمنٹ ہو گی جو اس طرح سے بکھر جائے گی۔ اس نے تو اپنا پرانا طریقہ (جو تسادم کر کے بات چیت کرنے والا) آزمایا تھا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"جاہل انسان یہ کیا کیا تم نے؟" یک دم وہ ہوش کی دنیا میں واپس لوٹی۔

"معذرت میں نے دیکھا نہیں" ماہا کہ اس طرح چیخ کر کہنے پر وہ بھی ہوش میں لوٹا۔

"کیوں اندھے ہو؟" اسے حد سے زیادہ غصہ آ رہا تھا۔ ساری رات محنت کی تھی غصہ کیسے نہ آتا؟

وہ جواب دینے کے بجائے نیچے جھک کر کاغذ جمع کرنے لگا۔

ماہا کو اب رونا آنے لگا کاغذ پورے ملنا مشکل تھا لیکن اگر مل بھی جاتے تو کیا وہ اتنے صاف ہوتے جتنے پہلے تھے؟ اسے یکدم غصہ آ گیا وہ تیز تیز قدم اٹھاتی واپسی کے لیے قدم بڑھانے لگی۔ طلبہ جو دلچسپی سے اس کے رد عمل کا انتظار کر رہے تھے اسے جاتے دیکھ کر بدمزہ ہوئے۔ جبکہ جمال کو سمجھ نہ آئی کہ اب کیا

کرے؟ ماہا جو کہ سیڑھیاں اتر رہی تھی کہ اچانک اس کے دماغ میں خیال آیا کہ آج غازان بھی آیا تھا۔ اس کا آخری سال تھا۔ ویسے بھی وہ یونیورسٹی میں ماہا کے مقابلے کم ہی آتا تھا۔ وہ تیزی سے غازان کو فون ملانے لگی۔

"ہاں ماہا" دوسری طرف سے شاید فون اٹھالیا گیا تھا۔

"غازان میرے ڈیپارٹمنٹ آؤ ذرا۔۔" غازان اس کی بھرائی ہوئی آواز سن کر پریشان ہوا۔

"کیا ہوا رو کیوں رہی ہو؟" وہ جانتا تھا وہ ایسی ہی ہے نازک مزاج۔

"تم آؤ جلدی۔۔" کہتے ساتھ ماہا نے کال کاٹ دی اور اپنے آنسو اندر اتارنے لگی۔

اگلے سات سے اٹھ منٹ کے بعد غازان پھولی سانس کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا تھا۔

"کیا ہوا؟" اسے سیڑھیوں کے قریب پریشان کھڑا دیکھ کر غازان نے پوچھا۔

"میری اسسائنمنٹ۔۔۔" اب وہ اسے ساری بات بتا رہی تھی۔

کون ہے وہ لڑکا؟ اور ہے کہاں؟ غازان کو اس سے اتنی بے وقوفی کی امید نہیں تھی ایٹ لیسٹ اس سے باقی کے کاغذ تو اکٹھے کر لینے چاہیے تھے۔

"مجھے نہیں معلوم، میں نے پہلے نہیں دیکھا۔" بھائی کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر گئے۔ غازان نے گہری سانس بھری۔ یہاں ریحام ہوتی تو اسے غازان کی طرح سنبھالنے کے بجائے دو لگاتی۔

"چلو۔۔" غازان اب اس کا ہاتھ پکڑ کے سیڑھیاں چڑھ رہا تھا۔ اب وہ دونوں اسی جگہ پہ پہنچ چکے تھے جہاں کاغذ بکھرے تھے۔ انہوں نے آس پاس پوچھا تو معلوم ہوا وہ لڑکا لائبریری کی طرف گیا۔ وہ دونوں لائبریری کی طرف بڑھ گئے۔ ابھی وہ دونوں لائبریری میں داخل ہوئے ہی تھے کہ ماہا کو وہ سامنے ہی کھڑا نظر آیا۔

"وہ ہے۔۔" ماہا کے اشارے پر غازان ماہا کو لے کر اس کی طرف بڑھا۔

ایکسکیوز می۔۔غاذان کے مخاطب کرنے پر وہ اس کی طرف مڑا۔

"جی؟" وہ اس کے پیچھے ماہا کو کھڑا دیکھ کر حیران ہوا مگر پھر خود کے تاثرات پر قابو پا کر جواب دیا۔

"میری بہن کی اسئنمنٹ؟" سوالیہ انداز میں صرف یہ چار الفاظ تھے جو غاذان نے کہے تھے۔

"جی یہ رہے۔۔میں نے سارے کاغذ ڈھونڈ لیے ہیں۔" جمال نے اپنے ہاتھ میں پکڑے سارے کاغذ جو وہ فائل میں لگا چکا تھا اسے تھمائے۔

آئندہ میری بہن سے ٹکرانے سے احتیاط کرنا غاذان کو وہ شکل سے ہی کھٹکا۔ ریحام کے ساتھ کا نتیجہ تھا وہ بھی اس کے جیسا شکی مزاج ہو گیا تھا۔ وہ ایک دبلا پتلا اور دراز کا لڑکا تھا۔ شکل وصورت عام سی تھی اور لباس صاف ستھرا تھا مگر غاذان کو وہ پھر بھی ایک آنکھ نہ بھایا۔ کبھی کبھی ہمیں اللہ کی طرف سے سگنل ملتا ہے کہ یہ انسان ہمارے لیے اچھا نہیں ہے۔ اسے تنبیہ کرتے ہوئے غاذان ماہا کا بازو پکڑ کر باہر نکل گیا۔ پیچھے جمال پریشان ہو گیا اس کے لیے ماہا کو ٹریپ کرنا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔

"اپنے لیے لڑنا سیکھو ماہا اگر کبھی زندگی میں میں تمہارے ساتھ نہ ہوا تو؟" باہر آتے ساتھ غازان نے اسے سمجھایا تو وہ روہانسی ہو کر اس کو دیکھنے لگی۔

"چلو جاؤ اب شاباش" اسے رونی شکل بناتے دیکھ کر غازان نے پیار سے اس کا سر تھپتھپایا۔

اسامہ اور موسی نے وہ ہوسٹل چھوڑ دیا تھا البتہ اسامہ نے وہ نوکری ابھی تک نہیں چھوڑی تھی۔ اس وقت وہ موسی اور عباس صاحب کے ساتھ ان کے گھر میں رہ رہا تھا جس سے انہوں نے موسی اور اسامہ سے چھپا کر رکھا تھا۔ ساری زندگی ان سے اپنی پہچان چھپاتے رہے۔ دراصل اسی لیے وہ ان دونوں کو بچپن سے ہاسٹل میں رکھتے آئے تھے تاکہ انہیں کسی چیز کا علم نہ ہو اور جب وہ دونوں چھٹیوں میں آتے اسی دن عباس صاحب اور ان کی زوجہ شہناز بیگم اسی چھوٹے گھر میں چلے جاتے، اور پھر دونوں کی چھٹیوں ختم

ہونے تک وہیں رہتے۔ وہ علاقہ ایسا تھا کہ لوگ کم ہی آپس میں ملتے تھے۔ سولہذا محلے سے بھی کسی سے معلوم ہونا ممکن نہ تھا اور محلے کے بچوں کے ساتھ بھی وہ نہیں کھیلتے کیونکہ وہ دو دونوں ہی ایک دوسرے کے لیے کافی ہوتے تھے۔ اسامہ کی ابھی تک جہانگیر ہاؤس جانے کی ہمت نہیں ہوئی تھی۔ وہ جب کوشش کرتا ساری ہمت جواب دے جاتی۔ ابھی وہ لاؤنج میں بیٹھا چائے سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ اچانک موسی دھب سے اس کے ساتھ صوفے پر براجمان ہوا۔

"ہاں بھئی کن خیالوں میں ہے تو آج کل؟" موسی نے اسے خیالوں میں گم دیکھ کر کہا۔

"کہیں نہیں.." اسامہ نے غائب دماغی سے جواب دیا۔

"تجھے محبت کا کیڑا تو نہیں کاٹ گیا؟" موسی کی شرارتی رگ پھڑکی۔

"بکواس نہ کر۔۔" اسامہ نے اسے ڈپٹا۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کل میرے باس کی بیٹی مجھے بے وقوف کہہ رہی تھی اسی بارے میں سوچ رہا ہوں۔ میں بے وقوف تو نہیں ہوں وہ تو میں بس۔۔۔۔" ابھی وہ اپنی بات مری مکمل کرتا کہ موسی نے اس کی بات اچک لی۔

"بے وقوف۔۔" موسی اسے شرارتی نظروں سے دیکھتا ہوا کہہ رہا تھا۔

"میری سنے گا؟" اسامہ نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہاں بول۔۔" موسیٰ اب شرافت سے منہ بند کر کے بیٹھ گیا البتہ آنکھوں میں باقاعدہ شرارت تھی۔

"اس نے مجھے بے وقوف اس لیے کہا کیونکہ۔۔۔" اب وہ اسے ساری بات بتا رہا تھا اور موسی ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہا تھا۔

"تو تجھے خود عقل نہیں ہے۔" موسی ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"یار تم خود اسے دیکھو گے نہ تمہارے ساتھ بھی یہی ہو گا۔ اس کی شخصیت ہی ایسی ہے ایسی رعبدار ہے۔" اسامہ کہہ رہا تھا اور موسی محظوظ ہو رہا تھا۔

"ویسے دکھنے میں کیسی تھی؟" وہی موسی کی شرارتی عادت!

"پیاری تھی مگر تیکھی بہت ہے۔۔" اسامہ کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر موسی دل ہی دل میں محظوظ ہو رہا تھا۔

"مجھے لگتا ہے۔۔"

"کیا لگتا ہے؟" ابھی موسی کچھ کہتا کہ اسامہ نے اس کی بات اچک لی جانتا تھا کوئی نہ کوئی فضول بات ہی کرے گا۔

"کچھ نہیں" اس کے تاثرات دیکھتے ہوئے موسی نے خاموش رہنے میں ہی عافیت جانی۔

"مگر یار وہ وکیل ہے شاید اس لیے بھی اسے لوگوں کو اپنی بات میں الجھانا اور سحر تاری کرنا جانتی ہے۔" اسامہ کھوئے کھوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"عمر کیا ہے؟" اسامہ کو اس قدر کھوئے انداز میں دیکھ کر موسی اس لڑکی کے بارے میں جاننے میں دلچسپی ہوئی۔

"معلوم نہیں۔۔" وہی کھویا کھویا انداز۔

"شادی شدہ ہے؟" یہ سوال کرتے ہیں موسی ہچکچایا مگر اسامہ کے دل کا حال جاننے کے لیے یہ ضروری تھا۔

اس سوال پر اسامہ چونکا۔

"معلوم نہیں۔۔" اب وہ الجھن زدہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ "مگر شادی شدہ لڑکیاں اتنی آزادی سے تو نہیں گھومتیں۔" اب وہ جیسے وہ خود کو تسلی دے رہا تھا۔ موسی سمجھ گیا۔

"تو معلوم کرو" موسی نے کہا

کیوں؟ وہی الجھن زدہ سوال۔

"اپنے آپ سے پوچھو۔" یہ کہہ کر موسی کچن کی طرف بڑھ گیا۔ پیچھے سے اسامہ کے تاثرات پریشان کن تھے۔ اسامہ سوچ رہا تھا کہ کیا ہوا اگر وہ واقعی شادی شدہ ہوئی تو؟ تو کیا پھر اس کی زندگی میں محبت بھی نہیں ہو گی؟ ابھی وہ سب سوچ ہی رہا تھا کہ اس کے دل نے نفی کی ہو سکتا ہے ایسا کچھ نہ ہو یہ صرف ایک برا خیال ہو۔ موسی اس کے دل کا حال سے واقف ہو گیا اور اس سب گفتگو کے بعد تو وہ خود بھی شاید اپنی کیفیت کا اندازہ لگا رہا تھا۔

صبح سویرے کا وقت تھا۔ سورج اپنا دیدار کروا رہا تھا۔ روشنیوں اور کھکھلاہٹوں سے بھرپور صبح کا آغاز ہوا۔ حذیفہ کل رات ہی دیر سے لاہور لوٹا تھا۔ اس وقت وہ اپنے کمرے میں خواب و خرگوش کے مزے لوٹ رہا تھا۔ یہ گھر حذیفہ کے ذوق کا منہ بولتا ثبوت تھا۔ یہ گھر اس نے اپنی محنت سے بنوایا تھا۔ حذیفہ جو بزنس یہاں سنبھال رہا تھا، وہ دانیال خان کے ہی کاروبار کی دوسری شاخ تھی۔ جسے انہوں نے اچھے وقتوں میں پروان چڑھایا تھا۔ جس کی بنیاد آج سے دس سال پہلے دانیال خان نے رکھی تھی۔ وہ اپنی ابتدائی چار سال دونوں برانچز (اسلام اباد اور لاہور والی) خود ہی سنبھالتے رہے۔ حذیفہ کی تعلیم کی وجہ سے انہوں نے کبھی بھی اسے تنگ نہیں کیا تھا۔ وہ اسے خود ہی دیکھتے رہے تھے۔ لہذا وہ پندرہ دن لاہور اور پندرہ دن اسلام آباد میں گزارا کرتے تھے۔ مگر حذیفہ ایک احساس کرنے والی اولاد تھا۔ وہ خود لاہور والی برانچ سنبھالنا چاہتا تھا۔ باپ کو اس عمر میں خوار ہوتا اور سفر کرتا وہ نہیں دیکھ پاتا تھا مگر ناقص علم کی وجہ سے وہ مجبور تھا لہذا ابھی لاہور کی برانچ کو شروع کیے چھ مہینے بھی نہیں گزرے تھے کہ اس نے باپ سے کہہ کر کام سیکھنے کو ترجیح دی البتہ دانیال خان راضی نا تھے۔ مگر اس کے اس قدر ضد پر مان گئے۔ مگر کام سیکھنے کی

اجازت صرف چار گھنٹے تھی۔ شام پانچ بجے گھر اور پھر اسے دونوں جگہوں کے کام کو بھی دیکھنا ہوتا۔ کبھی کبھی وہ تھک جاتا تو باپ کو دیکھ کر خود ہی حوصلہ اور ہمت بڑھ جاتی۔ آج یہ سب اس کی محنت کا ہی نتیجہ تھا کہ وہ آج اس مقام پر تھا۔ تقریبا دس بجے اس کی آنکھ کھلی تھی۔ وہ جب بھی اسلام آباد سے لوٹتا تھا، اس دن تاخیر سے آفس جاتا تھا۔ صاف رنگت والے ہاتھوں سے اس نے اپنی بھوری آنکھیں مسلیں اور پھر ہاتھ بھورے بالوں تک گئے جو پیشانی کو سلامی پیش کر رہے تھے۔ اس کے چہرہ ہمیشہ ایک نرم مسکراہٹ لیے ہوا ہوتا تھا۔ ابھی بھی وہ نرم مسکراہٹ کے ساتھ کمبل خود سے ہٹاتا بستر سے اٹھ کھڑا ہوا۔ یہ کمرہ نہایت خوبصورت اور جدید طرز کا بنا ہوا تھا کمرے کے وسط میں بیڈ جبکہ بیڈ کے بائیں جانب بالکنی اس کے جس میں چند پودے نفاست سے لگے تھے۔ جبکہ دائیں جانب ڈریسنگ روم اور اس کے ساتھ ہی باتھ روم کا دروازہ کھلتا تھا۔ یہ کمرہ اسلام آباد والے گھر سے کچھ کشادہ تھا۔ مگر کمرے دونوں ہی شاندار تھے۔ اب وہ ننگے پاؤں بالکنی میں آ کھڑا ہوا اور پھولوں کو انگلیوں کی پوروں سے چھو کر ان کی نرمی کو محسوس کرنے لگا۔ اب وہ پانی ڈالنے کے لیے بوتل اٹھا چکا تھا اور اب خوشگوار موڈ میں پودوں کو پانی دے کر آفس جانے کی تیاری کرنے لگا۔ آفس پہنچتے ساتھ ہی وہ کام میں مگن ہو گیا۔ وہ بہت نرم اور دھیمے مزاج کا آدمی تھا مگر جب اسے غصہ آتا تو پھر وہ دیکھنے لائق ہوتا۔ ابھی وہ اپنے کام میں ہی مگن تھا کہ اچانک دروازہ ناک ہوا اور عابد صاحب کمرے میں داخل ہوئے۔

"جی عابد صاحب؟" حذیفہ نے انہیں دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

"سر دراصل میم کا پیچھا عرفان درانی ہی کروا رہا ہے مگر۔۔" عابد صاحب نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"مگر؟" حذیفہ نے سوالیہ انداز میں پوچھا۔

"سر میم نے پچھلے دنوں کوئی پارٹی اٹینڈ کی تھی۔ وہاں وہ کسی آدمی سے ملیں تھیں۔ معلومات حاصل کرنے پر معلوم ہوا ہے کہ وہ شاہنواز امیر نامی بندہ ہے۔ فٹیج میں نے ساری نکلوالی ہے۔ مگر سر پریشانی کی بات یہ

ہے کہ عرفان درانی کے ساتھ اسے ایک دوبار دیکھا جا چکا ہے اسی لیے مجھے یہ بھی درانی کی کوئی نئی چال لگ رہی ہے۔ باقی آپ کی تصاویر کیسے اور کیوں لی گئیں تھیں؟ اس کا ابھی تک کوئی سراخ نہیں ملا۔ مگر یہ تو طے ہے کہ وہ کام درانی کا نہیں ہے۔ لیکن سر مجھے نہیں لگتا درانی اکیلا یہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ مجھے اس شاہنواز نامی بندے پر بھی شک ہے۔ مگر یہ صرف ایک مہرا لگتا ہے۔" عابد صاحب اپنی بات مکمل کر کے خاموش ہو چکے تھے۔ جبکہ حذیفہ کے تاثرات وہ پڑھ نہ سکے۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔

"ٹھیک ہے وہ فٹیج آپ مجھے دے دیں اور خفیہ طور پر گارڈز کو ریحام کی حفاظت کے لیے رکھوا دیں۔ مگر یاد رکھیے گا اسے معلوم نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی درانی کے بندوں کو علم ہونا چاہیے اور درانی پر بھی نظر رکھوائیں۔" اپنی بات کے اختتام پر حذیفہ نے ان کے ہاتھ سے فٹیج کی پین ڈرائیو لے لی۔

"جی سر۔۔" عابد صاحب تابداری سے سر ہلاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔ ان کے کمرے سے نکلتے ہی اضافہ کے تاثرات عجیب انداز میں ڈھلے۔ پہلی بار وہ شدید غصے میں دکھ رہا تھا۔

ماہا اس وقت یونیورسٹی کے گراؤنڈ میں بینچ پر بیٹھی کسی سبق کا رٹا لگا رہی تھی کہ اچانک اس کی نظر سامنے اٹھی اور پلٹنے سے انکاری ہوئی۔ اس کا منہ حیرت سے کھل گیا سامنے ہی تین چار لڑکے عجیب سا حلیہ اپنائے ہوئے تھے۔ لمبے بال اور عجیب گنڈوں والا حلیہ اپنایا ہوا تھا۔ مٹک مٹک کر چلتے وہ لوگوں کی نظروں کے حصار میں آ رہے تھے۔ غور کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ اس کے وہی کلاس فیلوز ہیں جو آئے دن مختلف شرارتیں کرتے رہتے ہیں۔ اور وہ اپنا سبق بھول کر اب ان کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی کہ اچانک ان میں سے ایک اس کی طرف بڑھا۔

"ہائے اللہ ماہا اتنے پیار سے نہ دیکھو نظر لگ جائے گی۔۔" وہ لڑکا شرارت سے کہہ رہا تھا۔

"اف اللہ رویام یہ کیا بنے ہوئے ہو تم؟ اس کی بات پر ماہا ہنستے ہوئے اس سے مخاطب ہوئی۔

"اف ڈارلنگ تم بھی نا۔۔" اب اس کی بات سن کر دوسرے لڑکے نے ہاتھ جھلایا۔

"داور کے بچے میں تمہارا چہرہ بگاڑ دوں گی خبردار جو مجھے اس واحیات نام سے پکارا تو۔۔"

داور کا مزاج ہی ایسا تھا وہ اکثر اس نام سے لڑکے لڑکیاں دونوں کو مخاطب کرتا مگر ماہا چڑ جاتی تھی۔

ماہا کی اپنی کلاس میں سب سے اچھی بنتی تھی یہ لڑکے بھی شرارتی ضرور تھے۔ مگر بدتمیز نہیں تھے تبھی ماہا آرام سے ان سے بات کر رہی تھی۔

"سویٹ ہارٹ تمہارا بھائی کہاں ہے؟ آیا نہیں آج؟" اتنے میں جو دو لڑکے دور کھڑے تھے۔ اب وہ اسی طرف آ گئے اور ان میں سے ایک اس سے مخاطب ہوا۔

"روحا تم؟"

"ڈارلنگ میں بھی ہوں"

"دانین تم بھی؟" وہ حیرت سے چیخ پڑی جنہیں وہ دور سے علی اور احمد (دو اور شرارتی لڑکے جو اکثر ان کے ساتھ پائے جاتے تھے) سمجھ رہی تھی وہ دانین اور روحا نکلیں۔

"لو اسے صدمہ ہو گیا ہے اب بتا بھی چکو کہاں ہے تمہارا ہینڈسم بھائی؟" روحا بیزاری سے بولی۔

"وہ تو نہیں آیا آج، مگر تم دونوں۔۔" وہ ابھی تک بے یقین تھی۔

"بڑا ہی بے مروت انسان ہے۔ ہفتے میں ایک مرتبہ شکل دکھا کر غائب ہو جاتا ہے۔" روحا نے آہ بھری۔

"ارے تم تو اپنا منہ بند کرو چلو ماہا اٹھو" رویام نے اس کو اٹھانا چاہا۔

مگر کہاں؟

"پرینک کرتے ہیں یار کسی کے ساتھ، یہاں تو سب کو معلوم ہو گیا ہے۔ ویسے بھی تم کب سے دانت نکال رہی ہو۔ چلو پارکنگ میں چلتے ہیں۔ تم ڈرنے کی ایکٹنگ کرنا۔ پھر دیکھتے ہیں کون تمہاری مدد کرتا ہے۔" رویام کہہ رہا تھا۔

اب وہ پورا ٹولا پارکنگ میں موجود تھا اور ماہا ایسے اداکاری کر رہی تھی جیسے کوئی ماہر اداکارہ ہو۔ وہاں پر کئی لڑکے لڑکیاں موجود تھے۔ کچھ دلچسپی سے انہیں دیکھ رہے تھے تو کچھ پریشانی سے، کوئی ویڈیو بنا رہا تھا، تو کوئی تماشہ دیکھنے میں مصروف تھا۔ اتنے میں جمال وہاں آتا ہوا نظر آیا۔ اس نے دیکھا وہاں کوئی ماہا کو تنگ کر رہا ہے۔ اسے اس سے اچھا موقع نہ ملا ماہا کی نظروں میں ہیرو بننے کا اور اپنا کام نکلوانے کا۔ وہ فوراً سے ان پانچوں کی طرف بڑھا۔ ماہا کا چہرہ دوسری طرف تھا۔ وہ نہیں دیکھ پا رہی تھی کون اس کی مدد کرنے کے لیے ادھر آ رہا ہے جبکہ وہ دانین کے اشارے پر وہ اپنی ایکٹنگ اچھی کرتی ہوئی تیزی سے رونا شروع کر چکی تھی۔ اتنے میں روحا نے جان بوجھ کر اپنا ہاتھ ماہا کو پکڑنے کے لیے بڑھایا کہ جمال نے اس کا ہاتھ پکڑ کر زور سے اسے دھکا دیا وہ منہ کے بل گر پڑی اور اچانک ایک چیخ نما آواز کے منہ سے نکلی۔ وہ چاروں پریشانی سے اس کی طرف بڑھے۔ منہ کے بل گرنے کی وجہ سے اس کے منہ اور ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ اس کا خون دیکھ کر چاروں ہی پریشان ہو گئے۔ اچانک رویام کھڑا ہو گیا اور جمال کے منہ پر مکہ دے مارا کہ اس کا ہونٹ پھٹ گیا۔ دانین اور راور روحا کو کھڑا کر کے گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے کہ تاکہ ڈاکٹر کے پاس لے جائیں اچانک ماہا کی نظر جمال پڑی جس کا ہونٹ پھٹ چکا تھا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"دفع کرو اسے چلو روحا کو ڈاکٹر کے پاس لے کر چلیں۔" ماہا نے حقارت سے اسے دیکھتے ہوئے داور کا بازو ہلایا۔ وہ دونوں قہر برساتی نظروں سے اسے دیکھتے گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔ جمال بے شرمندگی سے کسی کو بھی دیکھے بغیر قدم آگے کی طرف بڑھائے۔

اس واقعے کی خبر درانی کو ہو چکی تھی۔ لہذا درانی نے اسے یونیورسٹی سے نکلنے کا کہا کہ اگر اب اس نے کوئی ایسا قدم اٹھایا تو ہو سکتا ہے کہ ماہا یا اس کے ساتھی اس کی شکایت لگا دیں اور ان کے لیے مشکل ہو جائے۔

آج جمعرات کا دن تھا۔ لاہور کی سڑکوں میں معمول کی طرح چہل پہل تھی۔ آج ریحام کو کسی ضروری کام کے لیے نکلنا تھا۔ لہذا آج ریحام پوری دلجمی سے تیار ہوئی تھی۔ کالی سکرٹ کے اوپر سرمئی رنگ کی شرٹ زیب تن کیے وہ بے تحاشہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس وقت وہ مہران صاحب کے ساتھ لاہور کے ایک مشہور اور معروف علاقے میں موجود تھی۔ جہاں بڑے بڑے گھر نمایاں تھے۔ جس میں سے ایک عالی شان گھر کا وہ اندر سے نظارہ کر رہی تھی۔

"جی تو کیسا لگا آپ کو گھر؟" سامنے کھڑے آدمی نے پوچھا۔ اس کے ساتھ اس کا وکیل بھی موجود تھا اور ریحام کو بھلا وکیل کی کیا ضرورت؟

"گھر بہت خوبصورت ہے جمشید صاحب! باقی چیزیں تو سب تیار ہی ہیں تو کیوں نہ پیپر ورک کر لیا جائے؟ ریحام نے خوش دلی سے کہا۔

"جی ضرور" سامنے کھڑے آدمی (جمشید صاحب) نے بھی جواباً حامی بھری۔

تقریباً ایک گھنٹے کے اندر اندر ساری کاروائی مکمل کر کے وہ دونوں پارٹیاں مطمئن تھیں۔

"بہت بہت مبارک ہو آپ کو میں مس مرزا!" جمشید صاحب اب اسے گھر کی مبارکباد پیش کر رہے تھے اور ساتھ ہی چابی اس کی طرف بڑھا رہے تھے۔

"شکریہ مسٹر جمشید۔۔ میں دعا کروں گی اللہ آپ کی اور آپ کی بیٹی کے لیے آسانی کرے۔" وہ نرم مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

"آمین چلیں اب ہم چلتے ہیں" وہ کہہ کر گھر سے باہر کی طرف بڑھ گئے۔

اب جمشید صاحب اور ان کے وکیل گھر سے باہر نکل رہے تھے۔ ریحام نے مہران صاحب کو کام سنبھالنے کا کہا اور انہیں رخصت کیا۔ اس وقت وہ نم آنکھوں سے اپنے گھر جس کو اس نے اپنی محنت سے خریدا تھا، اسے دیکھنے میں مصروف تھی۔ اچانک اسے حذیفہ کا خیال آیا۔ حذیفہ وہ واحد شخص تھا، جسے معلوم تھا

کہ ریحام اسلام آباد سے لاہور گھر فائنل کرنے کے لیے اتنی جلد بازی میں آئی ہے۔اس نے خوشی سے فون اٹھایااور اسے کال ملائی۔

"ہیلو کہاں ہو تم؟"ریحام کے لیجے کی خوشی اور بے قراری حذیفہ نے آج سے پہلے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔

"آفس"اس نے حیرت سے نکلتے جواب دیا۔

"میں تمہیں لوکیشن سینڈ کر رہی ہوں وہاں آؤ۔"کہتے ساتھ اس نے کال کاٹ دی۔

"لیکن۔۔"حذیفہ جو کچھ کہنے لگا تھا۔اس کی کال کاٹنے پر فون کو حیرت سے دیکھ کر رہ گیا۔وہ اس کی ادھوری بات کر کے کال کاٹنے والی عادت پر بہت تنگ تھا۔مگر لوکیشن دیکھ کر جیسے اس کچھ کچھ اندازہ ہو گیا کہ وہ اسے کیوں بلا رہی ہے۔اب وہ آفس سے نکل کر گاڑی لوکیشن کی طرف ڈال چکا تھا

مگر راستے سے مٹھائی، پھول اور کچھ تحائف لینا نہیں بھولا۔اب وہ لوکیشن پر پہنچ کر اسے فون ملا رہا تھا کیونکہ ریحام نے اسے گھر کا ایڈریس سینڈ نہیں کیا تھا۔

اس کی کال دیکھ کر ریحام نے بے تابی سے فون اٹھایا۔"یار میں پہنچ گیا ہوں۔تم کہاں ہو؟"وہ بھی جان بوجھ کر انجان بنا۔

"کہاں ہو تم؟"ریحام کے پوچھنے پر اس نے جگہ بتائی۔

"اچھا تم رکو میں آرہی ہوں۔"کہتے ساتھ اس نے کال کاٹ دی اور گھر سے باہر قدم بڑھائے۔وہ گیٹ پر کھڑی تھی اور اسے دور سے حذیفہ نظر آیا۔اس نے ہاتھ ہلایا تو وہ گاڑی اس طرف لے آیا جس گھر کے باہر وہ کھڑی تھی۔اب وہ گاڑی سے نکل رہا تھا گھر پر ایک نظر ڈالتے اس نے ریحام کے چہرے پہ ایک نظر دوڑائی جو خوشی سے تمتما رہا تھا۔وہ بھی نرم مسکراہٹ کے ساتھ اس کی طرح بڑھا۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"بہت بہت مبارک ہو۔۔" اب وہ اسے گلے لگا رہا تھا۔ حذیفہ کی بڑی خواہش تھی کہ وہ عام لڑکیوں کی طرح اس سے گلے ملے، جو عموماً شرماتی وغیرہ تھیں۔ مگر یہ ریحام تھی اس سے اس سب کی توقع رکھنا بیکار تھا۔

"خیر مبارک" اب وہ دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو رہے تھے۔

"چلو اندر چلیں" ریحام نے اسے اندر چلنے کا کہا۔

"رکو" اب وہ گاڑی میں سے ایک گلاب کا بکے اور مٹھائی نکال کر اس کی طرف بڑھا رہا تھا۔ جسے اس نے شکریہ کہتے ہوئے پکڑ لیا۔ خود حذیفہ نے باقی تحائف ہاتھ میں پکڑ لیے۔

وہ دونوں اندر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اندر آتے ساتھ ریحام مٹھائی کا ڈبہ کھول رہی تھی۔ اب وہ ایک گلاب جامن اپنے منہ میں ڈال رہی تھی اور ساتھ ہی دوسرا اور پھر تیسرا۔ حذیفہ نے اسے دیکھتے ہوئے گلا کھنگارا کہ میں بھی ہوں۔ اس کے گلا کھنگارنے پر ریحام ہوش کی دنیا میں لوٹی اور مٹھائی کا ڈبہ اس کی طرف بڑھایا۔ وہ جھینپ گئی۔

حذیفہ مٹھائی کا ٹکڑا اپنے منہ میں ڈال رہا تھا۔

"اس وقت چائے یا کافی تو میں تمہیں پلا نہیں سکتی۔ لہذا میں کھانا آرڈر کر دیتی ہوں۔" اب وہ کھانا آرڈر کر رہی تھی۔

"تم نے باقی سب کو نہیں بلایا؟" حذیفہ نے اس کے گھر والوں کو ناپا کر پوچھا۔

"نہیں۔۔ آج بتا دوں گی انہیں بھی"، ریحام نے عام سے لہجے میں کہا۔

حذیفہ چونکا "تو تمہارے گھر میں کسی کو نہیں معلوم؟" حذیفہ حیرت سے پوچھ رہا تھا۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"نہیں میرا دل نہیں کیا آج بتادوں گی۔ میں کام مکمل ہونے پر سب کو بتانے کو ترجیح دیتی ہوں۔ اس کا لہجہ حذیفہ کو عجیب لگا۔ مگر اس نے بات کو مزید نہیں کریدا۔ اب وہ یقینا کھانا کھا کر گھر دیکھنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

آسمان پر سیاہی کے قطرے پھیلتے جا رہے تھے۔ ریحام ابھی ابھی گھر پہنچی تھی۔ لاونج میں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ وہ سب کو یہ خبر کھانے کی میز پر دینا چاہتی تھی اور کھانا تقریبا لگنے ہی والا تھا۔ اس لیے وہ کمرے میں فریش ہونے چل دی۔ دس منٹ کے بعد کھانے کی میز پر سب موجود تھے۔ ریحام نے مشترکہ سلام کیا اور کرسی سنبھال لی۔ کھانا کھاتے ہوئے دس منٹ ہی گزرے تھے کہ ریحام نے گلا کھنگارا۔

"میں نے اپنے لیے ایک گھر خریدا ہے۔ اگر آپ لوگ دیکھنا چاہیں تو کل میرے ساتھ چل سکتے ہیں۔" اس نے بغیر کسی کا نام لیے مشترکہ اطلاع دی۔ اس کے غیر متوقع بات پر سب ہی چونکے۔

"آپی کیا آپ ہمارے ساتھ نہیں رہیں گی؟" سوال ماہا کی طرف سے آیا تھا۔

"کیوں اب میں نے گھر خرید لیا ہے تو کیا اب مجھے نکالنا چاہتے ہو؟"

اس نے ہنستے ہوئے بغیر کسی کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ مگر اس ہنسی میں استہزائیہ سوال سب جان چکے تھے۔

"مطلب نہیں جائیں گی؟" ماہا نے پھر سے پوچھا۔ باقی سب خاموشی سے اس کی طرف متوجہ تھے۔

"نہیں" یک لفظی جواب کے بعد خاموشی۔

"مبارک ہو کل ہم چلیں گے تمہارے ساتھ۔" مرزا صاحب نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے منہ تھپتھپایا اور اٹھ کھڑے ہوئے۔

"مبارک ہو آپی!" غازان نے بہن کو بازو کے گھیرے میں لے کر مبارکباد دی۔

"ویسے یہ سب خریدنے کی کیا ضرورت تھی؟" رقیہ بیگم نے سر جھٹکا۔

وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی۔ وہ اس کی کامیابی پر خوش نہیں ہو سکتی تھیں تو جھوٹے منہ ہی مبارک باد دے دیتیں۔ مگر انہوں نے تو یہ بھی گوارا نہیں کیا۔

زیان آج یونیورسٹی آیا تو ثنا آج بھی نہیں آئی تھی۔

وہ پچھلے ایک ہفتے سے نہیں آرہی تھی۔ زیان نے اس کے دوستوں سے معلوم کیا مگر کسی کو کوئی خبر نہیں تھی۔ وہ ویسے بھی ہفتے میں دو سے تین بار ہی آتی تھی۔ مگر پورا ہفتہ وہ کبھی بھی چھٹی نہیں کرتی تھی۔ زیان پریشان ہو گیا کہیں کوئی مسئلہ تو نہیں ہو گیا؟ یا ہو سکتا ہے وہ بیمار ہو۔ وہ اس کے لیے ایک اچھے دوست جیسی اہمیت رکھتی تھی اور وہ جلد اس رشتے کو آگے بھی بڑھانے والے تھے۔ مگر محبت؟ وہ زیان اس کے لیے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ اس نے پریشانی سے یونیورسٹی میں ہی اسے کالز ملا ہیں، میسجز کیے مگر کوئی جواب نہیں آیا زیان یکدم پریشان ہو گیا۔ مگر پھر بھی اس کے لیے دعا گو تھا۔ وہ جہاں ہو خیریت سے ہو اس کے پاس نہ ہی اس کے گھر کا پتہ تھا اور نہ ہی گھر کا نمبر، آج اسے اپنی بے وقوفی کا اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ گھر چلا گیا مگر کافی دیر تک پریشان رہا۔ پھر شام کو اسے ایک ثنا کی طرف سے ایک میل موصول ہوئی۔ اس نے بے تابی سے اسے کھولا مگر اس کے اندر لکھی تحریر پڑھ کر یکدم اس کا چہرہ کسی بھی تاثر سے پاک ہو گیا۔

"ہیلو زیان!"

"میں ثنا بات کر رہی ہوں۔ میرے بابا نے مجھے اور ماما کو امریکہ اپنے پاس بلا لیا ہے اور وہاں پر اب وہ میری شادی کسی لڑکے سے کر رہے ہیں، جسے بابا نے پسند کیا ہے۔ میں چاہ کر بھی انہیں تمہارے لیے کنوینس

نہیں کر پا رہی۔ اس لیے اب میں وہیں رہوں گی تم مجھے بھول جاؤ میں بھی تمہیں بھولنے کی کوشش کروں گی۔"

خدا حافظ۔

یہ چند فقروں پر لکھی تحریر تھی۔ جس سے زیان کو سب سمجھ آ گیا کہ ثنا اس کے ساتھ ٹائم پاس کر رہی تھی۔ وہ بچہ نہیں تھا جو لفظوں کا مطلب نہ سمجھ سکے۔ اس نے نہ کوئی جواب دیا اور نہ سوال مانگا۔ وہ بس خاموش ہو گیا تھا۔ زیان کی اس کے ساتھ کوئی بھی دلی وابستگی نہ تھی مگر پھر بھی۔۔ دل نے کہا ایک دفعہ اس سے سوال کرو مگر اس نے یہ کہہ کر اپنے دل کو ڈپٹ دیا کہ

"کیا زیان ہاشم خان کا معیار اس قدر گر گیا ہے کہ وہ جانے والوں کا ہاتھ تھامتا؟"

جو ہم سے دور جانا چاہتے ہیں۔ انہیں روکنا نہیں چاہیے کیونکہ ان کا دل ہم سے پہلے ہی دور جا چکا ہوتا ہے۔ اور پھر یہ تو دنیا کا دستور ہے مخلص لوگوں کو دھوکے ہی ملتے ہیں۔ اس سب کے بعد وہ دو ہفتوں تک خاموش ہو گیا تھا۔ وہ یہ حقیقت ایکسیپٹ نہیں کر پا رہا تھا کہ ایک لڑکی اسے استعمال کر چکی ہے۔ مگر پھر اس نے محسوس کیا کہ اس کے گھر والے اس سب کو محسوس کر رہے ہیں۔ اس کی شخصیت پر بھی اثر پڑ رہا تھا۔ رافعہ بیگم اور دانیان خان نے کئی مرتبہ پوچھنے کی کوشش کی مگر کوئی جواب نہ پا کر انہوں نے حذیفہ سے کہا کہ وہ زیان سے بات کرے حذیفہ نے اس سے کچھ بھی پوچھنے کے بجائے اسے یہ احساس دلایا کہ "غم کوئی بھی ہو آپ کو اسے لوگوں کو نہیں دکھانا۔ تمہارا غم لوگوں کو چیخ چیخ کر تمہاری کیفیت کے بارے میں بتا رہا ہے۔ جس کے بدلے میں زیان نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ حذیفہ نے اس کی ساری بات کے اختتام پر بس اس سے یہی سمجھایا تھا کہ "کوئی بھی شخص ہمارے لیے اتنا اہم نہیں ہونا چاہیے کہ اس کے جانے کے بعد

ہماری شخصیت پر اثر پڑے۔" حذیفہ کے سمجھانے پر وہ کافی حد تک سنبھل گیا تھا اور گھر والوں کو بھی مطمئن کیا تھا۔ مگر اس نے حذیفہ کو سب کچھ گھر والوں کو بتانے سے منع کر دیا تھا۔ جس کی وجہ سے حذیفہ خاموش ہو گیا تھا۔

تقریبا ایک مہینہ گزر چکا تھا اس سب کو ریحام کیس پر کام کر رہی تھی۔ درانی کے کیس کو تقریبا چار مہینے گزر چکے تھے اور دو پیشیاں بھی وہ بھگتا چکی تھی اس پیشی میں اسے ہر حال میں گواہوں کو پیش کرنا تھا۔ ورنہ کیس درانی کے حق میں جا رہا تھا۔ کیونکہ آج اس کا وکیل ایری چوٹی کا زور لگا رہا تھا۔ اور بے بنیاد الزام اقراء (درانی کی بیوی) پر لگا چکا تھا۔ جبکہ درانی کو دوسری پیشی کے بعد حراست میں لے لیا گیا تھا۔ البتہ ابھی کچھ بھی ثابت ہونے سے پہلے ٹاچر سے دور رکھا تھا۔ اسے حراست میں دو ہفتے ہو چکے تھے۔ ریحام نے گھر کی سکیورٹی بڑھا دی تھی۔ ماہا اور غاذان کو یونیورسٹی جانے کی اجازت نہیں تھی۔ خود وہ گارڈز کا استعمال کر رہی تھی۔ رقیہ بیگم کو بھی کچھ عرصہ گھر میں رہنے کے لیے کہا گیا تھا۔ اور یہ سب مرزا صاحب کی سخت ہدایات تھی کہ وہ جانتے تھے وہ ریحام کو پیچھے نہیں ہٹا سکتے۔ لہذا انہیں ہی کچھ کرنا تھا۔

آج ریحام کی اقرا سے ڈیٹیل میں میٹنگ تھی۔ اس وقت ریحام، مینجر کے ساتھ موجود تھی اور ساتھ ہی سیکرٹری بھی موجود تھی۔ سامنے ہی اقرا (درانی کی بیوی) بھی موجود تھی۔ اس کے ساتھ ایک مرد اور دو عورتیں بھی موجود تھیں۔ جنہیں گواہی دینے کے لیے مشکل سے راضی کیا گیا تھا۔ ان کے گھر کی حفاظت کی ذمہ داری ریحام اور اقراء بخوبی نبھا رہے تھے۔ ریحام نے یہ کام حذیفہ کے ذمے سونپا تھا۔ جسے وہ بخوبی نبھا رہا تھا۔ یہ یقینا دورانی کے ملازم تھے۔ جو اس واقعے کے وقت ادھر موجود تھے۔

"جی تو مس اقراء آپ کا کہنا ہے کہ یہ تینوں اس وقت اس گھر میں موجود تھے؟ اتنے بڑے گھر میں صرف تین ملازم موجود تھے؟ اس نے بھنویں اچکا کر سوالیہ نظروں سے اقراء کو دیکھتے ہوئے سوال کیا جو ایک باہمت عورت اور ماں تھی۔ وہ ایک تیس سال کی خوبصورت عورت اور آٹھ سالہ بچی کی ماں تھی۔

"نہیں" اقرا نے جواباً کہا

"اس وقت وہاں دس گارڈز اور چار ملازم اور بھی موجود تھے۔ مگر واقعے کو دیکھنے والوں میں سے صرف سات ملازم موجود تھے۔ جس میں سے گواہی کے طور پر راضی ہونے والے یہ تین ہیں۔" اقرا نے تفصیلا اگاہ کیا۔

"ٹھیک ہے میں آپ سب کو تفصیلاً سب سمجھا دیتی ہوں۔ مگر اس سے پہلے مجھے اپ سب سے کچھ سوال کرنے ہیں۔"

اب ان سے سوال کر رہی تھی اور ساتھ ساتھ انہیں کچھ سمجھاتی جا رہی تھی۔

آج یکم جولائی تھی۔ آج کورٹ کی پیشی تھی۔ سب کی جان حلق میں اٹکی ہوئی تھی کہ کیا فیصلہ کیا جائے گا؟ کمرہ عدالت میں آج شاہنواز کو دیکھ کر وہ حیرت زدہ تھی۔ معلوم کرنے پر علم ہوا کہ وہ درانی کا بھائی ہے "شاہنواز امیر درانی" ریحام نے نفرت اور حقارت سے نظریں پھیر لیں۔ اسے دوغلے لوگوں سے نفرت تھی۔ اس وقت کمرہ عدالت میں گہری خاموشی تھی۔ سوئی بھی گرتی تو اس کی آواز بھی ماحول میں ارتعاش پیدا کرتی۔ کہ اچانک جج صاحب کی آواز نے اس خاموشی کو توڑا۔

"تمام ثبوتوں اور گواہوں کے مطابق مجرم عرفان درانی کو ازدواجی عصمت کے جرم میں دس سال عمر قید سنائی جاتی ہے اور بچی کی ذمہداری محترمہ اقراء بیگم کو سونپی جاتی ہے۔" جج صاحب کی آواز ریحام، اقراء

اور کئی لوگوں کے لیے ٹھنڈک بن کر ان کے کانوں میں اتری تو درانی اور اس کے ساتھیوں کے لیے جیسے کوئی پگلا ہوا سیسہ۔ جج صاحب اب کمرہ عدالت سے نکل رہے تھے اور باقی سب لوگ کھڑے ہو چکے تھے وہ بھی آہستہ آہستہ کر کے باہر نکل رہے تھے کہ ریحام نے اقراء کو مبارکباد دی اور کمرہ عدالت سے نکلنے لگی کہ شاہنواز کی آواز اس کے کانوں میں پڑی۔

"تم نے اچھا نہیں کیا بدلہ تو تمہیں چکانا پڑے گا۔" وہ حقارت سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا اور ریحام پر سکون کھڑی تھی۔

"ویٹنگ۔۔" یک لفظی جواب کہہ کر وہ آگے بڑھ گئی۔ یہ سب اس کے لیے ایک معمولی سی بات تھی۔

یہ خبر شاہنواز، اور عرفان درانی کے لیے ایک صور تھا۔ اس عورت (جس نے انہیں تسلی دی تھی۔ وہ اس کا ساتھ دے گی، اس سے کچھ نہیں ہونے دی گی ابھی بھی یہی کہہ رہی تھی کہ وہ اسے باہر نکلوانے میں مدد کرے گی). جبکہ درانی اور شاہنواز جانتا تھا یہ صرف بہلاوا ہے۔ فیصلہ ہائی کورٹ کی طرف سے آیا ہے ۔لہذا شاہنواز خود ہی اپنے دماغ میں کچھ نہ کچھ بن رہا تھا۔۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

ریحام کی گاڑی سڑک پر تیز رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی کہ اچانک گاڑی میں ریحام کے فون کی آواز نے ارتعاش پیدا کیا۔ فون اٹھا کر اس نے کان سے لگایا۔

"کامیابی مبارک مادام!" فون سے حذیفہ کی خوشگوار آواز ابھری۔

"خیر مبارک مسٹر خان!" ریحام نے بھی اسی کے انداز میں جواب دیا۔

"ہاہا۔۔" حزیفہ اس کے انداز پر قہقہا لگا گیا۔

"آج میں ٹریٹ لوں گا" حذیفہ کہہ رہا تھا۔

"ضرور۔۔ابھی میں کچھ دیر آرام کرنا چاہتی ہوں رات کو گھر آجانا ٹھیک ہے؟"

"ڈن تم آرام کرو۔"

"اللہ حافظ" اب وہ فون رکھ چکی تھی کہ اچانک اس کا فون بجا اس نے غیر شناسہ نمبر دیکھ کر کچھ سوچتے ہوئے کال اٹھالی۔

"السلام علیکم! فون سے کسی لڑکی کی آواز ابھری۔

"وعلیکم السلام!" ریحام نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "دراصل میں نے آپ سے ایک مہینہ پہلے رابطہ کیا تھا۔ مگر ہم مل نہیں سکے مجھے آپ سے اسلام آباد میں ملنا تھا۔ مگر خیر، میں لاہور آئی ہوئی ہوں میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔" زینیا نے حوالہ دیا۔

"جی جی۔۔میں پہچان گئی ہوں" ریحام یقیناً اسے پہچان گئی تھی۔

"معذرت میں کسی کیس میں مصروف تھی۔" ریحام نے معذرت خواہ خانہ انداز میں کہا۔

"کوئی بات نہیں۔۔کیا ہم آج مل سکتے ہیں؟"

"جی ضرور میں آپ کو لوکیشن سینڈ کر دیتی ہوں۔" ریحام نے کہتے ساتھ کال کاٹ دی۔

کچھ دیر بعد اب وہ اس جگہ پر داخل ہو رہی تھی جہاں اسے اس لڑکی سے ملاقات کرنی تھی۔

ریحام نے اس نمبر پر دوبارہ فون ملایا اور پھر بات کرتے کرتے اس کے کپڑوں کا رنگ پوچھ کر اس جگہ پہ پہنچی جہاں وہ کرسی پر بیٹھی تھی۔

وہ ایک دراز قد اور خوش شکل لڑکی تھ۔ی مگر اس کے نقوش۔۔وہ ایسے لگتے تھے جیسے ریحام نے اسے کہیں دیکھا ہو۔ ریحام نے بغور اسے دیکھا۔

"السلام علیکم!" ریحام نے اس کے قریب پہنچ کر سلام کیا۔ زینیا اٹھ کھڑی ہوئی۔

"وعلیکم السلام!" وہ دونوں مصافحہ کر کے اپنی اپنی کرسی سنبھال رہی تھیں۔ ریحام کو اس کے نقوش قریب سے دیکھنے پر گھبراہٹ ہونے لگی۔

"میں نے آپ سے انسٹاگرام پر کئی دفعہ رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر ممکن نہ ہو سکا لہذا مجھے آپ کا نمبر حاصل کرنا پڑا۔ جس میں کافی وقت لگا اور کچھ اپنی مصروفیات بھی تھیں۔" وہ سچ کہہ رہی تھی وہ جب اس سے ملنے کی کوشش کرنے لگتی کچھ نہ کچھ ایسا ہو جاتا کہ وہ نہیں مل پاتی تھی۔

"معذرت" یک لفظی جواب مگر چہرے پہ کوئی شرمندگی نہیں تھی۔

آپ کا تعارف؟ ریحام نے خود ہی سوال کیا۔

"زینیا شہریار مرزا!" صرف یہ تین الفاظ زینیا کے منہ سے نکلے تھے اور ریحام کہ حلق سے زبان کھینچ گئے۔ وہ بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

"یہ میری اور ڈیڈی کی ڈی این اے رپورٹ ہے۔ یہ ہماری کچھ تصاویر اور یہ ممی اور ڈیڈی کا نکاح نامہ، میں ان کی جائز اولاد ہوں اور میں اسلام آباد میں رہتی ہوں۔ ڈیڈی اور ممی میرے ساتھ نہیں رہتے میں نے بچپن سے ملازموں کے پاس ہی زندگی گزاری ہے۔" وہ تمام ثبوت ریحام کے سامنے کھول کر رکھتی ہوئی کہہ رہی تھی اور ریحام؟ وہ جیسے بے جان مورت بنی بیٹھی تھی۔ اسے سب یاد آنے لگا اس کا باپ کیوں اسلام آباد کے چکر لگاتا تھا۔ اسے اس لڑکی کے نقوش دیکھے دیکھے کیوں لگے۔ لیکن اسے اندازہ اب ہوا اس کا ڈر سچ ثابت ہوا تھا۔

"میں جمیلہ ہاشم خان کی بیٹی ہوں آپ کی پھپھو ساس۔" وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ کہہ رہی تھی اور ریحام کو لگا جیسے اس کے سر پر ساتوں آسمان ایک ساتھ آ گرے ہیں۔ اس کی زبان کو قفل اور آنکھوں میں بے یقینی ہی بے یقینی تھی۔ ثبوت اس کے سامنے تھے مگر دماغ ماننے سے انکاری تھا اور سب سے بڑا ثبوت تو زینیا خود تھی جس کے نقوش جمیلہ اور شہریار مرزا سے اس قدر مماثلت رکھتے تھے کہ اس کا دم گھٹنے لگا۔

اس نے ہمت مجمع کر کے بڑی مشکل سے ثبوتوں کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہ نکاح نامہ آج سے اکیس سال پہلے کا تھا۔ اب وہ تصویریں دیکھ رہی تھی بمشکل دو تصاویر تھی جس میں وہ تینوں موجود تھے۔ اس کی آنکھوں میں جیسے کسی نے مرچیں بھر دیں۔ اسے سب یاد آنے لگا۔ جو شاید نہیں آنا چاہیے تھا۔ اس کی آنکھیں جنونی حد تک لال انگارہ ہو گئیں۔ زینیا جو کہ اس کے تاثرات دیکھ رہی تھی اس کی لال انگارہ آنکھیں دیکھ کر خوف محسوس ہوا۔ ریحام کو محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے منہ پر طمانچہ دے مارا ہو۔ اس کو اپنے سر میں ٹیسیں اٹھتی ہوئی محسوس ہونے لگیں اور آہستہ آہستہ یہ درد بھڑنے لگا۔ بڑی مشکل سے ہمت مجمع کر کے وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"میرے ساتھ چلو" اس نے خود کو کہتے سنا۔ زینیا غیر متوقع بات پر گھبرا گئی۔

"چلو!" وہ سرد آواز میں کہتی ہے اس کی کلائی پکڑ کر باہر نکل گئی۔ زینیا کو اس کی آنکھوں سے خوف آنے لگا۔ اسے لگا اس نے ادھر آکر غلطی کر دی ہے۔ اسے وہ کوئی پاگل محسوس ہو رہی تھی۔ کیس جیتنے کی خوشی؟ کون سی خوشی؟ اس کے سر پر پہاڑ ٹوٹ پڑا تھا۔ مگر اس بار وہ یہ اذیت اکیلے نہیں جھیلے گی۔ سر کا درد اسے پاگل کرنے لگا۔ زینیا کو گاڑی میں بٹھا کر وہ خود گاڑی میں بیٹھ رہی تھی چلنا مشکل ہو گیا۔ مگر آج نہیں۔۔ آج اسے جواب چاہیے تھا۔ کیوں؟ آخر کیوں؟ آخر کار گاڑی اپنی منزل پر آکر رکی۔ اس وقت رات کے آٹھ بج رہے تھے وہ کیس پانچ بجے مکمل کر کے فارغ ہوئی تھی اور تقریباً ساڑھے چھ بجے تک اس کی خوشی غارت ہو چکی تھی اس کی خوشی کا کیا؟ صرف اتنی سی خوشی؟ وہ گاڑی سے اتری۔ گھوم کر زینیا کو باہر نکالا اور اب وہ اسے گھسیٹتے ہوئے گھر کے اندر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ گھر کے اندر سے مختلف آوازیں آرہی تھیں جیسے کوئی مہمان اندر موجود ہو مگر آج فرق کسے پڑھتا تھا؟ اس نے لاؤنج کے دروازے کے پاس اس کی کلائی چھوڑی اور خود اندر کی طرف بڑھ گئی۔ جہاں اس کا باپ، بھائی، شوہر، ماں، بہن اور سسرال کا ہر فرد موجود تھا۔ مگر نہیں تھی تو اس کی سوتیلی ماں نہیں تھی۔ زینیا کو اس نے

دروازے کے قریب ہی چھوڑ دیا تھا مگر اس طرح کہ وہ کسی کو نظر نہیں آتی تھی۔ ریحام نے قدم آگے کی طرف بڑھائے۔

"ارے آپی آپ آگئی۔۔" ماہا کی اس پر نظر پڑی تو وہ خوشی سے چہکی۔

"آپی ہم سب نے سوچا ہم آپ کو سرپرائز دیں۔" ماہا کہہ رہی تھی سب اس کی طرف خوشی سے دیکھ رہے تھے۔ مگر اس کے چہرے پر غیر معمولی خاموشی اور سنجیدی پر سب اسے پریشان نظروں سے دیکھنے لگے۔

"میری سوتیلی ماں کو نہیں بلوایا مرزا صاحب آپ نے؟" وہ طنزیہ نظروں سے مرزا صاحب کو دیکھتی کہہ رہی تھی۔ اس کی بات پر سب الجھن بھرے انداز میں اسے دیکھنے لگے۔ جبکہ مرزا صاحب کی زبان تو جیسے تالو چپک چکی تھی۔ کوئی اور سمجھے نہ سمجھے وہ سمجھ چکے تھے۔

"چلیں کوئی بات نہیں سوتیلی ماں نہ صحیح سوتیلی بہن ہی صحیح" ریحام نے ان کی حیران کن نظروں میں دیکھتے ہوئے کہا مرزا صاحب نے نظریں چرائیں۔

"نام نہیں بتائیں گے؟ طنزیہ سوال کرتے وہ انہیں کہہ رہی تھی۔

کیا کہہ رہی ہو ریحام کھل کر کہو۔۔۔ حزیفہ نے الجھن بھرے انداز میں کہا۔ حزیفہ کو وہ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔

"آؤ آؤ تم ملو گے میری سوتیلی بہن سے؟ بلکہ میری سوتیلی ماں سے تم تو ملتے ہی رہتے ہو میری سوتیلی بہن سے ملو۔ اب وہ حذیفہ کی طرف مڑی۔

"کیا کہہ رہی ہو ریحام؟" وہ نا سمجھی سے اسے دیکھنے لگا۔

"ابھی بتاتی ہوں" کہتے ساتھ ہی وہ زینیا کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے آئی۔

"لو ملو تمہاری سالی اور کزن!" ریحام کہہ رہی تھی اور سب کے چہروں پر الجھن جبکہ مرزا صاحب کے چہرے پر کوئی تاثر نہ تھا۔

"کیا ہو گیا ریحام ٹھیک سے بتاؤ" حزیفہ جھنجھلایا۔ بلکہ دماغ تو ریحام کا بھی گھوم رہا تھا۔ سر درد شدت اختیار کر گیا تھا۔

"یہ تمہاری پھپھو جمیلہ ہاشم خان اور میرے باپ شہریار مرزا کی اکلوتی اولاد ہے۔" زینیا شہریار مرزا" زیان جو زینیا کو یہاں دیکھ کر ہی بے یقین تھا اور اب یہ انکشاف؟ وہ حیرت سے پھٹی آنکھوں سے کبھی زینیا کو دیکھتا تو کبھی ریحام کو۔ زینیا کا چہرہ سپاٹ اور گردن اٹھی ہوئی تھی اس نے کوئی جرم نہیں کیا تھا۔ وہ کیوں سر جھکاتی؟ جبکہ سب حیرت اور بے یقینی سے مرزا صاحب کو دیکھتے تو کبھی زینیا کو۔ ریحام اب سارے ثبوت حذیفہ کی طرف بڑھا رہی تھی۔ سب اپنی جگہ پر بے یقین کھڑے تھے جبکہ دانیال خان کی آنکھوں میں دکھ تھا ان کی بہن نے اس عمر میں ان کی کمر توڑ دی تھی۔ ساری زندگی جب وہ کہتے آئے تو شادی سے وہ انکاری رہیں اور اس عمر میں یہ صرف سامنے آنا۔۔۔ اور رقیہ بیگم؟ وہ تو بے یقین تھیں۔ ساری زندگی کا یہ صلہ ملا تھا۔

کیا یہ تھی عورت کی زندگی؟ ساری زندگی عورت ایک مرد کے لیے خود کو سنبھالتی رہے اور مرد باہر منہ مارتا پھرے۔ دنیا سے چھپ کر شادیاں رچاتا پھرے۔ ایسے مرد کمزور ہوتے ہیں۔ وہ کسی ایک کے نہیں ہو سکتے اور ایسے مردوں سے جڑیں عورتیں بہت مضبوط ہوتی ہیں۔ جیسے ریحام تھی، جیسے زینیا تھی۔ کمزور مرد مضبوط عورتیں پروان چڑھاتے ہیں۔ انہیں معلوم ہوتا ہے انہیں اپنے لیے خود ہی لڑنا پڑے گا۔

"اتنا چھپانے کی کیا ضرورت تھی مرزا صاحب جائز اولاد ہی تھی نا آپ کی یا پھر ناجا۔۔"

ابھی ریحام اپنی بات مکمل کرتی کہ ایک تھپڑ سے اس کا دماغ سنسنا اٹھا۔ تھپڑ اتنا شدید نہیں تھا مگر اس کی تاثیر بہت شدید تھی۔ ریحام پر ہاتھ اٹھانے پر سب نے اپنے لب بھینچ لیے۔ حزیفہ نے ان کے تھپڑ مارنے پر ریحام کو اپنے قریب کر لیا اور عجیب بے تاثر نظروں سے مرزا صاحب کو دیکھنے لگا۔

"اپنی بکواس بند کرو یہ میری جائز اولاد ہے۔" انہوں نے زینیا کی طرف اشارہ کیا۔ زینیا کی آنکھیں ویران تھیں۔ بچپن سے اب تک دیا ہی کیا تھا انہوں نے ایک پہچان تک تو دے نا سکے۔ ریحام نے بے یقینی سے ان کو دیکھا اب وہ اس پر ہاتھ بھی اٹھائیں گے؟ صرف اس لیے کہ وہ خاموش ہو جائے؟ وہ کس کس کی زبان پکڑیں گے؟ اس کی آنکھوں میں پہلے بے یقینی، پھر تلخی اور پھر اذیت ابھری۔ حذیفہ جو اس کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ اس نے اسے اپنے بازو کے حصار میں لے لیا۔ وہ سمجھ سکتا تھا اس وقت اس پر کیا گزر رہی ہو گی۔ زینیا نے بغور ان دونوں کو دیکھا اور پھر باقی سب کو، سب کے پاس کوئی نہ کوئی موجود تھا۔ ریحام کے پاس حذیفہ، رقیہ بیگم کے پاس ماہا اور غازان، دانیال صاحب کے پاس وہی یونیورسٹی والا لڑکا اور رافعہ بیگم کے ساتھ امل موجود تھی۔ سب کو کوئی نہ کوئی سنبھال رہا تھا۔ اس کے پاس کون تھا؟ وہ تو خالی ہاتھ تھی۔ اس کے پاس ایسا کوئی نہ تھا جو اسے سنبھالتا۔ دانیال خان جو اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہے تھے اس کی نظروں کے مفہوم کو سمجھتے اس کی طرف بڑھے۔

"بیٹا ادھر آؤ؟ میں تمہارا ماموں ہوں۔" انہوں نے پیار سے پچکارا۔ زینیا کچھ جھجک کر آگے کی طرف بڑھی۔ انہوں نے خود ہی اسے بازو کے گھیرے میں لے لیا۔ اس سب میں اس بچی کا کیا قصور تھا؟ سب ایک دوسرے سے نظریں چراتے ہوئے بے یقین تھے۔ ریحام نے یکدم حذیفہ کا حصار توڑا۔

"کسی ایک کے ساتھ تو مخلص رہتے مرزا صاحب! نہ ہم تینوں کو ہمارا بچپن دے سکے، نہ ہی اس بیچاری کو، اس کا کیا قصور تھا؟ جسے دنیا کے سامنے آپ نام بھی نہ دے سکے۔ آپ جیسا باپ ہم چاروں ڈیزرو نہیں کرتے تھے۔ خدا آپ جیسا انسان کسی کی زندگی میں نہ رکھے۔" اذیت سے کہتی وہ سیڑھیوں کی طرف بھاگی۔ مرزا صاحب کا چہرہ اہانت کے زیر اثر لال بھبھوکا ہو رہا تھا۔ حزیفہ ریحام کے پیچھے گیا اسے ریحام نارمل نہیں لگ رہی تھی۔ اوپر آتے ساتھ اس نے اپنی ضروری اشیاء پیک کرنا شروع کیں۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ جسم میں جان بالکل بھی نہیں بچی تھی۔

"کیا کر رہی ہو ریحام؟" حزیفہ اسے اس طرح سامان پیک کرتے دیکھ اس کے قریب آیا۔ وہ بیڈ پر بیگ رکھے اس میں سامان ڈال رہی تھی۔

"مجھے یہاں نہیں رہنا۔" اس کا لہجہ لڑکھڑایا۔

"مگر ریحام۔۔"

"خبردار!" حزیفہ نے کچھ کہنا چاہا کہ ریحام نے سختی سے ٹوک دیا۔ وہ سامان اٹھائے اب نیچے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ حذیفہ اس کے پیچھے ہی بھاگا۔

وہ ریحام کو بیگ پکڑ کر نیچے اترتا دیکھ کر حیران ہوئے۔ مرزا صاحب نے بے تاثر نظروں سے اسے دیکھا۔ کوئی اسے روکنے کی کوشش نہیں کر رہا تھا کسی میں اتنی ہمت نہ پڑی، سب اپنی اپنی جگہ پر سکتے میں تھے۔

ریحام پورچ میں گاڑی کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اس نے گاڑی کا دروازہ کھولنے کی کوشش کی مگر اسے محسوس ہوا کہ جیسے اس کے جسم سے جان رفتہ رفتہ نکل رہی ہے۔ اس کا سانس پھولنے لگا۔ حذیفہ جو اس کے پیچھے یہ آیا تھا اس کی حالت دیکھ کر اس کے ہاتھ سے گاڑی کی چابی لے کر اسے دوسری سیٹ پر بٹھایا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ کر گاڑی ڈرائیو کرنے لگا۔ وہ جانتا تھا وہ اس وقت کہاں جائے گی۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

ریحام نے گاڑی کی سیٹ کے ساتھ پشت ٹکالی۔ اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ حذیفہ پریشانی سے کبھی ڈرائیو گاڑی ڈرائیو کرتا تو کبھی اس کے چہرے کے تاثر دیکھتا اچانک حذیفہ کی نظر اس پر پڑی تو جیسے حذیفہ کو لگا اس کی آنکھوں میں کسی نے مرچیں بھر دیں۔ اس نے کبھی ریحام کو روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ اس کی بند آنکھوں سے گرم سیال ابل رہا تھا۔

"ریحام!" حزیفہ نے اس کا نام لیا مگر کوئی جواب نہ آیا۔ "ریحام!" اس نے گاڑی روکی اور ایک مرتبہ پھر اس اسے پکارا مگر جواب نہ پا کر کئی بار اسے پکارا مگر وہ جواب نہیں دے رہی تھی۔ اس کے کانوں میں حذیفہ کی بار بار آواز پڑ رہی تھی۔ مگر وہ چاہ کر بھی اپنی آنکھیں نہیں کھول پا رہی تھی۔ وہ اسے جھنجوڑ رہا

تھا۔ وہ اس کے ہاتھوں کا لمس محسوس کر سکتی تھی۔ اس کی آواز اپنے کانوں میں محسوس کر سکتی تھی۔ مگر آنکھیں نہیں کھول پا رہی تھی۔ اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبنے لگا اور یک دم سب ساکت ہو گیا۔

سب جو اب تک وہیں پر لاؤنج میں بے یقین کھڑے تھے۔ حذیفہ اور ریحام کے نکلتے ہی مرزا صاحب کسی کو بھی دیکھے بغیر سٹڈی روم کی طرف بڑھ گئے جب کہ رقیہ بیگم اوپر کی طرف بڑھ گئیں۔ ایک سکوت تھا جو چھا گیا تھا۔ ایک طوفان تھا جو آ کر چلا گیا تھا۔ ابھی وہ سب یہیں پر موجود تھے کہ اچانک زیان کا فون بجا۔

"کیا!" وہ حیرت اور بے یقینی کے عالم میں کہہ رہا تھا۔

اس کے اس طرح سے کہنے پر سب اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ فون رکھتے ساتھ ہی زیان نے سب کے چہروں کو دیکھا جو سوالیاں نظروں سے اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"بھابھی بے ہوش ہو گئی تھی بھائی انہیں لے کر ہسپتال گئے ہیں۔" بڑی مشکل سے اس نے یہ چار الفاظ ادا کیے تھے۔ سب کے چہروں پر الجھن کے تاثرات ختم ہوئے تو حیرت اور بے یقینی نے لے لیے اور پھر حیرت و بے یقینی سے پریشانی میں ڈھل گئے۔

"میں ہسپتال جا رہا ہوں بھائی کے پاس۔۔" وہ کہہ کر گاڑی کی طرف بڑھنے لگا کہ غازان نے اسے روک دیا۔

"تم ادھر ہی سب کے پاس رکو میں جاتا ہوں۔۔" غازان کا چہرہ بے تاثر تھا۔

"ٹھیک ہے تم جاؤ ہم لوگ بھی لاہور والے گھر کے لیے نکل رہے ہیں۔۔" زیان نے اسے جانے دیا۔

ماہا یا غازان میں سے کسی نے بھی اسے ان کو روکنے کی کوشش نہیں کی تھی کیونکہ وہ جانتے تھے یہ وقت مناسب نہیں ہے۔ زینیا ان سب کے چہرے دیکھ رہی تھی۔

"مجھے اور زینیا کو بھی اپنے ساتھ لے چلو غازان۔" بالآخر زینیا نے ہمت مجتمع کر کے کہہ ہی دیا۔

اس کے اس طرح سے کہنے پر سب نے چہرے اس کی طرف موڑے تو وہ ایک دم جھجک سی گئی۔

اس کے اس طرح استحاق بھرے انداز سے کہنے پر غازان نے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اس کی بہن تھی بالکل ماہا اور ریحام کی طرح۔۔

"ٹھیک ہے چلو۔۔" سنجیدگی سے کہہ کر وہ پورچ کی طرف گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ باقی سب جو اس سے کسی برے رویے کی توقع کر رہے تھے اس کے اتنے اطمینان سے کہنے پر حیرت زدہ تھے۔ مگر پھر اپنی حیرت سے نکلتے پورچ کی طرف بڑھنے لگے۔

ان سب کو پورچ کی طرف آتے دیکھ کر سرفراز (مرزا صاحب کا خاص ملازم) حیرت سے انہیں دیکھنے لگا چونکہ ماہا، زینیا اور غازان ایک ہی گاڑی میں سوار ہو کر نکل رہے تھے۔ وہ خاص ملازم تھا یقینا مرزا صاحب کی دوسری شادی کے بارے میں بھی علم رکھتا تھا۔

"جی۔۔؟" زینیا جو گاڑی کا دروازہ کھولنے ہی لگی تھی دانیال خان کی آواز پر مڑ کر ان کو دیکھنے لگی۔

"بیٹا تم اپنا فون نمبر دے دو۔ جب تمہیں ہاسپٹل سے واپس آنا ہو تو ہمارے پاس رک جانا۔" ان کا انداز بہت اپنائیت لیے ہوا تھا۔ انہیں سب سے زیادہ تر اس بچی پر آ رہا تھا۔ شاید وہ ان کی بھانجی بھی تھی اس لیے۔۔

"ضرورت نہیں شکریہ میں کل کی فلائٹ سے اسلام آباد جا رہی ہوں۔۔" خطرناک حد تک سنجیدہ لہجہ۔

"ٹھیک ہے اسلام آباد میں ہمارے پاس رک جانا اور آج کی رات بھی۔۔" انہوں نے بغیر برا منائے پھر سے اپنی تجویز پیش کی۔

"نہیں میں ہاسٹل میں رہوں گی۔۔" وہی لٹھ مار انداز، یہ فیصلہ اس نے ابھی کھڑے کھڑے لیا تھا۔ سنجیدگی سے کہہ کر وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ سب کو اس کا انداز برا لگا مگر اس وقت کوئی بھی کچھ بھی کہنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ لہذا دونوں گاڑیاں گھر کے گیٹ سے نکلتی چلی گئی۔ مرزا صاحب جو کہ سٹڈی روم کی کھڑکی کے پاس کھڑے تھے یہ سب منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور انہیں زینیا ماہا اور غازان کو ایک ہی گاڑی میں گھر سے نکلتے دیکھ کر حیرت ہوئی تھی۔

انہوں نے سرفراز کو کال کر کے ان سب کے جانے کی وجہ پوچھی تو اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ جس پر انہوں نے برہمی سے دونوں گاڑیوں کا پیچھے کرنے اور انہیں جلد سے جلد معلومات دینے کا حکم دیا۔

پیچھے مرزا صاحب کے چہرے پر الجھن، غصہ اور پریشانی تینوں تاثرات واضح تھے۔ غصہ زینیا اور ریحام کی وجہ سے تھا، الجھن یہ تھی کہ اب یہ سب لوگ کہاں جا رہے ہیں اور پریشانی ریحام کی تھی۔ وہ جانتے تھے وہ ان کی سب سے ضدی اولاد ہے۔ اگر وہ اب گئی ہے تو واپس نہیں آئے گی۔ انہیں پچھتاوا ہوا۔ ہاں پر ہاتھ نہیں اٹھانا چاہیے تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ان دونوں کے درمیان بہت سے فاصلے آ گئے ہیں۔ ایک وقت تھا جب مرزا صاحب اور ریحام یک جان دو قالب ہوتے تھے اور آج۔۔۔ وقت سب کے لیے ایک سا نہیں رہتا یہ تو ایک پانی کا بلبلا ہے۔ ایسا نہیں تھا اچھا وقت نہیں آیا تھا۔ اچھا وقت بھی تھا مگر برے وقت کی تاثیر زیادہ تھی۔

اس وقت حذیفہ ہسپتال کے آئی سی یو کے باہر بینچ پر سر جھکائے ہاتھوں کی انگلیوں ایک دوسرے میں پیوست کیے بیٹھا تھا، کہ دور سے تین افراد اس کی طرف بڑھ رہے تھے یقیناً وہ ماہا، زینیا اور غازان تھے۔ غازان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو اس نے چونک کر سر اٹھایا اور ان تینوں کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا۔

"کیا ہوا آپی کو؟" ماہا کے انداز میں بے چینی تھی۔ جبکہ زینیا اور غازان کے چہروں پر بھی یہی سوال تھا۔

"مائیگرین اٹیک۔۔" یک لفظی جواب کے بعد خاموشی

جبکہ وہ تینوں حیرت سے بت بنے کھڑے تھے۔ ان میں سے کسی کو بھی نہیں معلوم تھا کہ ریحام کو مائگرین ہے۔ زین کو تو معلوم ہی نہیں تھا لہذا اسے لگ رہا تھا جیسے یہ سب کچھ اس کی وجہ سے ہوا ہو۔

مگر اب وہ کیسی ہے؟ بالا اخر زینیا نے خاموشی توڑی۔ اس کے بولنے پر ماہا نے ایک ناگوار نظر اس پر ڈالی۔ اس کی وجہ سے اس کی بہن اس حالت میں تھی۔

"نکلو یہاں سے تم یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا ہے۔

"ماہا نے قہر برساتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے دھکا دیا۔

ماہا بیہیو یہ کیا بد تمیزی ہے؟ وہ بہن ہے تمہاری، ایسے ہی جیسے آپی ہیں۔ غازان نے اس کی حرکت پر ناگواری سے اسے ٹوکا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر زینیا سے دور کیا۔

ماہا اور زینیا تقریباً ہم عمر ہی معلوم ہو رہی تھیں۔

آپ کو اپنی سگی بہن سے زیادہ اس سوتیلی کی فکر ہے۔ ماہا کے لہجے میں رنج اور حقارت تھی۔

"خاموش!" ابھی غازان کچھ کہتا کہ حذیفہ کی دھاڑ سے ان کی زبانوں کو بریک لگی۔ وہ دونوں یکدم خاموش ہو گئے۔ زینیا تو پہلے سے ہی ریحام کی وجہ سے پریشان تھی، اب ان دونوں کو بھی اپنی وجہ سے لڑتے دیکھ کر وہ بوکھلا گئی، اور اب حذیفہ کی دھاڑ وہ ان سب کے مزاج اور رویوں سے لاعلم تھی۔ مگر پھر بھی پریشان نظر آ رہی تھی۔ البتہ غاذان اور ماہا دم سادھ گئے۔ انہوں نے کبھی بھی حذیفہ کو کسی سے سختی سے بات کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا اور اب اچانک سے اس قدر غصہ؟

قصور حذیفہ کا بھی نہیں تھا انسان پریشانی میں اپنے مزاج کے برعکس رویہ اختیار کر لیتے ہیں لہذا یہ سب فطری تھا۔

تم دونوں جانتے تھے ریحام کے مائگرین کے بارے میں؟ حذیفہ نے ان تینوں کو سہم سے دیکھ کر گہری سانس بھری اور پھر ماہا اور غازان سے مخاطب ہوا۔

ان دونوں کی گردنیں نفی میں ہلیں اور حذیفہ کے ساتھ ساتھ زینیا بھی حیران ہوئی۔ وہ اپنی بہن کی بیماری کے بارے میں ہی لاعلم تھے؟

تم لوگوں کے ماما بابا؟ اب کے وہ جواب جانتا تھا جواب کیا ہو گا مگر پھر بھی کسی امید کے تحت پوچھ لیا مگر ان کی نفی میں ہلتے سر دیکھ کر وہ امید بھی ختم ہو گئی، اور زینیا وہ بھی بے یقینی سے ان کے چہرے دیکھ رہی تھی جو ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی اپنی بہن کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے تھے۔

تم لوگ ایک ہی گھر میں رہ کر بھی یہ سب نہیں جانتے آخر کار زینیا نے اپنے خیالات کو الفاظ دیے۔

آپی کبھی بھی کسی کے ساتھ گھلتی ملتی نہیں ہیں۔ وہ اپنی چیزیں اور باتیں کسی کو نہیں بتاتیں۔ کسی کے ساتھ شیئر نہیں کرتیں۔ غازان نے اس کی حیرت بھرے سوال کے جواب میں کہا۔

اب کیا کہتے ہیں ڈاکٹر؟ ماہا جو کب سے خاموش کر رہی تھی بالآخر حذیفہ سے مخاطب ہوئی۔

طبیعت اب سیٹل ہے دوائیوں کے زیر اثر ہے کچھ دیر میں ہوش آجائے گا۔ حذیفہ نے سنجیدگی سے نظریں غیر مرئی نقطے پر نظر جمائے جواب دیا۔ اس کا جواب سن کر ان تینوں نے شکر ادا کیا۔

کچھ لمحے خاموشی کے سرکے پھر اس خاموشی کو حذیفہ کی آواز نے توڑا۔

وہ ایسی کیوں ہے؟ ایک پل میں اتنی اپنی اور دوسرے پل میں اتنی انجان؟ وہ براہ راست غازان سے مخاطب ہوا۔

بہت کچھ کھویا ہے میری بہن نے بہت ہمت والی ہے۔ کہتے ہوئے اس کی اواز میں نمی گھلی۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

فاروق مرزا اور رضوانہ بیگم کی تین اولادیں تھیں سب سے بڑے شہریار مرزا، ان سے چھوٹی فارحہ مرزا اور سب سے چھوٹے حمدان مرزا، تینوں اولادیں ہی ذہانت اور خوبصورتی میں باپ پر تھیں۔ فاروق مرزا دھیمے اور سلجھے مزاج کے آدمی تھے۔ جبکہ ان کی بیگم ذرا سخت اور مغرور مزاج کی تھیں۔ ان کا تعلق بھی مرزا خاندان سے ہی تھا، لہذا خاندان کے اثر ورسوخ کا انہیں بہت غرور تھا۔ شہریار مرزا کی شخصیت اپنی ماں رضوانہ جبکہ فارحہ اور حمدان دونوں ہی دھیمے مزاج کے تھے۔ شہریار مرزا کا مزاج زیادہ مغرورانہ اور شاہانہ تھا۔ وہ کافی ضدی اور جذباتی طبیعت کے مالک تھے۔ یونیورسٹی میں قدم رکھا تو وہاں کی دنیا میں ان کے دل کو جمیلہ ہاشم خان بھا گئیں۔ وہ اسلام آباد سے لاہور تعلیم حاصل کرنے کے لیے آئی تھیں۔ شہریار مرزا کو پسند آیا تھا ان کا خود کے جیسا انداز، متاثر کن شخصیت اور دلکش حسن، سب کچھ تو تھا جمیلہ بیگم کے پاس۔ جمیلہ کو بھی وہ پسند تھے۔ وقت گزرتا گیا اور وہ ایک دوسرے کے ساتھ اس قدر انوالو ہو چکے تھے کہ ایک دوسرے کے بغیر رہنا ان کے لیے ناممکن تھا۔ مگر انہی دنوں رضوانہ بیگم کو رقیہ بیگم کسی شادی پر پسند آ گئیں۔ وہ ہر حال میں بس انہیں بہو بنانا چاہتی تھیں۔ جب انہوں نے شہریار مرزا سے بات کی تو وہ ہتھے سے اکھڑ گئے اور انہیں بتایا کہ وہ کسی اور کو پسند کرتے ہیں۔ مگر وہ کسی طور پر راضی ہونے کو تیار نہیں تھیں۔ دوسری طرف جمیلہ بیگم نے بھی انہیں پریشان کر رکھا تھا کہ ان کے رشتے آ رہے ہیں، اپنا رشتہ بھیجیں۔۔ وہ بس کراہ کر رہ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے دوست سے مشورہ کیا تو اس نے یہی کہا کہ دونوں سے کر لو اور ایک خفیہ رکھ لو۔ وہ اس قدر پریشان تھے کہ اس وقت کے انہیں یہی حل بہترین لگا۔ مگر اسی دن جمیلہ ہاشم خان کو سب علم ہو گیا۔ وہ غصے میں آ گئیں اور اس اور غصے میں ہر تعلق توڑ دیا۔ وہ ایسی ہی تھیں جذبات میں آ کر فیصلے کرنے والیں۔ شہریار مرزا بھی خاموش ہو گئے تھے۔ جس کے لیے وہ ماں سے لڑ رہے تھے، جب وہی چلی گئی تھی، تو پیچھے کیا بچا تھا۔ لہذا انہوں نے رقیہ بیگم سے شادی کے لیے حامی بھر دی۔ جمیلہ بیگم ایسے گئیں کہ پھر کبھی واپس نہ لوٹیں۔ شہریار مرزا نے کئی بار رابطے اور ڈھونڈنے کی

کوشش کی مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ ان کی شادی رقیہ بیگم کے ساتھ ہو گئی، مگر وہ انہیں وہ درجہ نہ دے سکے، جو ایک بیوی کا ہوتا ہے۔ وہ دھیمے مزاج کی تھیں مگر آخر کب تک وہ ان کا سرد رویہ، بے رخی، بے اعتباری برداشت کرتیں؟ انہوں نے ہر طرح انہیں قائل کرنے کی کوشش کی محبت، غصہ، دھونس ،ناراضگی، خفگی مگر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ نہیں سمجھ سکتے تھے۔ وہ ایک عورت ہے اس کے کچھ ارمان ہیں، کچھ جذبات ہیں۔ اسی سب میں ریحام کے آنے کی خبر آئی تو وہ بہت خوش رہنے لگے تھے اور رقیہ بیگم کا بھی خیال رکھنے لگے تھے۔ مگر ریحام کی آمد کے بعد وہ جیسے پھر سے انہیں بھول گئے، صرف ریحام تھی اور بس ریحام تھی۔ لاڈ، ناز، نخرہ کیا تھا جو انہوں نے ریحام کا نہیں اٹھایا تھا؟ کبھی کبھی رقیہ بیگم کی برداشت جواب دے جاتی تھی تو وہ رونے لگتی تھیں۔ کیسا انسان تھا اولاد کے آتے ہی اس کے وسیلے کو بھول گیا تھا۔ وقت گزرتا گیا، پانچ سال گزر گئے فارحہ کی شادی ہو گئی، حمدان میجر بن گیا، شہریار مرزا کی دنیا بس ریحام تھی اور رقیہ بیگم؟ وہ اپنی ہی اولاد سے چڑنے لگی تھیں۔ اگر کچھ ان تینوں کی زندگی میں بدلا تھا تو وہ غازان کی آمد تھی۔ مگر اس کے بعد بھی شہریار مرزا کی ریحام سے محبت میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ محبت وہ غازان سے بھی اتنی ہی کرتے تھے۔ مگر ریحام پہلا احساس تھا اور جو انسان پہلی دفعہ میں محسوس کر سکتا ہے وہ ہر بار کہاں کر سکتا ہے؟ پہلی چیز ہمیشہ ہی عزیز تر ہوتی ہے۔ انہیں بھی تھی اس سب میں فرق یہ تھا کہ رقیہ بیگم جو ریحام سے چڑھنے لگی تھیں، اب خاموش ہو گئی تھیں۔ انہیں غازان مل گیا تھا۔ وہ اپنا وقت اس کے ساتھ گزارتی تھیں اور ریحام کو تو جیسے وہ پیدا کر کے بھول گئی تھیں۔ ریحام جب انہیں غاذان کے ساتھ دیکھتی، اس کی آنکھوں میں حسرت امڈ آتی۔ پہلے پہل تو وہ ان کے پاس جانے کی کوشش کرتی تھی، مگر ان کا بلاوجہ ڈانٹنا اور خود سے دور رکھنے کی وجہ سے وہ ان کے پاس جانا چھوڑ چکی تھی۔ وہ پانچ سال کی تھی۔ سکول میں جب بچوں کو اپنی ماں کے ساتھ آتے دیکھنا، اپنی ماں کی باتیں کرنا لنچ ماں کے ہاتھوں کا لے کر آنا تو اسے بہت زیادہ برا لگتا تھا کہ اس کی ماں یہ سب کچھ اس کے لیے کیوں نہیں کرتی؟ وہ اپنے ددیال

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

میں سب کی لاڈلی تھی۔ چاچو، پھپھو، دادو، دادا مگر ماں کی کمی کون پوری کر سکتا ہے؟ وہ سب بھی رقیہ بیگم کا رویہ ریحام کے ساتھ محسوس کرتے تھے اور اسی لیے کوشش کرتے تھے ریحام کو کچھ برا نہ لگ جائے۔

غازان تو چھوٹا تھا، وہ یہ سب باتیں ابھی محسوس نہیں کر سکتا تھا۔ مگر پیار وہ سب اس سے بھی بہت کرتے تھے۔ پھر ایک دن دوپہر کے وقت ریحام سکول سے واپس اکر کافی تھک چکی تھی۔ اس لیے سونے چلے گئی۔ سو کر اٹھی تو گھر میں کوئی نہ تھا۔ باپ اور چاچو تو ویسے بھی اپنے کاموں پر ہوتے تھے۔ مگر دادا، دادی اور ماں بھی غائب تھے، اسی لیے وہ اٹھ کر باہر آگئی جہاں غازان کو ملازمہ سنبھال رہی تھی۔ غازان کو دیکھ کر اس کی آنکھیں چمکیں۔ رقیہ بیگم خود کے قریب نہیں آنے دیتی تھیں اور غازان ہوتا ہی ہر وقت ان کے پاس تھا لہذا جب باپ پیار کرنے کے لیے اسے اٹھاتا تو تب ہی اسے موقع ملتا تھا بھائی کو پیار کرنے کا، غازی میرے بھائی کیسے ہو؟ ریحام چہک کر اس کے قریب آئی۔ غازان جو کب سے کسی اپنے کو نہ پا کر سہم کر رو رہا تھا۔ بہن کو دیکھ کر ہاتھ پاؤں مار کر اس کی طرف جانے کی کوشش کی۔ وہ ایک سال کا تھا اور ریحام خود پانچ سال کی، بمشکل اسے اٹھا کر صوفے پر بیٹھی اور اس کے ساتھ کھیلنے لگی۔ ابھی کھیلتے ہوئے کچھ وقت ہی گزرا تھا کہ بھوک کا احساس جاگنے لگا۔ ملازمہ کو کھانے کا کہہ کر اب احساس ہوا تھا کہ باقی سب کہاں ہیں۔

آنٹی سب کہاں ہیں؟ معصوم صورت پر سوالیہ انداز کا تاثر تھا۔

بیٹا دادا، دادی باہر گئے ہیں اور آپ کی ماما اپنی کسی دوست کے گھر۔ ملازمہ نے بتایا اور جھٹ کچن کی طرف بڑھ گئی تاکہ اس کی بھوک کا انتظام کر سکے۔

اب ریحام تھی اور اس کا بھائی تھا اور وہ خوب سارے لاڈ کر رہے تھے۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

تقریبا آدھے گھنٹے تک وہ پیٹ پوجا کر کے دوبارہ سے کھیل رہے تھے کہ اچانک سے باہر گاڑی کا ہارن بجا۔ ریحام کو محسوس ہوا جیسے شہریار مرزا کی گاڑی ہے۔ وہ بھائی کو اٹھا کر باہر کی طرف بھاگی۔ ملازمہ بھی اس کے اس طرح بھاگنے پر گھبرا گئی۔

بابا بابا دیکھیں اج میں نے اور غازی نے کتنا انجوائے کیا ہے۔ وہ چہک کر باہر آئی اور یہ دیکھیں بغیر کہ گاڑی میں کون ہے، بولنا شروع کر چکی تھی۔ وہ پورچ کی طرف بڑھنے کے لیے سیڑھیاں اتر رہی تھی کہ اچانک غاذان کو اٹھانے کی وجہ سے اس کا پاؤں مڑا اور وہ غاذان سمیت گر پڑی۔ گاڑی سے نکلتے رقیہ بیگم منظر دیکھا تو دہل پڑی غاذان نیچے گرا رو رہا تھا اور اس کے اوپر ریحام گری ہوئی تھی۔ ملازمہ بھی بوکھلا گئی۔

رقیہ بیگم تیزی سے ہم دونوں کی طرف بڑھیں۔ انہوں نے ریحام کو اٹھا کر پیچھے کیا مگر وہ خود کو سنبھال نہ پائی۔ جبکہ رقیہ بیگم غازان کو سینے سے لگا چکی تھیں۔ رقیہ بیگم کی نظر ریحام پر پڑی تو ان کا دل دہل گیا ریحام کے سر سے خون بہہ رہا تھا۔ یقیناً وہ پیچھے سیڑھیوں کی طرف گری تھی۔ رقیہ بیگم یکدم گھبرا گئیں۔ وہ بھی ان کے وجود کا حصہ تھی انہوں نے غازان کو ملازمہ کو پکڑایا اور ریحام کی طرف دیوانہ وار دوڑیں۔

ریحام میری بچی! پہلی بار ان کے لہجے میں ممتا والی تڑپ تھی۔ حمدان جو کہ ان کے پیچھے ہی گھر میں داخل ہوا تھا، یہ سب دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ اچانک سے ہوش میں آتے ریحام کو اٹھاتے ہوئے گاڑی میں ڈالا اور گاڑی ہاسپٹل کی طرف بڑھا دی جبکہ ملازمہ، غازان اور رقیہ بیگم جو گاڑی میں بیٹھنے ہی والی تھی اسے خود سے ہی نکلتے دیکھ کر انہوں نے دوسری گاڑی ان کے پیچھے لگا دی۔

تقریبا تین گھنٹے بعد وہ لوگ ریحام کو لے کر ہسپتال سے گھر واپس آئے تھے۔ اس کے سر پر پٹی تھی۔ ریحام کچھ زیادہ ہی سہم چکی تھی۔ حمدان بھی اب تک خاموش تھا۔ گھر آتے ساتھ ہی فاروق صاحب اور رضوانہ بیگم سے سامنا ہوا تو وہ خود ریحام کے سر پر پٹی دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ رقیہ بیگم پریشان سی

تھیں س۔ رقیہ بیگم نے ایک دو دفعہ ریحام کے پاس جانے کی کوشش کی تو اس نے سہم کا رونا شروع کر دیا۔ حمدان اسے سنبھال رہا تھا، مگر اب اس کی صرف ایک ہی رٹ تھی۔

"بابا پاس جانا ہے۔"

رقیہ شہریار مرزا کا خیال آتے ہی پریشان ہو گئیں نہ جانے وہ کیسا رد عمل دیں؟

اس کی ضد پر حمدان نے شہریار مرزا کو فون ملا کر مختصر سب کچھ بتا دیا جس پر وہ بیس منٹ میں بھاگے بھاگے گھر آئے اور وہ سیدھا ریحام کے کمرے میں آئے تھے جہاں حمدان اسے گود میں لیے ہوئے تھا۔

"بابا۔۔ بابا۔۔" باپ کو دیکھ کر ریحام اس کے پاس جانے کو مچلی۔

میرا بچہ کیا ہوا کس نے مارا ہے میرے بچے کو؟ ریحام کو اس حالت میں دیکھ کر وہ تڑپ اٹھے تھے۔ زردی مائل چہرہ اور سر پر پٹی۔

"ماما نے۔۔" اس نے باپ کی گردن میں چہرہ چھپائے روتے ہوئے کہا تو شہریار مرزا اور سب باقی سب سوائے حمدان کے حیرت سے رقیہ بیگم کو دیکھنے لگے تو وہ گھبرا گئیں۔

بھائی اپ ریحام کو سلا دیں پھر بات کرتے ہیں۔ حمدان نے معاملہ فہمی سے کام لیا۔

شہریار مرزا خاموش ضرور ہو گئے تھے البتہ ان کے دماغ میں ریحام کی کہی باتیں چل رہی تھیں۔

حمدان نے بہت تحمل سے اسے سب کچھ بتا دیا تھا۔ جس کے بعد وہ رقیہ بیگم پر خوب گرجے، بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ میں تمہیں اپنی اولاد کی وجہ سے برداشت کر رہا ہوں۔ اگر آئندہ ایسا کچھ ہوا تو تمہیں چھوڑنے میں ایک سیکنڈ نہیں لگاؤں گا۔ جس پر رقیہ بیگم دکھ سے انہیں دیکھ کر رہ گئیں۔ ریحام تو اس واقعے کے بعد رقیہ بیگم سے دور دور ہی رہتی تھی۔ اس واقعے کے بعد رقیہ بیگم غاذان سے بھی دور دور رہنے لگی تھیں۔

شہریار مرزا نے نہ صرف خود کے ساتھ غلط کیا بلکہ رقیہ بیگم کے ساتھ بھی غلط کیا اور اپنی نسل کے ساتھ

بھی غلط کیا۔ اگر وہ نبھا نہیں سکتے تھے تو انہیں شادی کرنے کو کس نے کہا تھا؟ عورت کو عزت اور محبت نہیں دے سکتے تھے، ان کا حق، ان کا درجہ نہیں دے سکتے تھے تو کیوں شادی کی؟ شہریار مرزا رقیہ بیگم کو ان کا حق نہیں دے رہے تھے اور رقیہ بیگم شہریار مرزا کی نسل کو ان کا حق نہیں دے رہی تھیں۔ یہی زندگی ہے انسان بڑا خود غرض ہے۔ وہ دوسروں کو وہی دیتا ہے جو اسے ملتا ہے۔ اسی طرح عورت بھی بڑی خود غرض ہے اپنی اولاد کو وہی دیتی ہے جو اس کا شوہر اسے دے رہا ہوتا ہے اور عورت کو محبت عزت اور مان ملے گا تو وہ اپنی اولاد کو بھی یہی دے گا اگر اسے گالی دھتکار اور سخت رویہ سننے کو ملے گا تو وہ اپنی اولاد کو بھی وہی سنائے گی۔

وقت نے پھر پلٹا کھایا اور شہریار مرزا کی ملاقات جمیلہ بیگم سے ہوئی۔ جن جذبات کو پانچ سالوں سے وہ دفن کرنا چاہ رہے تھے۔ وہ سب تہس نہس ہو گیا تھا اور وقت اور دل انہیں پھر اسی دور میں لے گیا تھا جہاں وہ ہر چیز سے بے نیاز ایک دوسرے میں گم ہوتے تھے۔ وقت انہیں پھر ادھر لے ایا تھا اور وہ بھی سمجھ بیٹھے تھے کہ وہ آج بھی ویسے ہی ہیں۔ مگر اب وہ دونوں کسی اور کی امانت تھے۔ دونوں کسی اور کے نکاح میں تھے۔ مگر انہوں نے امانت میں خیانت کی اور جو کسی اور کی امانت میں خیانت کرتے ہیں، وہ ذلیل وخوار ہو جاتے ہیں۔ وقت گزرنے لگا تیز رفتاری سے اور دیکھتے ہی دیکھتے دو سال گزر گئے۔ جمیلہ بیگم نے طلاق لے کر شہریار مرزا سے خفیہ شادی کی کیونکہ وہ جانتی تھیں، دانیال خان کبھی بھی دو بچوں کے باپ سے ان کی شادی نہیں کریں گے اور وہ خود اپنے ضمیر کو یہی بتاتیں کہ وہ مجبور تھیں۔

جب انسان غلط کرتا ہے تو وہ خود کو یہی کہہ کر بہلا لیتا ہے کہ وہ مجبور تھا۔ وہ بھی یہی کر رہی تھیں۔ ان دو سالوں میں بہت کچھ بدلنے لگا تھا وقت ایک سا کب رہتا ہے محبت نے ان دونوں کو اتنا اندھا کر دیا تھا کہ وہ

کچھ بھی نہیں دیکھ پا رہے تھے ان دو سالوں میں شہریار مرزا گھن چکر بن گئے تھے۔ دو بیویاں، دو گھر حمدان کے حصے کا کام کیونکہ وہ میجر تھا اور رہی سہی کسر ماہا اور زینیا کی ایک مہینے کے فرق سے پیدائش تھی۔ ان سب میں شہریار مرزا سے کچھ نظر انداز ہوا تھا تو وہ ریحام تھی۔ ماں تو پہلے ہی وقت نہیں دیتی تھی اور اب باپ بھی مصروف رہنے لگا تھا وہ اس سب میں پس کر رہ گئی تھی اور ہر وقت اداس رہتی تھی انہی دنوں میں حمدان نے یہ محسوس کیا۔ وہ ان دنوں چھٹیوں میں آیا ہوا تھا، لہذا اس نے ریحام کو وقت دینا شروع کر دیا اور اسے اس وقت پیار اور توجہ کی ضرورت تھی۔ لہذا وہ حمدان کے ساتھ زیادہ قریب ہو گئی یہ نہیں تھا کہ شہریار مرزا اسے بھول گئے تھے مگر کوشش کے باوجود مشکل پیش آتی تھی۔ جب بھی اس کے ساتھ دو گھڑی وقت گزارنے لگتے تو انہیں پہلے ریحام کو منانا پڑتا تھا۔ اسی سب میں وہ حمدان کے زیادہ قریب ہو گئی تھی۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ وہ خود میجر تھا اسے ڈیوٹی پر جانا ہوتا تھا جس وجہ سے ریحام کے حصے میں زیادہ تر انتظار ہی آتا تھا۔ مگر وہ حمدان کے ساتھ کافی خوش رہتی تھی۔ بچے بھی اب رقیہ بیگم اور شہریار مرزا کی ایک دوسرے سے سرد مہری محسوس کرنے لگے تھے۔

وقت پھر پانچ سال آگے چلا گیا تھا اور ریحام بارہ سال کی ہو گئی تھی۔ دادا دادی اس عرصے میں دنیا سے چلے گئے تھے اور وہ اس قدر حمدان کے ساتھ اٹیچڈ ہو چکی تھی کہ ہر وقت بس اس کے پاس رہنے کی ضد کرتی تھی۔ جس پر اس نے بمشکل سے یہ کہہ کر اسے بہلا لیا تھا کہ جب میری شادی ہو گی، آپ تب میرے اور اپنی چاچی کے ساتھ رہ سکتی ہو۔ جس پر اس نے جھٹ سے مشورہ دیا کہ آپ شادی کر لو بڈی۔ جس کو سن کر حمدان خوب ہنسا۔ مگر پھر اس کو ٹالنے کے لیے یہ کہہ دیا کہ میں اس بار آؤں گا تو شادی کر لوں گا۔ پھر آپ ہمیشہ کے لیے اپنے چاچو چاچی کے پاس رہ لینا۔ جس پر وہ خوش ہو گئی تھی اور خوشی خوشی اسے ڈیوٹی کے لیے جانے دیا۔ ورنہ وہ اکثر اس کے جانے پر بہت شور مچاتی تھی۔ مگر قسمت کو کچھ اور منظور تھا۔ اس

بار وہ گیا تو واپس نہ آیا اور اس کا جنازہ گھر کی دہلیز پر آ گیا تھا۔ اس نے شہادت پائی تھی۔ یہ سب گھر والوں کے لیے ایک بہت بڑا دھچکا تھا۔ جوان میت تھی ہر آنکھ نم تھی۔ ریحام کی حالت بہت خراب تھی۔ ماہا تو ابھی اس سب کو محسوس ہی نہیں کر سکتی تھی البتہ غاذان اداس اداس سا تھا مگر وہ جلد سنبھل گیا تھا۔ وہ بہت چھوٹے تھے۔ وہ اس نقصان کو سمجھ نہیں پا رہے تھے مگر ریحام وہ بہت رو رہی تھی۔ اس کو سنبھالنا مشکل ہوتا جا رہا تھا۔ اسے یاد تھا چاچو نے کہا تھا اس بار وہ آئیں گے تو اسے اپنے ساتھ رکھ لیں گے۔ مگر اب تو وہ تو اس سے ہمیشہ کے لیے چھوڑ گئے تھے کبھی نہ انے کے لیے وہ بہت خاموش رہنے لگی تھی ایک دم سے اس کے اندر بچپنا ختم ہو گیا تھا۔ ہر وقت خاموش اور سنجیدہ رہنا، اپنی صحت کا خیال نہ رکھنا۔ شہریار مرزا نے بھائی کو کھویا تھا اب بیٹی کی یہ حالت دیکھ کر وہ تڑپ اٹھتے تھے۔ بیٹی بھی وہ جسے انہوں نے لاڈوں سے پالا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر رقیہ بیگم کی ممتا بھی تڑپ اٹھتی وہ بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے سنبھالنے کی کوشش کرتیں، مگر وہ انہیں خود کے قریب ہی نہیں آنے دیتی تھی۔ شہر مرزا کے پاس بیٹھ کر تو پھر رو کر اپنا دل ہلکا کر لیتی تھی۔ چاچو کی شکایت بھی کرتی تھی کہ انہوں نے کہا تھا کہ اب وہ آئیں گے تو اپنے ساتھ رکھیں گے اور اب وہ خود چلے گئے۔ شہریار مرزا اسے سنبھالتے سنبھالتے خود آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ بیٹی کے آنسو کہاں چین لینے دیتے تھے۔ اس واقعے کے بعد اگر کوئی فرق آیا تھا تو وہ ریحام کی شخصیت میں آیا تھا وہ سنجیدہ اور کافی حد تک ضدی ہو گئی تھی۔ شہریار مرزا نے اسے سب سے نکالنے کے لیے پھر سے خود سے قریب کر لیا تھا۔ مگر اس سب میں وہ یہ سب بھول گئے تھے۔ اب صرف رقیہ بیگم ہی نہیں جمیلہ بیگم بھی ان کی زندگی میں ہیں اور وہ یہ سب نظر انداز نہیں کر سکتیں۔ ان کی شخصیت جس طرح کی تھی وہ خود کا نظر انداز کیا جانا برداشت ہی نہیں کر سکتی تھیں۔ شہریار مرزا نے کافی مرتبہ ریحام کی طبیعت کے بارے میں بتایا۔ پہلے پہل تو وہ خاموش ہو گئیں مگر جب وہ اسلام آباد کم جانے لگے تو وہ ہتھے سے اکھڑ گئیں اور ریحام سے چڑنے لگی تھیں۔ جب سگی ماں اس سب سے چڑھ سکتی تو وہ تو پھر سوتیلی

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

تھیں۔ اور ویسے بھی رشتوں میں توازن رکھنا چاہیے۔ ان کے لیے، وہ بہت خاموش رہنے لگی تھی ایک دم سے اس کے اندر بچپنا ختم ہو گیا تھا۔ ہر وقت خاموش اور سنجیدہ رہنا، اپنی صحت کا خیال نہ رکھنا۔ شہریار مرزا نے بھائی کو کھویا تھا اب بیٹی کی یہ حالت دیکھ کر وہ تڑپ اٹھتے تھے۔ بیٹی بھی وہ جسے انہوں نے لاڈوں سے پالا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر رقیہ بیگم کی ممتا بھی تڑپ اٹھتی وہ بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر اسے سنبھالنے کی کوشش کرتیں، مگر وہ انہیں خود کے قریب ہی نہیں آنے دیتی تھی۔ شہر مرزا کے پاس بیٹھ کر تو پھر رو کر اپنا دل ہلکا کر لیتی تھی۔ چاچو کی شکایت بھی کرتی تھی کہ انہوں نے کہا تھا کہ اب وہ آئیں گے تو اپنے ساتھ رکھیں گے اور اب وہ خود چلے گئے۔ شہریار مرزا اسے سنبھالتے سنبھالتے خود آبدیدہ ہو جاتے تھے۔ بیٹی کے آنسو کہاں چین لینے دیتے تھے۔ اس واقعے کے بعد اگر کوئی فرق آیا تھا تو وہ ریحام کی شخصیت میں آیا تھا وہ سنجیدہ اور کافی حد تک ضدی ہو گئی تھی۔ شہریار مرزا نے اسے سب سے نکالنے کے لیے پھر سے خود سے قریب کر لیا تھا۔ مگر اس سب میں وہ یہ سب بھول گئے تھے۔ اب صرف رقیہ بیگم ہی نہیں جمیلہ بیگم بھی ان کی زندگی میں ہیں اور وہ یہ سب نظر انداز نہیں کر سکتیں۔ ان کی شخصیت جس طرح کی تھی وہ خود کا نظر انداز کیا جانا برداشت ہی نہیں کر سکتی تھیں۔ شہریار مرزا نے کافی مرتبہ ریحام کی طبیعت کے بارے میں بتایا۔ پہلے پہل تو وہ خاموش ہو گئیں مگر جب وہ اسلام آباد کم جانے لگے تو وہ ہتھے سے اکھڑ گئیں اور ریحام سے چڑنے لگی تھیں۔ جب سگی ماں اس سب سے چڑھ سکتی تو وہ تو پھر سوتیلی تھیں۔ اور ویسے بھی رشتوں میں توازن رکھنا چاہیے۔ ان کے لیے وہ کچھ بھی نہیں تھی۔ اس سب میں شہریار مرزا پس جاتے۔ ریحام بمشکل ہی صحیح مگر کچھ حد تک سنبھل چکی تھی۔ اس نے دوبارہ سے سکول شروع کر لیا تھا اس کے ٹیچرز کو اس معاملے کے بارے میں اگاہ کیا گیا تھا کہ وہ اس پر خاص توجہ دیں۔ وہ دے بھی رہے تھے، مگر فرق نظر نہیں آ رہا تھا۔ مرزا صاحب دوبارہ اپنے کاموں اور روٹین میں مصروف ہو گئے تھے۔ مگر اب یہ تھا کہ وہ ریحام، ماہا اور غازان کے لیے وقت نکال لیتے تھے۔ مگر اس سب میں اگر

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

کوئی ماں اور باپ دونوں کی محبت سے محروم رہا تھا تو وہ زینیا تھی۔ زینیا کے لیے ماں اور باپ صرف مہینے میں ایک ہفتے کے لیے ہی ہوتے تھے۔ جب شہریار مرزا اسلام آباد اتے تبھی جمیلہ بیگم کسی ٹرپ کے بہانے سے دوسرے گھر آجاتی تھیں۔ شہریار مرزا زینیا سے بھی بہت محبت کرتے تھے۔ وہ انہیں بہت عزیز تھی۔ اولاد کس کو عزیز نہیں ہوتی؟ وہ تو چاہتے تھے کہ یہ بات سب کو بتادی جائے، مگر جمیلہ بیگم کو معاشرے اور اپنے بھائی کے سامنے ایک بھرم رکھنا تھا، پھر آگے چل کر مرزا صاحب اس معاملے کو ڈسکلوز نہ کر سکے۔ مگر وہ دونوں بھول چکے تھے کہ اسے بڑا بھی ہونا ہے۔ اس کے ذہن میں یہ سوال ابھریں گے اور گرہیں لگنی شروع ہو جائیں گی۔ انہیں کون کھولے گا؟ زینیا کی زندگی کبھی بھی نارمل نہیں رہی تھی اور اس سب کا اس کے ذہن پر کافی اثر پڑتا تھا۔ مگر وہ ظاہر نہیں کرتی تھی اور اس سب میں عرفان دورانی کی دوستی شہریار مرزا سے ہوئی ان کے تعلقات بڑھنے لگے جس کی بنا پر گہری دوستی ہو گئی۔ دوستی کے چکر میں شہریار مرزا سب انہیں بتاتے گئے۔ اپنی دوسری شادی اور باقی سب کے بارے میں، ایک روز وہ اسلام آباد آئے ہوئے تھے تو انہیں بھی اپنے ساتھ گھر لے آئے۔ عرفان درانی ایک بدنیت انسان تھا۔ وہ دس سالہ زینیا کو دیکھ کر بدنیت ہو گیا تھا۔ اس نے موقع دیکھ کر زینیا کو (Harass) کرنے کی کوشش کی تو اس نے بری طرح سے شور مچانا شروع کر دیا۔ شہریار مرزا جو کہ فون سننے کے لیے باہر گئے تھے اس کے چلانے پر دوڑے ہوئے آئے۔ وہ ان کے سینے سے لگ کر بری طرح سے رونے لگی۔ درانی بوکھلا گیا۔ درانی نے کہا کہ مجھے دیکھ کر گھبرا گئی ہے۔ مگر مرزا صاحب اپنی اولاد اپنے خون سے واقف تھے۔ وہ بزدلوں میں سے نہ تھی کہ گھبرا جائے۔ کسی اجنبی کو دیکھ کر رونے لگے۔ وہ سرد نظروں سے درانی کو دیکھتے رہے جس کے چہرے پر ہلکی ہلکی گھبراہٹ تھی انہیں جیسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ انہیں احساس ہوا کہ انہوں نے ایک غلط انسان سے دوستی کر لی ہے اور غلط انسان کو گھر میں داخل کر لیا جائے تو وہ بھیڑیوں کی طرح مہمان ہونے کا لحاظ کیے بغیر شکار کرنا شروع کر دیتا ہے۔ درانی وہاں سے چلا گیا تو مرزا صاحب نے ملازمہ اور جمیلہ

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

بیگم پر کافی برسے وہ بچے نہیں تھے۔ مگر پھر بھی وہ ایک مرتبہ لاؤنج کی فٹیج دیکھ چکے تھے۔ جس پر ان کا خون خول اٹھا تھا۔ جسے وہ دوست سمجھ رہے تھے تو وہ دوست بنانے جانے کے قابل ہی نہیں تھا۔ شہریار مرزا نے خاموشی سے اپنے راستے اس سے الگ کر لیے کیونکہ اگر یہ بات اچھلے لے گی تو دشمنی نسلوں تک چلے گی۔ وہ جانتے تھے درانی کس قسم کا انسان ہے اور کس قدر گھٹیا سوچ کا مالک ہے۔ زینیا کو انہوں نے پیار اور اعتماد سے سنبھال لیا تھا۔ اس سب میں انہوں نے جان بوجھ کر زینیا کو کراٹے ٹریننگ اور ماہر نفسیات کو بھی دکھایا تاکہ کہیں اس کے ذہن میں یہ ڈر بیٹھ نہ جائے۔ وہ زینیا کو کمزور رہنے نہیں دینا چاہتے تھے۔

ریحام کا سنجیدہ رویہ دیکھ کر اس کے بہت سے دوست اس سے دور ہو گئے تھے، مگر کہتے ہیں نا

"جو چلا جائے اس پر غم نہ کرو اللہ اس سے بہتر دے گا۔"

ریحام کی انہی دنوں میں دو لڑکیوں سے دوستی ہوئی تھی۔ وہ دونوں ہی بہت زیادہ ہنس مکھ تھیں۔ مشال اور فریال، ان دونوں نے ریحام کی سنجیدہ مزاج سے نکال کر خود میں مصروف کر لیا تھا۔ اب جو وہ ہر وقت سنجیدہ اور چپ چپ رہتی تھی۔ اب خوش اور مطمئن رہنے لگی تھی۔ اسے سمجھ آ گیا تھا کہ چاچو صرف اس کی زندگی سے چلے گئے ہیں، مگر وہ ہمیشہ رہیں گے، اس کے دل میں، ان کی جگہ کوئی بھی نہیں لے سکتا۔ مگر اسے زندگی میں تو آگے بڑھنا تھا۔ یہی زندگی تھی اسے دوبارہ زندگی طرف لوٹتے دیکھ کر شہریار مرزا مطمئن ہو گئے۔ رقیہ بیگم بھی پر سکون ہو گئی تھیں۔ حمدان کے جانے کے بعد جو ریحام کی حالت ہو گئی تھی اس کے بعد وہ پریشان سی رہتی تھیں۔ انہیں خود پر غصہ اور دکھ بھی ہوتا تھا کہ کاش وہ اس وقت اپنی اولاد سے اپنے شوہر کی وجہ سے چڑ نہ کھاتیں تو وہ آج اس سے اتنا دور نہ ہوتی۔ اب وہ اسے غازان اور ماہا کے ساتھ بھی وقت گزارنے سے نہیں روکتی تھیں۔ لہجہ بھی اکثر نرم ہوتا تھا مگر جب ریحام کو اس رویے کی ضرورت تھی۔ وہ تب نہ دے سکیں تو وہ اب اس سب کا کیا کرتی؟ گزرا ہوا وقت واپس نہیں آ سکتا۔

اب انہیں اپنی ذمہ داریوں اور لاپرواہیوں کا اندازہ ہو رہا تھا۔ مگر وقت ریت کی طرح ان کے ہاتھ سے پھسل گیا تھا۔ ریحام ہر وقت اب بس ہمیشہ اور فریال کے ساتھ مصروف رہتی تھی۔ نے نئے شوق اور اوٹ پٹانگ حرکتیں، فیشن اور مختلف کھانے، وہ تینوں پورے سکول میں اپنی حرکتوں کی وجہ سے مشہور تھیں۔ ریحام نے خود کو وقت کے سانچے میں ڈھال تو لیا تھا۔ مگر وہ یہ پہلا غم تھا جو اس کی زندگی میں آیا تھا۔ اس کی کسک ساری زندگی اس کے دل و دماغ سے نہیں جا سکتی تھی۔ شہریار مرزا اور رقیہ بیگم حمدان کے بعد سے اس کی حالت سے اس قدر ڈر گئے تھے کہ وہ جو ضد یا خواہش کرتی وہ پوری کر دیتے کہ کہیں پھر سے اس کا ذہن بھٹک نہ جائے یا وہ پھر سے ویسی نہ ہو جائے۔ رقیہ بیگم اکثر اسے ٹوکتی تھیں مگر وہ اثر نہیں لیتی تھی اسے لگتا تھا جیسے رقیہ بیگم کو اس سے ہر وقت شکوے شکایت ہی رہتے ہیں اور اسی وجہ سے وہ ان سے بدگمان ہوتی جا رہی تھی۔ ہر وقت کے شکوے شکایات انسان کو دوسرے سے بدگمان کر دیتے ہیں۔ وقت گزرتا گیا اور وہ ضدی اور ہر دھڑم ہوتی گئی۔ اسے ہر شے کہنے کے بعد فوراً چاہیے ہوتی تھی چاہے وہ اس کی پہنچ سے جتنی بھی دور ہو۔ اسی سب میں ان تینوں نے کالج میں ایڈمشن لے لیا۔ کالج بھی ایسا جس میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ایک ساتھ پڑھتے تھے۔ ان تینوں کا گروپ کالج میں بھی جلدی مقبولیت پا گیا تھا۔ مشال جو ایک خوبصورت، دھیمے مزاج اور فطرتاً تھوڑی جلدی ڈر جانے والی، چلبلی سی لڑکی تھی۔ فریال کی بات کی جائے تو وہ تھوڑی بہادر اور کافی حد تک ذہین تھی۔ وہ تینوں ہی الیٹ کلاس سے تعلق رکھتی تھیں۔ ریحام ان دونوں کی بنسبت کچھ لاپرواہ کچھ بے نیاز سی تھی۔ وہ اپنے غصے کی وجہ سے کافی مشہور تھی ان سے غصہ آتا تو وہ عجیب سا برتاؤ کرتی۔

اس کی اس عادت سے زیادہ تر لوگ اس سے دور ہی بھاگتے تھے۔ کبھی کبھی اسے اکیلے میں احساس ہی ہوتا مگر پھر وہی بے نیازی۔۔

یہ بھی معمول کا ہی ایک دن تھا۔ جب وہ غصے سے کالج گیٹ سے انٹر ہو رہی تھی۔ وہ غصے سے سرخ چہرہ لیے، بالوں کی پونی ٹیل اور کالج یونی فارم میں تیز تیز قدم اٹھاتی آگے بڑھ رہی تھی کہ یک دم کسی سے زوردار تصادم ہوا۔

"اندھے ہو؟" پھاڑ کھانے والا انداز۔

"میں اندھا ہوں، تو تم کیا ہو؟" جوابا اس لڑکے نے سرد نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اپنی حد میں رہو۔ سب پتہ ہے مجھے تم جیسے نمونے کیا کرتے پھرتے ہیں۔" ریحام اسے طنزیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے گویا ہوئی۔

طلبہ دلچسپی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے جیسے کسی کا پسندیدہ شو لگ گیا ہو۔

"تم ہو کون؟ تمہاری کیا اوقات جو تم میر حاشر کے سامنے اس طرح زبان چلا رہی ہو۔ ابھی کے ابھی تمہیں اس کالج سے اوٹ کروا سکتا ہوں۔ وہ اس سے اوپر سے لے کر نیچے تک دیکھتے ہوئے زہر خند لہجے میں بولا۔

"میری اوقات یہ ہے کہ میں تمہارے سامنے کھڑی تمہاری آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑی ہوں اور تم کچھ بھی نہیں کر پا رہے۔" انداز طنزیہ تھا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"کیا ہو رہا ہے؟" طلبہ میں سے کسی نے سرگوشی میں پوچھا

"ہونا کیا ہے؟ دو امیر ماں باپ کی بگڑی ہوئی اولادیں آمنے سامنے لو سٹوری کا سٹارٹ ہے۔" جوابا دوسرے فرد نے قہقہہ لگایا۔

اس کے انداز پر اس وہ اسے دل ہی دل میں سراہے بنا نہ رہ سکا۔

کیا ہمت تھی اب ایم این اے کے بیٹے کے سامنے زبان چلائی جا رہی تھی؟

"سارا موڈ خراب کر دیا۔" سر جھٹک کر وہ آگے بڑھ گئی۔

اسے تو میں کالج سے نکلوا کر ہی چھوڑوں گا۔ میر حاشر کے چہرے پر ایک عزم تھا۔

ان دونوں کا اب جہاں بھی سامنا ہوتا وہ دونوں ہی ناگواری سے راستہ اور چہرہ پھیر لیتے۔ میر حاشر کوئی موقع تلاش کر رہا تھا کہ کسی طرح سے اسے کالج سے نکلوا سکے۔ مگر وہ پڑھائی میں اتنی اچھی تھی اور کسی استاد کو بھی اس سے کوئی خاص مسئلہ مسائل نہ تھا۔ پھر بھی میر حاشر اپنی کوشش جاری رکھے ہوئے تھا۔

اج معمول کا دن تھا۔ کالج میں داخل ہوں تو وہیں چہل پہل جو یہاں موجود ہوتی ہے۔ طلبہ ادھر ادھر نظر آتے تھے۔ کیفٹیریا میں جاؤ تو وہاں کا ماحول کسی دیسی ڈھابے کی طرح کا منظر پیش کرتا تھا۔ جگہ جگہ کرسیاں اوع میز جن پر لڑکے لڑکیاں گروپس کی صورت میں براجمان تھے۔ ریحام، مشال اور فریال اپنی میز پر موجود خوش گپیوں میں مشغول تھیں۔

"یار مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ اس نے میری سب کے سامنے بے عزتی کر دینی ہے۔" میر کے سامنے کھڑا اس کا دوست منہ بگاڑے بولا جبکہ اس کے ساتھ والا دوست قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"پٹ گئی تم لوگوں سے لڑکی." وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا

میر حاشر نے اسے قہر برساتی نظروں سے گھورا۔

"کہاں ہے نا تجھے اس سے تھوڑا بہت تنگ کرنا ہے۔ ضرورت پڑی تو ہاتھ بھی پکڑ لیں، بس آگے میں آ جاؤں گا، تیرا کام ختم۔ میر حاشر نے تسلی امیز انداز میں کہتے ہوئے دوسرے لڑکے کا حوصلہ بڑھایا۔

"چل جا رہا ہے کہ نہیں؟" میر حاشر نے تنبیہ کرتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"جا رہا ہوں۔" وہ منہ بگاڑتا آگے کی طرف بڑھ گیا۔

اب اس کے قدم ریحام والی میز کی طرف تھے۔

"ہائے بیوٹیفل۔۔" ریحام کی میز کے قریب کھڑے ہو کر فہد نے بڑے خوشگوار موڈ اور کانفیڈنس سے اس سے مخاطب ہوا۔

اس کے پکارنے پر وہ تینوں چونکیں مگر پھر ریحام مسکرا کر گویا ہوئی۔

"ہیلو بے غیرت۔۔" آواز اتنی تھی کہ قریب بیٹھے لوگ باسانی سن سکیں۔ وہ جانتی تھی یہ ان کے کالج کا ایک نمبر کا لفنگا اور ٹھرکی لڑکا تھا۔ آئے دن کبھی کسی کے ساتھ نظر اتا تو کبھی کسی کے ساتھ،

ریحام کے اس طرح کہنے پر جہاں فہد کا چہرہ اترا وہیں سب کے قہقہے ابل پڑے۔

میر حاشر دور کھڑا تھا وہ یہ تو نہ جان پایا ریحام نے کیا کہا ہے۔ مگر فہد کا اترا چہرہ اور باقی سب کا قہقہہ اسے سمجھا گیا کہ ضرور بے عزتی ہی کی ہے۔

"میں تم سے تمیز سے مخاطب ہوا تو تم بھی تمیز سے مخاطب نہیں ہو سکتی؟" فہد نے اپنے چہرے کے تاثرات کو نارمل رکھنے کی ناکام سی کوشش کی۔

"تو تمہیں کس نے کہا ہے کہ مخاطب کرو؟" جواب فریال کی طرف سے آیا تھا۔

"میں ریحام سے بات کر رہا ہوں۔" اس نے فریال کو اطلاع دی کہ اس نے اس سے مخاطب نہیں کیا۔

ریحام نے طنزیہ نظروں سے اسے دیکھا جیسے وہ تو اس کی ایک آواز پر دوڑی ہوئی جائے گی۔

ریحام اٹھ کھڑی ہوئی تو وہ دونوں بھی اس کی تلقید میں کھڑی ہو گئیں۔ جبکہ باقی عوام دلچسپی سے شو دیکھ رہی تھی۔

اپنے کام سے کام رکھو۔۔ یہ کہہ کر ریحام آگے بڑھنے لگی کہ فہد نے حاشر کے کہنے پر عمل کرتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑنا چاہا مگر ہاتھ کے بجائے کہنی ہاتھ میں آئی۔

باقی سب اب غور سے ریحام کا رد عمل دیکھنے کے لیے بے چین ہوئے۔

ریحام اپنی کہنی اس کی گرفت میں پا کر ایک لمحے کو ٹھٹکی۔ مگر اگلے ہی لمحے اس نے اپنی کونی چھڑوانے کے لیے پوری قوت سے اس کے پیٹ میں دے ماری۔ وہ کراہ کر رہ گیا۔ جبکہ باقی سب تماشہ دیکھنے میں مصروف تھے۔ البتہ مشال اور فریاد پریشانی سے ریحام کی طرف دیکھ رہی تھی جانتی تھیں اب وہ لحاظ نہیں کرے گی۔

میر حاشر جو آگے کی طرف بڑھ کر اسے بچا کر ریحام کی نظر میں اچھا بننا چاہتا تھا۔ وہی پرانا حربہ لڑکی کو امپریس کرنے کا، مگر اسے کہنی سے وار کرتا دیکھ کر وہیں رکا۔ اسے سمجھ نہ آیا اب کیا کرے؟ جائے یا نہ جائے؟ کیونکہ اس سے تو لگا تھا وہ چھڑوانے کی کوشش میں ہلکان ہو گی اور وہ فہد کو دو چار لگا کر مہان بن جائے گا۔ یہاں تو ریحام نے گیم ہی الٹ دی تھی۔

ریحام نے کہنی آزاد ہونے پر اپنی یونیفارم کی جیب سے پین نما شکل کا بلیڈ نکال کر فہد کے اس ہاتھ جس پر اس نے اسے کہنی اس کی کہنی تھامی تھی اس پر وار کیا۔ وار اتنا شدید نہیں تھا مگر وہ جو کہنی لگنے پر اتنا بے یقین تھا، اب بلیڈ والے حملے کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ حیرت سے اس کی شکل دیکھ رہا تھا جو خونخوار نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ ہتھیلی سفون ابل رہا تھا اور چہرے پر تکلیف دہ آثار نمودار ہوئے۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

آئندہ آئندہ یہ جرات مت کرنا۔ ابھی تو صرف ہاتھ کاٹا ہے اگلی بار شہہ رگ کاٹ دوں گی۔۔ وہ بھوکی شیرنی کی مانند غرائی۔

سب حیرت سے اس کا ردعمل دیکھ رہے تھے۔ کوئی بھی یہ توقع نہیں کر رہا تھا۔ زیادہ سے زیادہ ایک تھپڑ کی توقع تھی۔ دبی دبی سرگوشیاں ابھرنے لگیں۔ پورے کیفے میں طلبہ کا ہجوم اکٹھا ہو چکا تھا۔ میر حاشر بے یقینی کے عالم کھڑا تھا۔ اس نے ہزاروں لڑکیاں دیکھی تھیں مگر یہ ہاتھ لگانے پر ہاتھ کاٹ چکی تھی۔

کیا ہو رہا ہے؟ اچانک سے ایک استاد کی رعبدار آواز ابھری وہ یقیناً اتنے ہجوم کو دیکھ کر ہی یہاں آئے تھے۔

تقریبا آدھے گھنٹے بعد:

یہ پرنسپل کے آفس کے اندر کا منظر تھا۔ جہاں فہد اور ریحام اپنے اپنے والد کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے تھے۔ فہد کے ایک ہاتھ پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ جبکہ سر حمید جنہوں نے یہ سب دیکھا تھا، وہ بھی وہی موجود تھے۔ سربراہی کرسی پر پرنسپل براجمان تھے۔

جی تو مرزا صاحب آپ بتائیں میں نے ساری بات آپ کو بتائی ہے۔ غلطی بے شک فہد کی ہے مگر اتنا شدید رد عمل؟ ریحام کسی کو انفارم کر سکتی تھی۔ یوں ہاتھ کاٹ دینا کہاں کی عقل ننگی ہے؟ پرنسپل صاحب تاسف سے کہہ رہے تھے۔

ان کے اس طرح کہنے پر مرزا صاحب نے جن نظروں سے ریحام کو دیکھا وہ شرمندہ ہو گئی۔

سوری سر۔۔ سوری بابا۔۔ مگر آپ خود دیکھیں ہم یہاں پڑھنے آتے ہیں اور انسان جس جگہ سیف ہی نہ ہو جہاں وہ روز آتا ہے تو۔۔؟ مجال ہے جو اس نے اپنی غلطی تسلیم کر لی ہو۔ سوری کرنے کے باوجود ہٹ دھرمی میں اس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔

آپ ہمیں بتا سکتی تھیں؟ پرنسپل صاحب نے سنجیدگی سے طنز کیا۔

سر اپ اسے ڈانٹتے، غصہ کرتے یا زیادہ سے زیادہ اسے نکال دیتے سزا نہیں دیتے۔۔ وہ اپنے موقف پر ڈٹی رہی۔

اس کی ہٹ دھرمی پر مرزا صاحب نے اسے گھورا۔

میں معذرت چاہتا ہوں آپ سے پرنسپل صاحب۔ ایک موقع اسے دیں اگر اس بار اس نے کچھ کیا تو آپ مجھے بلانے کے بجائے اسے گھر بھیج دیجیے گا۔ مرزا صاحب نے پرنسپل صاحب قائل کرنے والے انداز میں کہا۔

ٹھیک ہے مرزا صاحب اپ یہ وجہ سے ہم ایک موقع دے دیتے ہیں۔

مرزا صاحب پرنسپل صاحب کا شکریہ ادا کر کے ریحام کو لے کر باہر چلے گئے تھے۔ گھر انے تک گاڑی میں مکمل خاموشی رہی۔ گھر کے پورچ میں گاڑی رکنے پر مرزا صاحب گھر کے اندر کی طرف سٹڈی میں چلے گئے۔ ان کی ناراضگی کا سوچتے ہی ریحام نے ہونٹ چبائے۔

ریحام تم اتنی جلدی اور اپنے بابا کے ساتھ خیریت؟ ریحام کو اتنی جلدی مرزا صاحب کے ساتھ گھر لوٹتے دیکھ کر رقیہ بیگم نے بے اختیار پوچھا۔

جھگڑا ہو گیا تھا میرا۔۔ انہیں مختصر جواب دے کر وہ کمرے میں آگئی فریش ہو کر مرزا صاحب کو منانے کا ارادہ تھا۔

تقریبا دس دن گزر گئے تھے اس واقعے کو، ریحام نے مرزا صاحب سے معافی مانگ لی تھی۔ البتہ وہ پریشان تھے ریحام کی ایسی حرکتیں بڑھتی ہی جا رہی تھیں۔ وہ اپنا ٹیمپر بہت جلدی لوز کرنے لگی تھی۔ دوسری طرف میر حاشر اس کی اس حرکت پر صرف بدلہ لینے کا کوئی موقع تلاش کر رہا تھا۔ وہ ایم این اے کی بگڑی ہوئی اکلوتی اولاد تھا۔ کوئی اسے نیچا دکھائے اسے برداشت نہیں تھا۔ وہ بھی ایک لڑکی؟ کبھی نہیں۔۔ وہ موقع کی تلاش میں تھا جو کہ اسے مل گیا تھا۔ اگلے دو دن بعد کالج میں کانسرٹ رکھا گیا تھا۔ جس پر میر حاشر اور اس کے دوستوں نے بدلہ لینے کا ارادہ کیا تھا۔ ان کا ارادہ یقیناً خطرناک تھا۔

ریحام اس سب سے انجان اپنی مستی میں مگن تھی۔

آخر کار وہ دن بھی آ ہی گیا جس کا سب کو انتظار تھا۔ ہفتے کا دن اور شام کے سات بجے کا وقت تھا۔ کالج میں سب موجود تھے۔ گراؤنڈ میں ہی سٹیج بنا کر اس پر سنگرز گانے گا رہے تھے۔ جبکہ طلبہ اور اساتذہ اس سے

لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ریحام، فریال اور مشال ایک جیسے کالے رنگ کے کپڑوں میں موجود تھیں۔ دوسری طرف میر حاشر اور فہد بھی اپنے دوسرے دوست کے ساتھ تیار بیٹھے تھے، بدلہ لینے کے لیے۔ ریحام ہر چیز سے بے نیاز سٹیج سے قریب کھڑی گانوں سے لطف اندوز ہوتے ہوئے ویڈیو بنا رہی تھی۔ اس دائیں بائیں اس کے فریال اور مشال کھڑی تھیں۔ اس سے کچھ دور میر حاشر اپنے دوستوں کے ساتھ کھڑا اسے نظروں کے حصار میں لیے ہوئے تھا۔ اور یہ نظریں عام نظریں نہیں تھیں بلکہ بہت ہی گہری نظریں تھیں۔ اچانک ریحام کو محسوس ہوا کہ اسے واش روم یوز کرنا ہے تو وہ فریال اور مشال کو بتا کر واش روم کی طرف بڑھ گئی۔ ان دونوں نے ساتھ آنے کی ضد کی مگر ریحام نے انہیں ٹال دیا۔ میر حاشر کو یہی موقع درست لگا۔ اس نے فہد کو کوئی اشارہ کیا اور وہ فوراً سے اس کے پیچھے بھاگا۔ ریحام کالج کے اندر کی طرف بڑھ رہی تھی چونکہ باقی سب لوگ باہر ہی تھے تو اندر کوئی ایک آدھ لوگ ہی تھے۔ وہ بائیں طرف کی راہداری کی طرف مڑ گئی اور ظباتھ روم چونکہ اندر کی طرف تھے۔ لہذا میر حاشر کے لیے آسانی ہی آسانی تھی۔ ریحام باتھ روم کے اندر گئی مگر اس سے پہلے کہ وہ اندر کی طرف بڑھتی کسی نے اس کا ہاتھ پکڑا۔ اس نے چونک کر اپنے ہاتھ کو دیکھا۔ اسے ایک دم گھبراہٹ شروع ہو گئی اسے نظریں اٹھا کے دیکھا تو وہاں میر حاشر کھڑا تھا اس کا غصہ عود آیا۔

تم گھٹیا انسان تم یہاں کیا کر رہے ہو وہ غصے سے چیخی۔۔ تم میرا پیچھا کر رہے ہو؟

نہیں میں تمہارا پیچھا نہیں کر رہا مجھے تم سے بات کرنی ہے پلیز میری بات سنو۔۔ میر حاشر نے التجائی انداز میں اسے قائل کرنے والے انداز میں کہا۔

اپنی بکواس بند کرو اور دور ہٹو مجھ سے۔۔۔ اسے خود کے قریب آتے دیکھ کر ریحام چیخی۔

دیکھو میں بس تم سے بات کرنا چاہ رہا ہوں۔ وہ قدم قدم اٹھاتا اس کے قریب آ رہا تھا۔ ریحام الٹے قدم پیچھے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اسے یک دم اس سے خوف آنے لگا۔ وہ جتنی بھی بہادر تھی تھی تو ایک لڑکی

ہی نا؟اور خود کو اکیلے ایک مرد کے ساتھ پا کر وہ بہت زیادہ خوفزدہ ہو گئی تھی۔ مگر اس کے سامنے ظاہر نہیں کرنا چاہتی اس لیے چیخ پڑی۔

تم ایک گھٹیا انسان ہو میر حشر! تمہیں کیا لگا تم مجھ سے بدلہ لینے کے لیے یہ گھٹیا حرکت کرو گے مجھے علم نہیں ہو گا؟ وہ یقیناً اس کی نیت سے واقف ہو گئی تھی۔

تم نے بالکل درست سمجھا۔۔ وہ طنزیا مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

اس سے پہلے کے ریحام کچھ سمجھتی تین چار اساتذہ کے ساتھ کئی طلبہ باتھ روم کے دروازے سے نمودار ہوئے۔

دیکھا سر میں نے آپ کو کہا تھا نا کہ ریحام نے میر حاشر کو ادھر بلایا ہے۔ فہد نے طنزیا مسکراہٹ ریحام کی طرف اچھالتے ہوئے کہا۔

جبکہ ریحام اس اچانک حملے پر خود کو سنبھالنے کی کوشش کر رہی تھی۔

سر۔۔ سر دیکھیں نا میں یہاں پر واش روم یوز کرنے کے لیے آئی ہوں اور یہ میرے پیچھے پیچھے آ گیا۔ ریحام نے اپنے اساتذہ کو دیکھتے ہوئے اپنے دفاع کے لیے کچھ کہا۔

مگر اس سے پہلے ہی مارخ بول پڑی۔

ریحام جھوٹ مت بولو میں نے خود تمہیں مشال اور فریال کو یہ کہتے سنا تھا کہ تم واش روم جا رہی ہو اور اس سے پہلے تم فون استعمال کر رہی تھی تو اس کا مطلب تو یہی ہوا نا کہ تم نے حاشر کو خود یہاں بلایا ہے۔ مارخ جو کہ اس وقت ان تینوں کے قریب کھڑی تھی اس نے یہ سب سنا تھا اور یہ یقینا فہد حاشر اسے بھی ساتھ ملا چکے تھے کیونکہ وہ ریحام سے اچھا خاصا چڑتی تھی۔

نہیں سر ایسا کچھ نہیں ہے ریحام ایسی نہیں ہے۔ فریال سب کو ریحام کے خلاف ہوتا دیکھ کر اس کے دفاع میں بولی

بالکل سر ایسا کچھ نہیں ہے یہ سب لوگ جھوٹ بول رہے ہیں۔۔ مشال نے بھی ہمت کر کے بولنا شروع کیا۔

وہ اس وقت ریحام کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی تھیں۔ اور سچے دوست کبھی بھی آپ کو مشکل وقت میں اکیلا نہیں چھوڑتے۔ یقیناً وہ دونوں ریحام کی بہترین دوست تھیں۔

ریحام ابھی تک بے یقین تھی۔ سب اس کے ساتھ کیا ہو گیا تھا؟ اسے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ مطلب اب اس کے کردار پر انگلی اٹھائی جائے گی؟ ایک انسان کے لیے اس سے بڑا تکلیف دے منظر کیا ہو سکتا ہے کہ اسے اپنی اپنے کردار کی صفائی پیش کرنا پڑے۔ اپنی کردار کے لیے اسے گواہیاں دینی پڑی جب کہ وہ بالکل سچا ہو ایماندار ہو اور پاک دامن ہو۔

ریحام اور حاشر آپ لوگ پرنسپل کے افس میں چلیں۔ آپ لوگوں کا فیصلہ وہی کریں گے۔۔ سر منور جو کہ تھوڑے سے غصے والے تھے انہوں نے سخت نظروں سے انہیں دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

تقریباً 25 منٹ بعد ریحام اور میر حاشر دونوں کے باپ پرنسپل آفس میں داخل ہو رہے تھے۔ آج پھر وہی دن دہرایا جا رہا تھا جو کہ دس دن پہلے دہرایا گیا تھا۔ مگر آج؟ آج فہد کی جگہ میر حاشر تھا۔

ریحام نے کتنی بار سر کو منع کرنے اور اپنا یقین دلانے کی کوشش کی کہ اس نے کچھ نہیں کیا۔ اس کے لیے شرم کا مقام تھا کہ اس کے باپ کو یہ سب معلوم ہو۔ مگر وہ جانتی تھی اس کا باپ اس کا ہی یقین کرے گا۔ اس لیے خاموش ہو گئی۔ یقیناً اب اس کے پاس کوئی ڈھال تو ہو گی جہاں وہ اپنا سر چھپا سکے گی۔ ورنہ یہاں تو سب لوگ اسے ایسے دیکھ رہے تھے جیسے وہ بد کردار ہو۔

بابا۔۔ بابا دیکھیں نا یہ لوگ مجھ پہ الزام لگا رہے ہیں۔ میں نے کچھ بھی نہیں کیا جیسے یہ لوگ سمجھ رہے ہیں۔ آپ تو مجھے جانتے ہیں نا ان سب کو بتائیں۔ ریحام باپ کو دیکھ کر بالکل بچی بن گئی۔

اور یہ فطرتاً ہے کہ انسان سے جو سب سے زیادہ پیار کرتا ہے انسان اس کے سامنے بچہ بن جاتا ہے۔

ریحام خاموشی سے کھڑی ہو جاؤ مجھے بات کرنے دو۔۔ شہریار مرزا کا لہجہ آج پہلی بار ریحام کے لیے خشک اور سرد تھا۔

باپ کے لہجے کی سرد مہری محسوس کر کے ریحام پیچھے ہو گئی۔ اسے لگا جیسے شاید بابا آج زیادہ غصے میں ہیں، کیونکہ آخری بار انہوں نے اسے لاسٹ وارننگ دی تھی۔

جی پرنسپل صاحب آپ نے بلایا تھا۔۔؟ ریحام کو کہتے وہ پرنسپل سے مخاطب ہوئے

جی مرزا صاحب اپ کی صاحبزادی ریحام مرزا۔۔ پرنسپل صاحب جیسے جیسے بولتے جا رہے تھے شہریار مرزا کی آنکھیں حیرت سے پھٹتی جا رہی تھیں۔

انہوں نے بے یقینی سے چہرہ اٹھا کر ریحام کی طرف دیکھا جو نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

نہیں بابا میں نے یہ سب نہیں کیا۔۔ ان کی آنکھوں میں اپنے لیے بے یقینی دیکھ کر ریحام تڑپ اٹھی۔

آپ مجھے کل کا وقت دیں میں آپ سے اکیلے میں آ کر ملوں گا۔۔ شہریار مرزا نے دھیمی آواز میں میں پرنسپل صاحب کو کہا۔

کہتے ساتھ وہ باہر کی طرف بڑھے اور ریحام کو اپنے پیچھے آنے کا کہا۔

گھر آنے تک گاڑی میں مکمل خاموشی رہی اور یہ خاموشی کسی طوفان کا پتہ دے رہی تھی۔

گھر کے پورچ میں گاڑی رکنے پر شہریار مرزا جھٹکے سے گاڑی سے نکلے اور گھر کے اندر کی طرف بڑھ گئے۔

ریحام کو نہ جانے کیوں آج شہریار مرزا کے غصے سے خوف آ رہا تھا۔ وہ بھی اندر کی طرف بڑھ گئی۔ دل بری

طرح سے دھڑک رہا تھا۔ اس کے اندر آتے ہی شہریار مرزا جو کہ لاؤنج میں چکر کاٹ رہے تھے غصے سے اس کی طرف بڑھے تو ریحام دو قدم پیچھے ہوئی۔ لاؤنج میں کوئی بھی موجود نہ تھا۔ ملازمہ کچن میں تھی۔ جبکہ رقیہ بیگم اپنے کمرے میں، غاذان اور ماہا سکول گئے ہوئے تھے۔

یہ سب کیا تھا ریحام؟ وہ سرد لہجے میں غصے سے بلند آواز میں دھاڑے۔ ضبط سے ہاتھوں کی نسیں ابھر آئیں تھیں۔ ان کے لیے شرم کا مقام تھا کہ ان کی بیٹی ایک لڑکے کے ساتھ پائی گئی تھی اور وہ بھی ایسی جگہ پر۔۔

میں نے کچھ نہیں کیا بابا۔۔ وہ سب لوگ مجھ پر الزام لگا رہے ہیں۔۔ پہلی بار اپنے لیے مرزا صاحب کا ایسا لہجہ محسوس کر کے ریحام کانپ گئی۔

اتنے لوگ جھوٹ بولیں گے؟ ان کی آواز اب پہلے سے زیادہ بلند تھی۔

تو اپ کا مطلب ہے میں جھوٹ بول رہی ہوں؟ ریحام ان کے لہجے میں بے یقینی دیکھ کر حیرت سے مر جانے کو ہوئی۔ کہاں امید تھی کہ اس کا باپ اس کا یقین نہیں کرے گا۔

مجھے کیا معلوم؟ جب تم لوگوں کے ہاتھ کاٹ سکتی ہو تو یہ بھی کر سکتی ہو۔ یہ سب تم کیا کر رہی ہو ریحام تم نے میرا سر جھکا دیا۔ میں نے تم سے جتنی محبت کی آج تک کسی سے نہیں کی اور تم میری عزت کو یوں خاک میں ملا رہی ہو؟ وہ پہلے ایک طنزیہ بولتے آخر میں افسوس سے کہتے جیسے ڈھ گئے تھے۔

میں نے۔۔ آپ کو ایسا لگتا ہے؟ ریحام کی آواز بھرا گئی۔

تمہیں اگر کوئی پسند تھا تو مجھے بتاتی یہ سب کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ وہ اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اپنی کہہ رہے تھے۔

آپ۔۔۔ ہاں میں تھی اس کے ساتھ میں نے ہی بلایا تھا اسے۔۔ ریحام بے یقین تھی مگر یکدم اس کے اندر کی خود سر ریحام نے سر اٹھایا۔

اس سے پہلے کہ وہ بے باکی اور ڈھٹائی سے اپنا جملہ مکمل کرتی کہ یکدم ایک تھپڑ کی گونج پورے لاؤنج میں گونجی۔ ریحام جو کچھ بولنے والی تھی۔ اپنے چہرے پر تھپڑ پڑنے سے صدمے کی کیفیت میں اپنی گال کو دیکھتی تو کبھی شہریار مرزا کو۔

رقیہ بیگم جو کہ شہریار مرزا کی دھاڑوں پر نیچے آرہی تھیں۔ سیڑھیوں میں کھڑے کھڑے ہی انہوں نے یہ منظر دیکھا تو ان کی آنکھوں میں بھی یقینی ہی بے یقینی تھی۔ ریحام وہ شخصیت تھی جس کی وجہ سے شہریار مرزا نے انہیں بھی بھلا دیا تھا اور اب وہ اس پر ہاتھ اٹھا رہے تھے۔ ملازمائیں کچن کے دروازے سے جھانک رہی تھیں اور ان کے چہروں پہ بھی بے یقین ہی بے یقینی تھی۔ سب جانتے تھے وہ شہریار مرزا کی کتنی لاڈلی اولاد ہے۔

یک دم رقیہ بیگم ہوش میں آتے آگے بڑھیں۔

کیا ہو گیا ہے اپ کو شہریار؟ جوان بچی پر ہاتھ اٹھا رہے ہیں؟ وہ یک دم آگے بڑھیں اور ریحام کو شہریار مرزا سے دور کیا۔

جو خاک یہ میرے سر میں میرے ڈال کے آئی ہے اس کے بعد میں اس کو پھولوں کے ہار پہنانے سے تو رہا، اوپر سے اس کی ڈھٹائی دیکھو کیسے اپنے جرم کا اعتراف کر رہی ہے۔ شہریار مرزا غصے سے گرجے۔

ہوا کیا ہے؟

یہ تم اپنی بیٹی سے پوچھو۔۔ وہ سرد لہجے میں بولتے سٹڈی روم کی طرف بڑھ گئے۔

کیا ہوا ہے ریحام؟ وہ نرمی سے استفسار کر رہی تھیں۔ وہ اب اس سے نرمی سے ہی پیش آتی تھیں اور یہ بدلاؤ میجر حمدان کی موت کے بعد ریحام کی حالت دیکھ کر ہی آیا تھا۔

مگر وہ جواب دیے بغیر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

تقریباچھ گھنٹے ہو چکے تھے، ریحام کو کمرے میں بند ہوئے۔ شہریار مرزا کی بدولت رقیہ بیگم ساری حقیقت جان گئیں تھیں۔ اور رقیہ بیگم اور شہریار مرزا نے ماہا اور غازان سے یہ بات چھپائی تھی، کیونکہ وہ جانتے تھے وہ ابھی بچے ہیں۔ ان کے دماغوں میں یہ بات نہیں ڈالی جا سکتی۔ انہوں نے ان سے یہی کہا کہا کہ کالج میں لڑائی ہو گئی ہے۔ جس کی وجہ سے اسے بابا سے ڈانٹ پڑی ہے جس پر وہ بھی پریشان ہو گئے تھے کیونکہ شہریار مرزا نے ریحام کو کبھی نہیں ڈانٹا تھا۔

تقریباچھ گھنٹوں میں وہ لگاتار روتی آئی تھی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ اس کے باپ نے اس پر اعتبار نہیں کیا اور دوسرا انہوں نے اس پر ہاتھ اٹھایا ہے؟ وہ ابھی تک بے یقین تھی۔ آج اسے یقین ہو چلا تھا کہ جو ہم سے محبت کرتے ہیں یہ ضروری نہیں کہ وہ ہم پر اعتماد بھی کریں۔۔ اسے یہ بھی احساس ہو گیا تھا کہ جن سے ہم محبت کرتے ہیں وہ ہمارے معاملے میں بڑے بے رحم ہوتے ہیں۔ وہ یہ سب کچھ کی اس سب کچھ کی توقع رقیہ بیگم سے تو کر سکتی تھی مگر شہریار مرزا سے کبھی نہیں۔۔ وہ اس کے آئیڈیل آئز باپ تھے۔ وہ ایک بہترین باپ تھے، ریحام کی نظر میں۔۔ مگر آج اسے اندازہ ہو گیا وہ بھی ایک روایتی باپ کی طرح ہی ہیں اور اپنے باپ کا رویہ اپنی ماں کے ساتھ تو وہ بچپن سے دیکھتی آئی تھی۔ کچھ چھپا ہوا نہیں تھا۔ مگر اسے لگتا تھا شاید وہ ایک اچھے باپ ہیں مگر وہ غلط تھی۔ ایک اچھا انسان سب رشتوں کو بیلنس کرتا ہے۔ تب ہی وہ ایک اچھا شوہر، اچھا باپ، اچھا بھائی اور اچھا انسان بن پاتا ہے اور جو لوگ رشتوں میں توازن نہیں رکھ سکتے وہ کبھی بھی اچھے انسان نہیں بن سکتے تھے۔ وہ اٹھارہ سال کی تھی، حقیقتوں سے آشنا تھی۔ اس کا بھی دل چاہتا تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ ایک خوشگوار زندگی گزارے، ماں سے تو چلو کبھی پیار ملا ہی نہیں اور اگر اب وہ اس کے ساتھ نرمی سے پیش آتی تھیں۔ مگر اب وہ ان چیزوں پر دھیان نہیں دیتی تھی، کیونکہ جب اس سے ان کی ضرورت تھی۔ تب وہ اس کے پاس نہیں تھی تو وہ اب کیا کرتی؟ ماں باپ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ اولاد خود بخود دنیا میں نہیں آتی۔۔ انہیں دو لوگوں کی باہمی رضامندی اس دنیا

میں لاتی ہے اور ان کے کچھ حقوق و فرائض ہیں۔ اگر اولاد ماں باپ سے اچھے طریقے سے پیش آ رہی ہے۔ ان کی عزت کر رہی ہے، ان کا احترام کر رہی ہے، ان سے محبت کر رہی ہے تو اس کے بدلے میں ماں باپ کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی اولاد کو یہی دے۔ قران اور حدیثوں میں بہت کچھ ہے جس سے یہ بیان کیا جاتا ہے کہ اولاد اور والدین کے حقوق و فرائض کیا ہیں۔۔ مگر زور کس پر دیا جاتا ہے؟ ہمارا معاشرہ کس پر زور دیتا ہے؟ ہمارے سکولز، ہماری یونیورسٹیز، ہمارے اساتذہ، ہمارا معاشرہ کس پر زور دیتا ہے؟ والدین کے حقوق کو۔۔۔ جبکہ اولاد کے بھی اتنے ہی حقوق ہیں۔ آج ہم ایلٹ کلاس میں دیکھیں تو اس میں سب اپنی اپنی رنگینیوں میں مگن ہیں۔ ماں باپ اولاد پیدا کر کے ایسے بھول جاتے ہیں جیسے یہ ان کی اولاد ہی نہ ہو۔ دو لوگ اولاد پیدا کر رہے ہیں اس کا مطلب ہے وہ دو لوگ ایک انسان کی ذمہ داری لے رہے ہیں۔ دو لوگ بھی مل کے صرف ایک انسان کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتے؟

رقیہ بیگم، ماہا اور غازان کے بہت زیادہ اصرار پر ریحام نے حلق سے کچھ اتارا تھا اور دوبارہ کمرے میں بند ہو گئی۔ رقیہ بیگم نے شہریار مرزا سے بات کی تھی۔ انہیں ریحام کی حالت کے بارے میں بتایا تھا کہ وہ کتنی دیر روتی رہی ہے۔ رقیہ بیگم خود بھی پریشان ہو گئی تھیں۔ وہ جتنا بھی اس سے خود کو دور رکھ لیتی مگر وہ ان کے وجود کا حصہ تھی اور اٹھارہ سال انہوں نے اپنی انکھوں کے سامنے اس کو بڑھتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اس کا ایک ایک قدم پہچانتی تھیں۔ انہوں نے شہریار مرزا کو بھی قائل کرنے کی کوشش کی کہ ایسا کچھ نہیں ہے ریحام پر ہو سکتا ہے الزام لگایا جا رہا ہو کیونکہ انہیں یقین ہی نہیں تھا۔ وہ ماں تھیں۔ جانتی تھی ان کی اولاد ایسا کبھی نہیں کر سکتی۔ رقیہ بیگم کے کافی سمجھانے کے بعد شہریار مرزا کو احساس ہوا کہ انہیں تھپڑ نہیں مارنا چاہیے تھا اور اس کی حالت کا سن کر بھی وہ کچھ پریشان ہو گئے تھے تو لہذا انہوں نے ریحام کو نیچے بلوایا تھا۔ وہ کچھ بھی کہے بغیر آ گئی تھی اور سپاٹ چہرے سے ان کی طرف دیکھتی رہی۔ شہریار مرزا نے اس

سے کہا تھا کہ اس کا پاسپورٹ اور ویزا اگلے مہینوں تک بن کر آجائے گا تب تک وہ کالج نہیں جائے گی اور وہ کس یونیورسٹی میں ایڈمیشن لینا چاہتی ہے اور کس ملک میں جانا چاہتی ہے یہ بھی بتادے تاکہ اسے باہر بھیج سکیں۔ ریحام یہ سن کر بے یقینی کا شکار تھی۔ مطلب کہ اب ان کے لیے اتنا بوجھ بن گئی تھی کہ وہ اسے یہاں سے بھیجنا چاہتے تھے؟ ریحام نے تلخی سے سوچا اور انہیں لندن اور لائر کا آپشن دے دیا۔ مگر شہریار مرزا نے اس پر سختی سے کہا کہ ایسا پیشہ اختیار کرنے کی اسے اجازت نہیں ہے۔ وہ کوئی آسان اور لڑکیوں والا پیشہ اختیار کرے جس سے آگے مشکل پیش نہ آئے۔ وکیلوں کے ہزاروں دشمن ہوتے ہیں۔ وہ اسے اس طرح کا پیشہ اختیار کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔ مگر ریحام اپنی ہٹ دھرمی پہ اتر آئی تھی۔ جس پر شہریار مرزا بھی غصے میں اکر یہ بول گئے کہ اگر تمہیں وکیل بننا ہے تو خود اپنے پیسوں سے بنو میں اس کے لیے تم ایک پھوٹی کوڑی نہیں دوں گا۔ ریحام بے یقینی سے ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ اسے جھٹکے پر جھٹکے دے رہے تھے صرف ایک؟ صرف ایک غلطی کی وجہ سے جو کہ حقیقت بھی نہیں تھی۔ وہ بغیر کسی تصدیق کیے اس پر اپنے حکم لاگو کیے جارہے تھے اور ایسے انسان کے لیے کہاں یہ برداشت کرنا ممکن ہے جو کہ صرف اپنی مرضی کرتا آیا ہو لہذا ریحام نے تلخی سے کہا" مجھے آپ کے پیسوں کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ ویسے بھی وکیل بننے کے لیے پیسوں کی نہیں دماغ کی ضرورت ہوتی ہے اور اب میں آپ کو آپ کے پیسوں کے بغیر وکیل بن کر دکھاؤں گی۔" جس پر وہ پیچ و تاب کھا کے رہ گئے۔ حیران تو رقیہ بیگم بھی تھیں صرف ایک بے بنیاد الزام کی وجہ سے وہ اپنی اولاد سے اپنا یقین کھو بیٹھے تھے۔ مگر پھر انہیں یاد آیا کہ جو انسان اپنی بیوی کے ساتھ یہ رویہ رکھ سکتا ہے تو وہ اولاد کا کیسے سگا ہو سکتا ہے؟ ریحام یہ سب کچھ شہریار مرزا کو کہہ تو چکی تھی کہ وہ ان کے پیسوں کے بغیر وکیل بنے گی۔ مگر وہ حد درجہ پریشان تھی۔

تقریبا تین سے چار دن تک وہ پریشان حال رہی اسے سمجھ نہیں آرہا تھا، وہ کہاں جائے۔ جاب کیسے کرتی اس کے پاس اتنی تعلیم نہیں تھی۔ وہ سیکنڈ ایئر کی سٹوڈنٹ تھی۔ مگر یکدم اس کے دماغ میں جھماکہ

سا ہوا اور ایک خوشی کی نئی لہر اس کے اندر دوڑ گئی۔ آج تقریبا ایک ہفتے بعد وہ تھوڑا بہت خوش اور مطمئن ہوئی تھی۔ ورنہ شہریار مرزا کے رویے اور اس واقعے کی وجہ سے وہ شدید ڈپریشن کا شکار ہو رہی تھی۔ اسے خیال آیا کہ چاچو کا جو بزنس ہے جو کہ شہریار مرزا ہی سنبھالتے ہیں ان کے اندر کوئی اچھی خاصیت ہو یا نہ ہو مگر وہ ایماندار تھے آج بھی حمدان کا حصہ وہ باقاعدگی سے اس کے اکاؤنٹ میں ڈلواتے تھے۔ چاچو کی وصیت کے مطابق اگر تو ان کی کوئی اولاد ہو گی تو ڈپرسنٹ شیئرز غریب خانوں کے ہو جائیں گے اور باقی نوے پرسنٹ ان کی اولاد اور بیوی میں تقسیم کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر ان کی کوئی اولاد یا بیوی نہیں ہو گی تو تقریبا تیس پرسنٹ شیئرز غریب خانے میں جائیں گے اور ستر پرسنٹ ان کے بھائی بہن کے بچوں یعنی کہ شہریار مرزا اور فارحہ بیگم کے بچوں کے نام کر دیا گیا۔ ریحام اپنا مسئلہ حل ہونے پر بے تحاشہ خوش اور چاچو کی یاد پر عابدیدہ ہو گئی تھی۔

"چاچو آپ نہ ہو کر بھی ہر وقت میری مدد کے لیے تیار ہیں۔ آپ سا مخلص مجھے کوئی نہ ملا۔"

ریحام نے شہریار مرزا کو بتا دیا کہ اس کا ویزا پاسورڈ اور ایڈوانس فیس کا جو بھی خرچہ ہو گا وہ چاچو کے بینک اکاؤنٹ سے ہو گا۔ شہریار مرزا اب کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ وہ دونوں صرف ایک بے اعتباری کی وجہ سے اتنی دور ہو گئی تھی۔ رشتوں میں اعتبار نہ ہو تو وہ کھوکھلے ہو جاتے ہیں۔

شہریار مرزا نے تو اسے اڑان بھرنا سکھایا تھا اور اب وہ اس کو قید کر رہے تھے۔ دنیا جہاں کی آزادی اور محبت دے کر اب یک دم سختی اور بے اعتباری دکھانا اسے اندر ہی اندر توڑ رہی تھی۔

ریحام نے صرف ایڈوانس فیس، داخلہ فیس جو کہ بہت ضروری تھی، صرف وہی پے کروائی تھی۔ باقی اس کا کوئی نوکری کر کے ادا کرنے کا ارادہ تھا۔ وہ جانتی تھی اخراجات صرف فیس کے نہیں ہیں بلکہ رہنے کے لیے چھت اور کھانے کے لیے پیسے کی بھی ضرورت ہے۔ مگر وہ زیادہ ان پیسوں میں سے خرچ نہیں کرنا چاہتی تھی تاکہ اس کے پاس بھی چاچو کی یادوں میں سے کچھ رہے۔

تقریبا ایک مہینہ گزر چکا تھا اس سارے واقعے کو اور اس تمام عرصے میرے ریحام کالج سے دستبردار ہو چکی تھی۔ کھانا پینا بولنا بہت کم کر چکی تھی وہ اپنے کمرے سے نہیں نکلتی تھی۔ مشال فریال کو وہ بتا چکی تھی کہ اب وہ لندن جا رہی ہے۔ مگر اصل وجہ نہیں بتائی تھی۔ غازان ماہا کی بانسبت سمجھدار اور بڑا تھا وہ سب کچھ محسوس کر سکتا تھا اسی لیے ایک مہینے میں علم ہو چکا تھا۔ اسے ریحام پر یقین تھا وہ چودہ سال کا تھا۔ وہ اس کی ماں جائی تھی اور وہ تو خود اسے سکول کا اسلامیات کا سبق محرم اور نام کتنی تفصیل اور ڈھکے چھپے الفاظ میں سمجھا چکی تھی۔ اسے اس پر اعتبار تھا۔ مگر ریحام خود قریب نہیں آنے دیتی تھی۔

وقت ایک ہفتہ مزید گزر گیا اور اس سب میں ریحام کی چپ ابھی تک نہیں ٹوٹی تھی۔ وہ بس مشال اور فریال سے ایک دفعہ جا کر ملے گی اور وہ بھی اسے سی اف کرنے آئی تھیں۔ ریحام شہریار مرزا اور رقیہ بیگم کے علاوہ سب سے ملی تھی۔ شہریار مرزا اس کی ڈھٹائی پر حیران تھے۔ وہ باپ تھے۔ ان کا دل تڑپا اسے اپنے اپ سے اتنی دور بھیجنے کے لیے۔ سینے سے لگانے کے لیے مگر ریحام کا رویہ دیکھتے وہ خود کے اس کے قریب نہیں گئے۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

وقت ریت اور پانی کی مانند گزر جانے والی چیز ہے۔ وقت کبھی کسی کے لیے رکا ہے جو ریحام کے لیے رکتا؟ تین سال گزر گئے تھے، ریحام کو پاکستان سے لندن آئے۔ اس تمام عرصے میں اس نے ایک دفعہ بھی پاکستان کا چکر نہیں لگایا تھا۔ جہاں اس کے پاکستان ساتھی طلبہ سال میں دو دو بار پاکستان جا رہے تھے، وہ ایک بار بھی نہیں گئی تھی۔ وہ ایک ویٹرس کی نوکری کر کے مشکل سے اپنے اخرجات مکمل کر رہی تھی۔ اس سب میں وہ عرصے مشال، فریال، غازان اور ماہا سے رابطے میں تھی جو کہ انہی کی طرف سے رکھا گیا تھا۔ رقیہ بیگم اگر کبھی فون کرتی بھی تو وہ فون نہیں اٹھاتی تھی۔ آج تین سال بعد وہ مشال سے ملی تھی۔

مشال کے ماموں لندن میں رہتے تھے، لہذا جب ریحام ان چاروں کے بار بار اصرار پر بھی پاکستان نہیں آئی تو اس کے بعد یہ اچھا موقع تھا۔ وہ اس طرح ریحام سے مل سکے گی۔ مشال کے ماموں پاکستان آئے ہوئے تھے تو وہ انہی کی ساتھ آئی تھی۔ وہ پہلے ہی اسے بتا چکی تھی کیونکہ سرپرائز دینے سے رہی۔ وہ نہیں جانتی تھی ریحام کہاں رہتی ہے۔ ریحام نے ہوسٹل کے بجائے ایک کمرے کا اپارٹمنٹ میں دو پاکستان لڑکیوں کے ساتھ مل کر کرائے پر لیا تھا۔ ہاسٹل کی پابندیوں سے یہ بہتر تھا ریحام جب مشال سے ملی تو ریحام کو دیکھ کر حیرت زدہ تھی کیونکہ ریحام بہت کمزور ہو چکی تھی۔ ہڈیاں اور نسوں باہر کو ابھر رہی تھی جبکہ آنکھوں کے گرد ہلکے پڑ گئے تھے۔ مشال کے پوچھنے پر اس نے کہا کہ بس تم کافی عرصے بعد دیکھ رہی ہو اس لیے۔ جبکہ پورا دن پڑھائی اور پھر کام کی مشقت کے بعد یہی سب کچھ ہونا تھیا۔ ریحام نے مشال اور فریال کو کچھ نہیں بتایا تھا۔ وہ اپنے معاملات اپنے تک رکھنے کی عادی تھی۔ مگر مشال اور فریال اتنی بھی بچی نہیں تھیں کہ معاملے کو سمجھ نہ سکیں۔ اس واقعے کے بعد ریحام کا کالج نہ آنا اور پھر اچانک لندن۔۔ وہ سب سمجھ چکی تھیں۔ مگر وہ ریحام کا بھرم ہے رکھے ہوئے تھیں۔

تقریبا ایک ہفتہ ہو گیا تھا مشال کو لندن آئے۔ وہ اپنے ماموں کے گھر رہتی تھی۔ مگر روز اس سے ملنے کے لیے آتی تھی۔ وہ روز دو سے تین گھنٹوں اس کے ساتھ گزارتی تھی۔ مگر اج مشال کا ارادہ تھا کہ وہ ریحام کے ساتھ ہی رات گزارے۔ ایک کمرے کے اپارٹمنٹ میں جہاں تین لڑکیاں ہوتی تھیں، آج رات چار ہونے والی تھیں۔ ریحام نے مشال کو ریسٹورنٹ ہی بلا لیا تھا۔ اور اب وہ دونوں اپارٹمنٹ کے لیے نکل چکی تھیں۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ وہ لندن کے سڑکوں سے اب گلیوں کے اندر داخل ہو چکی تھیں ل۔ سنسان گلیاں، کتوں کے بھونکنے کی آوازیں کسی بھی انسان کو خوف میں مبتلا کر دیں۔ مشال تھوڑی بہت خوفزدہ ہو گئی تھی۔ جس پر ریحام نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ یہاں ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ جس پر وہ تھوڑا

بہت بہتر ہو گئی تھی۔ وہ دونوں باتیں کرتی ہوئیں گلیوں سے گزر رہی تھیں۔ مشال کی طرف سے یہ سلسلہ چل رہا تھا جبکہ ریحام بس مختصر سا جواب دے رہی تھی۔ مشال کے کسی بات پر ریحام قہقہہ لگا کر ہنسی، مگر شاید لندن کی گلیوں کو اس کی ہنسی پسند نہیں آئی تھی۔

یور سمائل از بیوٹی فل ہاٹ گرل!

اچانک دو آدمی ایک حبشی اور ایک گورا ان دونوں کے پیچھے سے نمودار ہوئے۔

مشال یکدم خوفزدہ ہو گئی جبکہ ریحام بھی ڈر گئی تھی۔ مگر خود کو مضبوط ظاہر کرتے ہوئے اپنے چہرے پر کوئی تاثر نہیں آنے دیا۔

عورت اور مرد میں یہی تو فرق ہوتا ہے کہ مرد فطرتاً مضبوط ہوتا ہے جبکہ عورت مضبوط بننے کا صرف دکھاوا کرتی ہے۔

مائنڈ یور اون ورک!

مشال کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے ریحام کہہ کر آگے کی طرف بڑھنے لگی کہ اچانک پیچھے سے آواز آئی۔

(Would you both spend a night with us?)

(کیا آپ دونوں ہمارے ساتھ ایک رات گزارنا پسند کریں گی؟)

اس کی غلاظت پر دونوں کے دل اور بدن لرزے۔ مگر وہ رکیں نہیں آگے کی طرف بڑھنے لگیں اور وہ دونوں ان کے پیچھے پیچھے تھے۔

(Where?)

(کہاں؟)

انہیں رکتے اور اپنے ہاتھ نہ آتے دیکھ کر گورے نے ریحام کا بازو پکڑ کر مشال کا ہاتھ اس سے الگ کیا۔ جبکہ حبشی آدمی نے تیزی سے مشال کو اپنی شکنجے میں جکڑ لیا۔

اپنے آپ کو ان غلیظ مردوں کی گرفت میں پا کر وہ دونوں مر جانے کو ہوئیں۔ مشال کو تو جیسے لگا وہ مر جائے گی، جبکہ ریحام مسلسل ہاتھوں کو چلا کر خود کو چھڑوانے کی کوشش کر رہی تھی۔

مشی خود کو چھڑواؤ۔۔ ریحام مشال کو روتے دیکھ کر چیخی، جبکہ وہ خود گوری کے گرفت میں کسمسا رہی تھی۔

چھوڑو مجھے گھٹیا انسان۔۔ ریحام اس پر جھپٹی مگر وہ بروقت مضبوطی سے اسے تھام کر اس کے دونوں ہاتھوں کو گرفت میں لے گیا۔ اس کی اتنی مضبوط گرفت پر ریحام کو اپنے ہاتھوں کی ہڈیاں ٹوٹتی ہوئی محسوس ہوئیں۔

چھوڑو۔۔ چھوڑو بابا، ماموں۔۔ مشال بری طرح سے روتے ہوئے بے ربط الفاظ کہہ رہی تھ۔ ی مگر وہ ایک ہٹے کٹے مرد کے گرفت میں ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔ یکدم حبشی نے اپنی جیب سے چاکو نکال کر مشال کی شاہ رگ پہ رکھ دیا، جس کو دیکھ کر ان دونوں کے چہرے خوف سے سفید پڑ گئے۔

چھوڑو دیکھو پلیز چھوڑ دو ہمیں۔۔ ہم نے تم لوگوں کو کیا بگاڑا ہے؟ عزت کے جانے کا خوف اندر ہی اندر ریحام کو مار رہا تھا۔ اسی لیے التجائیہ انداز میں انگریزی میں بے بسی سے بولی۔

اس کی بات سن کر وہ دونوں قہقہہ لگا کر ہنسے۔ ان کی ہنسی ان دونوں کو اپنے کانوں میں کھبتی ہوئی محسوس ہوئی۔

ریحام کی کلائیاں ابھی بھی اس گورے کی گرفت میں تھیں۔ جبکہ مشال کی شہ رگ پر چاکو موجود تھا۔ انہیں پاگلوں کی طرح ہنستا دیکھ کر ریحام کے اندر کی پاگل ریحام جاگ گئی۔ اس نے یکدم سے ایک زوردار ٹانگ اس گورے کے پیٹ کے نیچے دے ماری۔ حملہ اس قدر شدید تھا کہ یکدم اس کی گرفت ریحام کے ہاتھوں پر ڈھیلی پڑی اور وہ خود تکلیف سے سرخ چہرہ لیے زمین پر بیٹھ گیا اور اسے گالیوں سے نوازنے لگا۔

یو بلڈی! حبشی نے ایک ہاتھ سے ریحام کو جکڑ لیا۔

مشال نے اب چاکو پر اپنا ہاتھ رکھ کر زبردستی حبشی کا ہاتھ اپنی شاہ رگ سے پیچھے کرنا چاہا۔ مگر ناکام رہی مشال بار بار مزاحمت کر رہی تھی جبکہ ریحام اپنا ہاتھ چھڑوانے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی۔ حبشی کو ایک ہاتھ سے ایک لڑکی کو قابو کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

اچانک اس گورے نے اپنے درد پر قابو پاتے ریحام کو حبشی سے چھیننے کے لیے ایک جھٹکا دے کر اپنی طرف کھینچنا چاہا مگر وہ جھٹکا اس قدر شدید تھا کہ حبشی کا ہاتھ جو کہ مشال کی شہہ رگ پر تھا بری طرح سے مشال کی شاہ رگ کو چیر گیا۔ چاکو اس قدر تیز تھا کے ایک ہی جھٹکے میں خون تیزی سے مشال کی شہہ رگ سے نکل پڑا۔ مشال کا وجود ڈھیلا پڑ گیا۔ وہ زمین پر گر پڑی۔ خون زمین اور مشال کو رنگتا جا رہا تھا۔

"مشال؟" ریحام بے یقینی سے جبکہ وہ دونوں آدمی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس کا خون دیکھ رہے تھے۔ ان کا قتل کا ارادہ نہیں تھا۔ ہوش میں آنے پر وہ ریحام کو چھوڑ کر وہاں سے بھاگے۔ ریحام تڑپ کر مشال کی طرف بڑھی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا چاکو اس کی اپنی شاہ رگ کو کاٹ دیا گیا ہو۔

اٹھو مشال پلیز۔۔ ریحام کے آنسو جو عزت کے خوف کے جانے سے نہیں نکلے تھے۔ مشال کو اس حالت میں دیکھ کر نکل آئے۔ یکدم اس نے ہوش میں آتے ایمبولنس کو کال ملائی اور بار بار مشال کو ہوش میں رہنے کا کہہ رہی تھی۔ ریحام کو خود سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں مشال کے ساتھ گزارا ایک ایک لمحہ اس کی آنکھوں میں کے سامنے گھومنے لگا۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے مسلسل ہوش میں رہنے کا کہہ رہی تھی۔ آنسو اس کے گالوں کو بھگو رہے تھے۔

گاڑی آ چکی تھی۔ اسے گاڑی میں سٹیچر پر لٹایا جا رہا تھا۔ مشال کا ہاتھ ابھی تک ریحام کے ہاتھ میں تھا۔ مشال بری طرح سے تڑپ رہی تھی۔ اس کی سانسیں اکھڑنے لگیں۔ ایمبولنس ہسپتال کی طرف گامزن تھی۔ مگر مشال کا سانس بری طرح سے اکھڑ رہا تھا۔

پلیز مشی سانس لو مشی ایسا نہیں کرو مشی۔۔ ریحام کو مشال کے ساتھ ساتھ اپنا سانس بھی بند ہوتا ہوا محسوس ہوا۔ مشال نے آخری دفعہ اپنی آنکھوں کو بمشکل کھول کر ریحام کو دیکھا جیسے آخری مرتبہ ان آنکھوں میں کسی کو قید کر رہی ہو۔ ماں باپ کو دیکھنے کی حسرت دل میں لیے اس نے آنکھیں بند کر لیں، جیسے دنیا سے کنارہ کر لیا ہو۔

مشال کے وجود کی جنبش بند ہو چکی تھی۔ جسم ساکت ہو چکا تھا، کبھی نہ اٹھنے کے لیے، روح قید کر لی گئی تھی۔ مشال جعفری دنیا سے ہمیشہ کے لیے روٹھ چکی تھی۔

اس کے جسم کو ساکت دیکھتے ہوئے ریحام پاگلوں کی طرح اس سے پکارنے لگی۔ مگر وہ تو چلی گئی تھی کبھی نہ آنے کے لیے۔

میم شی از نو مور! نرس نے اسے پاگلوں کی طرح چیختے دیکھ کر کہا اور مشال کے چہرے کے اوپر کپڑا کر دیا۔

یہ الفاظ نہیں تھے پگلا ہوا سیسا تھا جو کہ گرم گرم ریحام کے کانوں میں انڈیل دیا گیا تھا۔

اس کے ذہن میں مشال تھی اور بس مشال کی باتیں تھیں۔

"مشال جعفری مرتے دم تب تمہارے ساتھ رہے گی۔"

ریحام کے ذہن میں مشال کے الفاظ ابھرے۔

مشال کی پینٹ کی جیب میں فون کی گھنٹی بج رہی تھی۔ مگر ریحام کو تو اپنا ہوش نہیں تھا۔

مجبوراً نرس نے فون اٹھا کر کال کرنے والے کو اطلاع دی کیونکہ اب ہسپتال جانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

"شی از نو مور" یہ الفاظ سن کر ریحام کچھ معلوم نہیں تھا کہ وہ کہاں ہے؟ کیوں ہے؟ کیسے ہے؟ اور کیا ہوا؟ اس سب کے بعد وہ اپنے ہوش گوا بیٹھی تھی۔

مشال کے ماموں خود آبدیدہ تھے۔ جوان بچی کی موت تھ۔ ی بچی بھی وہ جو اپنے والدین کی اکلوتی اولاد۔ بہن کی بیٹی مطلب اپنی بیٹی۔۔ انہوں نے پاکستان میں مشال اور ریحام دونوں کے گھروں میں اطلاع کر دج تھی۔ خود وہ مشال کی ڈیڈ باڈی کو لے کر ریحام اور اپنی پوری فیملی کے ساتھ روانہ ہو چکے تھے۔ ریحام کو ہوش آیا تو مشال کے ماموں کے گھر پر تھی اور اب پاکستان میں۔ ایک سکوت تھا جو اس کے اندر تک پھیل گیا تھا۔ موت کی خبر سننے کے بعد سے لے کر اب تک اس کی آنکھ سے ایک انسو نہیں ٹپکا تھا۔ ایسے لگتا تھا جیسے صرف جسم ہو روح تو جیسے تھی ہی نہیں۔۔ جیسے کوئی مردہ ہو۔ دوستوں کے جانے پر دل مردہ ہی ہو جاتے ہیں کیونکہ وہی تو ہوتے ہیں جو ہمارے دلوں کو زندہ رکھے ہوتے ہیں۔

یہ وقت مشال کے گھر والوں کے لیے بہت کٹھن تھا۔ فریال تو سمجھ ہی نہیں پا رہی تھی ایک دوست کو ہمیشہ کے لیے کھو دیا تھا تو دوسری اس دنیا میں ہی کہیں گم ہو گئی تھی۔

سب کے پوچھنے پر بھی وہ کچھ نہیں بتا پا رہی تھی آخر یہ سب ہوا کیسے۔۔ تقریباً ایک مہینے کے بعد اس نے یہ سب کچھ مشال کی ماں کو بتایا تھا اور اس کے بعد پھر وہی خاموشی۔۔ اس نے ہنسنا، بولنا، کھانا، پینا سب چھوڑ دیا تھا۔ اس کی حالت حمدان کے جانے کے بعد سے زیادہ خراب تھی۔ تب وہ رو لیتی تھی اور اب روتی بھی نہیں تھی۔ اور جب تکلیف آنسو بن کر نہ بہیں تو وہ تلخی بن جاتے ہیں۔

شہریار مرزا اور رقیہ بیگم پریشان تھے۔ غازان اور ماہا بھی اس سے بولنے کی کوشش کرتے، مگر وہ بس خالی خالی نظروں سے ان کو دیکھتی رہتی۔ مشال کے ماموں ایک مہینے کے بعد واپس جانے کی تیاری کر رہے تھے لہذا ریحام نے بھی کہا کہ میں بھی لندن جاؤں گی۔ مگر کوئی بھی اسے اب دوبارہ لندن بھیجنے پر آمادہ نہیں تھا اور اس سب کے بعد تو بالکل بھی نہیں۔ مشال کے کی امی نے ہی سب کو بتایا تھا وہ بہت صابر خاتون تھی مشال کے باپ بھی بہت اچھے انسان پہ نہیں تو کوئی اور ہوتا تو اس سب کا ذمہ دار اسے ٹھہراتا کہ تمہارے ساتھ ہی تھی ہماری بیٹی۔

شہریار مرزا اب اس پر سختی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ کچھ وہ اپنے کیے پر بھی شرمندہ تھے۔ اس کی ضد پر مشال کے ماموں نے اسے اپنے ساتھ رکھنے رہنے پر آمادہ کیا تاکہ وہ اس کی حفاظت کر سکیں۔ ریحام نے بھی حامی بھر لی۔ وہ ہر حال میں لندن جانا چاہتی تھی۔ اس کا آخری سال تھا۔ شہریار مرزا اور قیہ بیگم کے رویے کی وجہ غازان نے ریحام کو بتادی تھی کہ میر حاشر آج سے ایک سال قبل آیا تھا۔ اس کی بہن اپنے گھر سے بھاگ گئی تھی۔ اسے احساس ہوا کہ اس نے ایک عورت کے ہی کردار پر بھرے بازار میں بہتان لگایا تو آج اسے یہ

دن دیکھنا پڑا۔ مگر وہ تو جیسے اندھی، گونگی اور بہری ہو گئی تھی۔ اسے جیسے نہ کوئی چیز سے فرق پڑ رہا تھا۔ نا میر حاشر کی معافی سے اور نہ ہی شہریار مرزا اور رقیہ بیگم کی شرمندگی سے، وہ ہر چیز سے بے نیاز ہو گئی تھی، خود سے، اور خود سے جڑے رشتوں سے۔

چاچو کے کھونے پر اسے لگتا تھا۔ اس نے اپنا بچپن کھو دیا ہے۔ باپ کی بے اعتباری پر لگتا تھا جوانی اور مشال کی موت نے تو اسے وقت سے پہلے ہی بوڑھا کر دیا تھا۔

وقت کی رفتار میں کمی آنے کے بجائے تیزی آتی گئی۔ آخری سال بھی گزر گیا اور وہ وکیل بن گئی۔ مگر یہ آخری سال پچھلے تین سالوں سے زیادہ بھیانک تھا۔ وہ واپس آگئی تھی۔ یہاں آکر وہ وکالت میں اپنے قدم جما لیے تھے۔ اس نے ماہا اور غازان کے ساتھ اپنے تعلقات درست کیے اور دوستانہ رویہ اختیار کیا۔ بس ایک یہی اچھا بدلاؤ تھا۔ جو اس میں آیا تھا۔ ماہا ایئر لائن پائلٹ بننا چاہتی تھی، جس پر ریحام نے اسے بی اے کے بعد داخلہ لینے کو کہا۔ غازان اور ماہا کی پڑھائی کا خرچہ اس نے خود پر لے لیا تھا۔ مرزا صاحب کچھ نہیں بولے۔ مگر اس کی وکالت کی وجہ سے دھمکیاں اور مختلف حملے ہونے لگے تھے۔ سیکیورٹی بڑھائی جا چکی تھی۔ اسی وقت سے وہ ڈرتے آرہے تھے۔ مگر ریحام نے کہاں سنی تھی کسی کی۔ کبھی کبھی ماں باپ کی سن

لینی چاہیے۔ ورنہ انسان کی ضد اور انا اسے کھا جاتی ہے۔ جیسے ریحام کو نگل گئی تھی۔ اندر سے وہ ایک کھوکھلی دیوار کی مانند تھی۔ رقیہ بیگم اس کے کپڑوں پر یا گھر کے کاموں کے لیے اسے سمجھانے کی کوشش کرتیں تو وہ بگڑ جاتی۔۔ وہ انہیں ابھی تک معاف نہیں کر سکی تھی۔

ہر انسان کے کیریئر میں ایسا وقت ہوتا ہے جب اسے شہرت ملتی ہے۔ ریحام کو اپنے کیریئر کے تیسرے سال میں یہ شہرت ملی۔ لوگ اب اس کے اس کے پاس کیس کے لیے دوڑے دوڑے آتے تھے۔ تب وہ چھبیس سال کی تھی۔ انہی سب کے دوران اس کی حذیفہ سے ملاقات ہوئی۔ ریحام سے وہ اپنے بزنس کے کسی وجہ سے کیس لے کر آیا تھا۔ کسی نے اس کے ساتھ ڈبل گیم کھیل تھی۔ اس کیس کو ریحام نے ہینڈل کیا تھا۔ ریحام جتنے بھی مردوں سے ملی تھی۔ آج تک ایسا نرم، دھیما، شائستہ مزاج آدمی اس نے کہیں نہیں دیکھا تھا۔ وہ یہ بھی محسوس کر چکی تھی کہ حذیفہ اسے پسند کرنے لگا ہے، مگر خاموش رہی اسے ان چیزوں سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ مگر کچھ دن میں ریحام کو بھنک پڑ چکی تھی کہ شہریار مرزق اپنے کسی بزنس فرینڈ کے بیٹے سے اس کی شادی کرنا چاہتے ہیں۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

مگر اگلی شام حذیفہ نے اسے پروپوز کر دیا۔ اس کے لیے حذیفہ ایک بہترین آپشن تھا کیونکہ وہ اس سے مل چکی تھی۔ اس کے کردار کو پرکھ چکی تھی اور اب شہریار مرزا کے بزنس فرینڈز تو وہ قطعی شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ لہذا اس نے شہریار مرزا کے اس سے بات کرنے سے پہلے ہی انہیں حذیفہ کے بارے میں بتا دیا۔ حذیفہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا شہریار مرزا پریشان ہو گئے تھے۔ جمیلہ بیگم کو سب بتایا تو انہوں نے انہیں منع کر دیا کہ وہ کسی طرح ریحام کو روک لیں، کیونکہ اگر ایسا ہو جاتا تو معاملات بہت بگڑ جاتے۔ مگر ریحام ہٹ دھرمی پر اتر آئی تھی۔

اس نے یہ بھی کہہ دیا کہ اس بار تو میں نے آپ کو بتایا ہے۔ وہ طنز کر رہی تھی، مرزا صاحب جانتے تھے۔ وہ پچھلی بات کا حوالہ دے رہی تھی۔ انہیں اب ریحام سے ڈر لگتا تھا کہیں وہ کچھ الٹا سیدھا نہ کر دے، لہزا انہوں نے نتیجے کا سوچے بغیر سب کچھ وقت پر چھوڑ دیا۔

غاذان بول کر خاموش ہو چکا تھا جبکہ حذیفہ، ماہا اور زینیا ابھی تک گم سم تھے۔ ماہا کو گھر کا چھوٹا ہونے کی وجہ سے صرف مشال کی موت کی خبر کے بارے میں ہی علم تھا۔

حذیفہ کو اب سمجھ ایا ریحام ایسی کیوں ہے؟ خذیفہ کو اب سمجھ آیا تھا، اس کا اجنبی رویہ، بے اعتباری۔ وہ صرف چند تصویروں کو لے کر کیوں بد گمان ہو گئی تھی۔ ریحام نے کبھی بھی یہ باتیں غازان وہ نہیں بتائیں۔ اس نے اپنے دل کی باتیں کبھی بھی کسی کو نہیں بتائیں تھیں۔ ہر تکلیف اپنی تکلیف کو اپنے اندر ہی رکھا تھا۔ اس سب میں غاذان کو بس یہ نہیں معلوم تھا کہ کب ریحام کو یہ بیماری کب ہوئی۔

تقریبا مزید آدھے گھنٹے بعد انہیں ریحام کے ہوش میں انے کی اطلاع دی جا چکی تھی من جس پر وہ چاروں تیزی سے کمرے کی طرف بڑھے ل۔ جہاں وہ چت لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔ اس کا وجود آج بھی خاموش تھا۔ اپنی تکلیفوں پر رونا تو اس نے کب کا چھوڑ دیا تھا۔ ایک ہاتھ پہ ڈرپ لگی ہوئی تھی اور چہرہ زردی مائل تھا۔ اسے اس حالت میں دیکھ کر حذیفہ نے اپنی خشک ہونٹوں پر زبان پھیری۔ حذیفہ کونے میں ہی کھڑا رہا جبکہ ماہا اور غزان تیزی سے بہن کی طرف بڑھے، زینیا بھی انہی کی طرف بڑھی۔

کیسی ہیں آپ آپی؟ غاذان نے بہن کے ماتھے کو بوسہ دے کر اس سے پوچھا۔

ٹھیک!

اس کے پوچھنے پر ریحام نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے مختصر کہا

آپی اپ نے توڈراہی دیا تھایار۔۔ماہانے بھرائی ہوئی آواز میں کہتے ریحام کے ہاتھ پر بوسہ دیا۔

ائی ایم سوری ریحام! مجھے معاف کر دو۔ یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے۔ میں تمہیں یہ سب نہ بتاتی اور نہ تمہاری یہ حالت ہوتی۔۔زینیا نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

تم نے بہت اچھا کیا خود کے لیے سٹینڈ لیا۔ یہ میرے لیے بس وہ ایک دھچکا تھا، جس کی وجہ سے میں نے ایسا رویہ اختیار کیا۔ ریحام نے بے تاثر لہجے میں کہا۔ اچانک ریحام کی نظر کونے میں کھڑے حذیفہ پر پڑی۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ گہری آنکھوں میں ویرانی تھی تو بھوری آنکھوں میں فکر اور پریشانی۔ نظریں ملتے ہی حذیفہ نے گہری سانس بھری۔ چلو آخر کار وہ اسے نظر تو آیا۔

ٹھہر ٹھہر کے خدارا کلام کیجئے ناں
اداس شب کا بھی کچھ احترام کیجئے ناں

سنا ہے آپ کی آنکھیں ہیں بادشاہ آنکھیں
نظر اٹھایئے ہم کو غلام کیجئے ناں

ریحام نے آنکھیں موند لیں۔

تم لوگ ایسا کرو گھر چلے جاؤ میں ریحام کے پاس ہوں۔ حذیفہ نے براہ راست ان تینوں کو مخاطب کیا۔

مگر میں آپی کے ساتھ رکنا چاہتی ہوں۔۔ماہانے غازان کو دیکھتے ہوئے التجائیہ انداز میں کہا۔

میں تو ابھی آرام کروں گی۔ تم یہاں کیا کرو گی؟ شاباش گھر جاؤ۔۔ ریحام نے اس کی بات سن کر اسے پیار سے پچکارا

وہ بے دلی سے رضامند ہو گئی۔

"زینیا!" وہ تینوں باہر نکلنے لگے کہ ریحام نے زینیا کو مخاطب کیا۔

کہاں رہو گی؟ ریحام کو اپنا اپ اس کی تکلیف جا کے کچھ بھی نہیں لگ رہا تھا۔

ابھی زینیا کچھ کہنے کے لیے منہ کھولتی کہ ریحام نے اس کی بات بیچ میں ہی کاٹ دی۔

غازی اسے میرے گھر چھوڑ دینا اور زرینہ سے کہنا خیال رکھے اس کا۔۔ ریحام نے کہتے ساتھ آنکھیں موند لیں۔

مگر ابھی زینیا اسے یہ بتاتی کہ وہ فلائٹ بک کر چکی ہے اس سے پہلے ہی ریحام بول پڑی۔

باقی باتیں کل۔۔ اب کے اس کی آواز نقاہت زدہ تھی

زینیا نے اس کے حتمی انداز پر ماہا اور غزان کے ساتھ باہر کی طرف قدم بڑھائے

اس سب میں حذیفہ ابھی بھی وہیں کھڑا تھا ان تینوں کی نکلتے ہی وہ ریحام کے قریب آیا۔

کیسی طبیعت ہے؟ حذیفہ اس کے قریب آ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

ریحام نے آنکھیں موندے سر ہلا دیا۔

تم آرام کرو میں ڈاکٹر سے مل کر اتا ہوں۔۔ حذیفہ نے کرسی سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

غازان ماہا کو ڈراپ کر کے زینیا کو چھوڑنے چلا گیا، جبکہ ماہا گھر کے اندر کی طرف بڑھ گئی۔ ماہا ابھی لاونج میں داخل ہوئی کہ اسے شہریار مرزا سیڑھیوں سے نیچے اترتے ہوئے نظر آئے۔ ساری حقیقت اور ان کی

دوسری شادی جاننے کے بعد ماہا بھی ان سے بد گمان ہو چکی تھی۔ ماہا خاموشی سے اپنے کمرے کی طرف بڑھنے لگی کہ شہریار مرزا نے اسے دیکھتے ہوئے پکارا۔ وہ رکی مگر مڑی نہیں۔۔

کہاں تھے تم لوگ؟ ان کے لہجے میں بے چینی تھی۔ ان کے خاص ملازم نے گھر کیے اندر موجود ملازمت سے پوچھا تھا جس نے یہ کہہ کر کہا تھا کہ کسی ہسپتال کے ذکر پر وہ سب اکٹھے کہیں چلے گئے ہیں یہ سب اس نے مرزا صاحب کو جب سے بتایا تھا وہ کب سے پریشان تھے کیونکہ ریحام کے جذباتی طبیعت اندازہ تھا۔

ہسپتال! ماہا نے مختصر جواب دیا.

کیوں؟ یہ سوال کرتے ہو اس کی زبان ہلکی سی کانپی.

"ریحام آپی کو مائیگرین اٹیک ہوا تھا۔" مڑے بغیر بے تاثر چہرے سے کہتی وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی اس کے جواب پر وہ کئی لمحے بے یقینی سے کھڑے رہے۔

رقیہ بیگم جو کہ کب سے کمرے میں بند تھیں۔ ان کے کمرے کا دروازہ ناک ہوا۔ کئی بار جب دروازہ ناک کرنے پر بھی اندر سے کوئی آواز نہیں ائی تو ملازمہ کمرے میں داخل ہوئی۔ ملازمہ نے ادھر اُدھر نظر گھمائیں تو رقیہ بیگم صوفے پر سر جھکائے بیٹھی نظر آئیں۔ چہرہ جھکانے کی وجہ سے معلوم نہیں ہوتا تھا کہ چہرے پر کیا تاثر ہے۔

بی بی جی؟ ملازمہ کے پکارنے پر انہوں نے نظریں اٹھائیں۔

رقیہ بیگم کی سرخ انکھیں دیکھ کر ملازمہ نے نظریں جھکائیں۔

"وہ ماہا باجی صاحب کو بتا رہی تھیں کہ ریحام بی بی کو کوئی اٹیک ہوا ہے۔" ملازمہ کے کہنے پر رقیہ بیگم نے بے یقینی سے اس کے چہرے کو دیکھا

کیا ہوا ہے میری بچی کو؟ وہ تڑپ اٹھیں۔ وہ صرف اس سے دور ہو گئی تھی اور اس سب میں مرزا صاحب کے رشتوں میں توازن برقرار نہ رکھنے کی وجہ سے ہوا تھا ورنہ جب ریحام کو تکلیف پہنچی ان کا اپنا دل بھی تڑپ اٹھا تھا۔

بی بی جی میں نے جتنا سنا اپ کو بتا دیا باقی اپ ماہا بی بی سے پوچھ لیں۔ ملازمہ نے مودب لہجے میں جواب دیا۔

رقیہ بیگم تیزی سے اٹھ کر ریحام کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

ماہا جو کے کمرے میں اکر خود کو پر سکون کرنے کی کوشش کر رہی تھی اچانک دروازے کھلنے کی آواز پر آنے والے کی طرف متوجہ ہوئی۔

کیا ہوا ہے ریحام کو؟ رقیہ بیگم کے لہجے میں بے قراری ہی بے قرار رہی تھی۔

مائیگرین اٹیک! لٹھ مار انداز میں کہتی وہ واش روم کی طرف بڑھنے لگی۔ ان کا رویہ ریحام کے ساتھ جاننے کے بعد ان سے بھی بدگمان ہو چکی تھی۔ رقیہ بیگم مزید پریشان نظر انے لگی کس ہسپتال میں ہے وہ؟ ماہا جواب دے کر واش روم میں گھس گئی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

رقیہ بیگم نے ماہا کے کمرے سے نکل کر پورچ میں اگئی تا کہ ہسپتال جا سکیں۔ ڈرائیور نے ان کے حکم کی تکمیل کرتے ہوئے گاڑی فورا نکالی فورا گاڑی نکالی۔ مرزا صاحب کچھ دیر پہلے ہی ہسپتال روانہ ہوئے تھے وہ ماہا کا رویہ خود کے ساتھ محسوس کرتے تھے اس لیے وہاں سے ہسپتال کا پوچھنے کے بجائے غاذان سے فون کر کے پوچھ لیا تھا جس کا اس نے بے تاثر لہجے میں جواب دیا۔

شہریار مرزا اور رقیہ بیگم دو گھنٹے ریحام کے پاس بیٹھے رہے کہ شاید وہ انکھیں کھول دے مگر حذیفہ انہیں بتا چکا تھا کہ وہ دوائیوں کے زیر اثر ارام کر رہی ہے اب وہ صبح ہی اٹھے گی اس وقت رات کا ایک بج رہا تھا جس

پر حذیفہ نے انہیں گھر جا کر ارام کرنے کا کہا کیوں کہ ہسپتال میں بھی صرف ایک ہی بندے کے رکنے کی اجازت تھی۔ جس پر وہ جیسے الگ الگ ائے تھے ویسے ہی چلے گئے سب کے بعد والی گاڑی میں جا بھی نہیں سکتے تھے۔۔

ریحام کی حالت دیکھو شہریار مرزا کو کتا غصہ ایا کیا ضرورت تھی انہیں ہاتھ اٹھانے کی، اسے اس حالت میں دیکھ کر ان کی ان پر کیا بیت رہی تھی یہ وہی جانتے تھے۔ اولاد کو تکلیف میں دیکھنا بڑا مشکل ہوتا ہے چاہے پھر وہ گنہگار ہی کیوں نہ ہو وہ تو پھر بے گناہ تھی۔ ریحام نے یہ جذباتی طبیعت مرزا سے ہی چرائی تھی۔۔

گھر آتے ساتھ انہوں نے جمیلہ ہاشم خان کو فون کیا ہے جو کہ سیالکوٹ میں کسی دوست کی شادی پر گئی ہوئی تھیں۔ جمیلہ ہاشم خان سب معلوم ہونے پر حیرت زدہ تھی کیونکہ انہیں زینیا دوست کے ساتھ رات گزارنے کا کہہ کر گئی تھی جو کہ اسلام اباد میں ہی موجود تھی۔ یہ سب انہوں نے شہریار مرزا کو بتایا تو وہ بھڑک اٹھے کہ وہ اولاد پر نظر رکھنے کے بجائے گھومتی پھرتی رہتی ہیں۔ جس پر وہ بھی بھڑک اٹھی تھی کہ اپ کی ہی اولاد ہے میرے اکیلی کی نہیں ہے انہیں ویسے بھی مرزا صاحب کا ہر وقت ریحام کرتے رہنے سے سخت چڑ تھی اور اب بھی جب وہ بار بار کہہ رہے تھے کہ اگر زینیا نہ بتاتی تو یہ سب نہ ہوتا جس سے جس پر انہوں نے چڑ کر فون ہی بند کر دیا تھا۔

صبح کا اجالا لاہور شہر میں اترا یا تھا اور کھکھلاتی ہوئی صبح کا آغاز ہوا۔ پرندوں کی چہچہاہٹ اور خلاف معمولات اج ہلکی ہلکی ہوائیں بھی چل رہی تھی اس وقت صبح کے 11 بج رہے تھے۔ ریحام کو ہسپتال سے چھٹی ہو جانی تھی لہذا حذیفہ انہی کاموں میں لگا ہوا تھا۔ جب کہ ریحام فریش سی جانے کے لیے تیار تھی

حزبہ ہسپتال کرنے میں داخل ہوا تو وہ جانے کے لیے بالکل تیار بیٹھی تھی۔ ناشتہ بھی حذیفہ اسے ایک گھنٹہ پہلے ہی کروا چکا تھا اور ساتھ خود بھی کر چکا تھا۔

چلیں؟ حذیفہ اس کے قریب چلا آیا۔ حذیفہ نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھاما اور اسے سہارا دیا۔ وہ لوگ اب ہسپتال سے نکل کر گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے گاڑی میں بیٹھتے ہی حذیفہ نے ریحام کے گھر کی طرف ڈال دی جانتا تھا وہ وہیں جائے گی۔

حذیفہ اور ریحام بنگلے میں داخل ہوئے تو حذیفہ نے گاڑی پورچ میں پارک کرتے ریحام کو سہارا دے کر باہر نکالا۔ حذیفہ احتیاط کے طور پر اسے سہارا دیے ہوئے تھا۔ وہ دونوں اندر داخل ہوئے تو لاؤنج میں زینیا کی جھنجھلاتی ہوئی اواز سنائی دی۔

" آپ لوگ ہمیشہ اپنے بارے میں کیوں سوچتے ہیں؟ مجھے انسان سمجھیں۔ میں دنیا سے چھپا کر رکھنے والی کوئی چیز نہیں ہوں۔ ابھی بھی اپ کو یہ فکر ہے کہ میڈیا کو معلوم ہو گیا تو؟ آپ کو میری فکر نہیں ہے؟ زینیا کے لہجے میں دکھ ہلکورے کھا رہا تھا۔ ان دونوں کو دیکھ کر وہ خاموش ہو گئی۔

میں اپ سے بعد میں بات کرتی ہوں۔ زینیا نے کہتے ساتھ فون رکھ دیا ہاں میں اب اپنا ہاتھ زیادہ کے ہاتھ چھڑوا لیا تھا آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ہوں لاؤنج کے صوفے پر بیٹھ گئی جدید طرز کا بنا یہ بنگلہ جس نے داخل ہوتے ساتھ ان لان کے دائیں طرف گاڑیوں کا گیرتج اور پھر لان کے درمیان لکڑی کا داخلی دروازے تک جس کے اندر داخل ہوتے ہیں تو سامنے ہی لاؤنج کے دائیں طرف کچن اور اوپر کی طرف گلاس ونڈو جس کے پاس خوبصورت سا پول تھا۔

ریحام نے اپنا ہاتھ حذیفہ کے ہاتھ سے چھڑوا لیا تھا اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی لاؤنج میں موجود صوفے پر جا بیٹھی۔

"السلام علیکم" فون بند کرتے ہی زینیا نے دونوں کو سلام کیا جس کا دونوں نے نارمل انداز میں ہی جواب دیا۔۔نارمل حالات تو تھے نہیں، جو خوشگوار موڈ میں مخاطب ہوا جاتا اور نہ ہی ان کے تعلقات اتنے بہتر تھے۔

حذیفہ بھی صوفے پر بیٹھ چکا تھا لاؤنج میں تین صوفوں کا ایک سیٹ موجود ہے جس پر ٹو سیٹرز اوپر زینیا اور تھری سیٹر سو پر یہاں اور حذیفہ براجمان تھے ان تینوں کے درمیان خاموشی تھی۔

"میری آج شام کی فلائٹ ہے۔ میں اسلام آباد واپس جا رہی ہوں۔" زینیا نے اس خاموشی کو توڑا۔

حذیفہ کو تو کچھ فرق نہیں پڑا کیونکہ اس کا اس سب میں کوئی لینا دینا نہیں تھا مگر اسے صرف ایک ہی چیز کا ڈر تھا اس سب میں ان دونوں کا تعلق متاثر نہ ہو۔

"کیا میں نے تم سے کہا تھا کہ ہم کل بات کریں گے؟" ریحام کا لہجہ طنزیہ تھا۔

"دیکھو مجھے معلوم ہے تم۔۔" ابھی زینیا کچھ کہتی کہ ریحام نے درشتی سے اس کی بات کاٹ دی۔

کیا میں نے کہا تھا ہاں یا ناں؟ اس کا لہجہ یکدم سرد ہو گیا۔

ہاں۔۔۔زینیا اس کے رویے پر لب بھینچے جواب دیا۔ کل رات کو تو وہ اتنی نارمل لگ رہی تھی۔ حذیفہ ذرا گھبرا گیا کہ کہیں وہ لڑنا نہ شروع کر دیں، سوتیلی بہنیں تھیں اور جس طرح سے یہ سچ سامنے آیا تھا، یہ ڈر یقینی بھی تھا۔

"حذیفہ تم آرام کرو تم تھک گئے ہو گے یقینا۔" مطلب صاف تھا کہ یہاں سے چلے جاو۔

اس نے دو سیکنڈ کے لیے ریحام کی آنکھوں میں دیکھا جہاں سنجیدگی تھی۔ وہ خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تاکہ فریش ہو کر آرام کر سکے۔۔۔

اس کے جانے کے بعد ریحام زینیا کی طرف متوجہ ہوئی۔۔

"تم کل مجھ سے ملنے آئی تھی اور سب حقیقت بھی تم نے مجھے بتائی تھی، رائٹ؟" ریحام نے اسے کل کا دن یاد دلوایا۔ جب کہ زینیا کے چہرے پر نا سمجھی کے تاثرات ابھرے۔

"تو اس سب کا مقصد؟" ریحام مزید گویا ہوئی۔

"میں سمجھی نہیں۔؟" وہ ابھی تک اس کی بات نہیں سمجھ پائی تھی۔

مطلب صاف ہے، "تمہیں میڈیا کو بتانا چاہیے تھا"، یہ سب مجھے بتانے کا مقصد؟؟ ریحام نے اسے کھلے لفظوں میں سمجھانا چاہا۔

میں ان کا نام پانے کے لیے ان کو رسوا نہیں کرنا چاہتی تھی تمہیں بتانے کا مقصد یہی تھا کہ تم وکیل ہو۔ سوچ سمجھ کر قدم اٹھاؤ گی کیونکہ میں نے تمہارے بارے میں کافی اچھا سن رکھا تھا۔ مگر مجھے نہیں معلوم تھا تم اتنی جذباتی ہو زینیا بول کر خاموش ہوئی تو ریحام کے تاثرات جانچے جو کہ بالکل سپاٹ تھے۔

"اب تم مجھ سے کیا چاہتی ہو؟؟" ریحام نے مختصر اور صاف گوئی سے سوال کیا۔

کیا مطلب؟؟

"کیا تمہیں ایک وقت میں بات سمجھنے کی عادت نہیں؟ اب میں تمہارے لیے بار بار تفصیلات دہراؤں؟"

ریحام جتنی مختصر بات کرنا چاہتی تھی وہ تو اتنی ہی طویل کر رہی تھی جس کی وجہ سے وہ حسب معمول طنز کرنا نہیں بھولی۔

"کیا چاہتی ہو میڈیا کے سامنے تمہارے پیرنٹس تمہیں ڈسکلوز کریں کہ اس سب میں میری مدد چاہیے؟" زینیا کو خاموش دیکھ کر بھی ریحام نے مزید کہا۔

"ہاں یہی سمجھ لو۔" زینیا نے جواب سنجیدگی سے دیا۔

"کیا عمر ہے تمہاری؟ لگتی تو اٹھارہ (18) سے اوپر کی ہو، تمہیں چاہیے تھا کہ اپنے لیے آواز اٹھاتی اور بہت پہلے اٹھاتی، تمہیں لگا کہ وہ تمہارے بڑا ہونے پر سب کو بتا دیں گے تو کیا تم بوڑھی ہوتی تب یہ سب دنیا کے

سامنے لانے کا ارادہ تھا؟" ریحام نے اس کو سچ کا آئینہ دکھایا اس کی تلخ باتوں پر زینیا نے ضبط سے لب بھینچے اور اس کے طنز کو سنا۔

"کیا تم طنز کے بغیر بات نہیں کر سکتی؟" خون تو اس کی رگوں میں بھی وہی تھا آخر کب تک خاموش رہتی۔

"نہیں مجھے عادت ہے، خیر تم یہ بتاؤ تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہوا تمہارے پیرنٹس تمہیں خود تو بتانے سے رہے،" ریحام نے وہ سوال کیا جو کب سے اس کے دماغ میں چل رہا تھا۔ زینیا نے وہ لمحات یاد کرتے اذیت سے آنکھیں میچی۔

ماما اور بابا کبھی بھی میرے پاس مستقل طور پر نہیں رہے۔ جب چھوٹی تھی تو ملازم ماما بابا کوئی نہ کوئی بات کر کے بہلا دیتے، مگر جب سے سکول جانا شروع کیا تھا تو دوسرے بچوں کو ان کے والدین کے ساتھ دیکھ کر میں بھی ماما، بابا کے ساتھ جانے کی ضد کرتی تھی۔ مگر نینی بھی کیا کرتی؟ وہ ماما بابا کو فون کر کے سب بتاتی تو وہ مجھے بہلا لیتے۔۔۔ اکثر جب وہ میرے پاس ایک ہفتہ دونوں رہنے آتے تو تب بھی، اگر میں ضد کرتی تو وہ ڈانٹ دیتے مگر ایک معصوم بچی کو کیا پتہ کہ اس دنیا سے چھپانے کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے۔ اس کی حسرت کبھی پوری نہیں ہو گی۔ میری گارڈین (guardian) سکول، کالج اور یونیورسٹی میں میری نینی ہی رہی ہیں۔ انہوں نے مجھے بچوں کی طرح پالا ہے مگر۔۔ وہ ایک پل کو رکی وہ بھی مجھے چھوڑ کر جا چکی ہیں۔

جن سے ہم پیار کرتے ہیں وہ جلدی کیوں چھوڑ جاتے ہیں۔؟ ریحام کے دل نے بے اختیار سوچا۔ وہ اپنے دو قیمتی رشتوں کو کھو چکی تھی۔ اس لیے اس کا غم دل سے محسوس کر سکتی تھی۔ مگر زبان سے خاموش رہی۔۔۔ یوں ہی وقت گزرتا گیا اور ماں باپ کبھی بھی مجھے سکول چھوڑنے نہیں گئے میرے اندر یہ حسرت پلتی گئی جو کہ آج بھی اسی طرح ایک ناسور کی طرح مجھ میں آباد ہے، میں ماما بابا کو یاد کرتی تھی مگر وقت کے ساتھ ساتھ اب نہ میں ان کے فون کا انتظار کرتی ہوں اور نہ ہی ان کے آنے کا کیونکہ تکلیف حد سے بڑھ جاتی تھی۔ سکول میں جب بچوں کو رزلٹ ڈے پر ان کے پیرنٹس ان کے ساتھ ہوتے تو میرا دل

دکھتا تھا میں اتنی بے وقوف تھی جو ماں باپ سے توجہ نہ ملی تو باہر دوست بنانا شروع کر دیئے مگر میں بھول گئی تھی کہ جن کے پاس ماں باپ نہ ہوں انہیں سنبھل کر قدم اٹھانے چاہیے مگر اصل میں مجھے اپنے دکھ سنانے کے لیے کوئی چاہیے تھا دو لڑکیوں سے میری دوستی ہو گئی۔۔۔جب میں دس (10) سال کی تھی اور تب تک میں اچھی خاصی سمجھدار تھی وہ دونوں مجھے بہت پیار اور عزت دیتی تھیں۔ان کا تعلق کسی بہت اچھے گھرانے سے تھا میں دوستی میں اتنی اندھی ہو گئی کہ انہیں ماں باپ کا رویہ بتانے لگی اس وقت میں خود چھوٹی تھی اس معاملے کو سنجیدگی سے نہیں سمجھ سکتی تھی،وہ دونوں بھی اس دن مجھے دلاسے دے کر گئی جیسے میری فکر میں گھل رہی ہوں مگر حیرت کا جھٹکا مجھے تب لگا جب اگلے دن سے نہ وہ صرف میرے ساتھ بیٹھنا چھوڑ چکی تھیں، بلکہ بات کرنا بھی چھوڑ چکی تھیں میرا دماغ بالکل بچوں کی مانند معصوم تھا مجھے لگا، انہیں میری کوئی بات بری لگی میں ان کی ناراضگی دور کرنے کے لیے ان کے اگے پیچھے گھومتی رہی تو وہ مجھے کہنے لگی تم ہم سے دور رہو تم اچھی لڑکی نہیں ہو ان دونوں میں سے کم گریالے بالوں والی لڑکی نے کہا مگر میں نے کیا کیا ہے؟

زینیا کے لہجے میں حیرانی اور خوف تھا۔خوف دوست چھوٹ جانے کا،وہ حیران ہوئی تھی ان کی بدگمانی پر۔۔

ہم نے اپنی ماما کو تمہارے بارے میں بتایا انہوں نے کہا ہے کہ تم اچھی لڑکی نہیں ہو تبھی تمہارے ماما بابا تم سے پیار نہیں کرتے اب کے دوسرے سیدھے بالوں والی بولی اور دونوں اس کی سنے بغیر آگے کی طرف بڑھ گئیں اپنے لیے یہ سب سنتے زینیا کا معصوم سا دل اور آنکھیں بھر آئیں. وہ دونوں جا چکی تھیں، مگر زینیا ابھی تک وہیں کھڑی تھیں۔ پھر اس کے بعد میں نے دوست بنانا چھوڑ دیے بلکہ کسی سے بھی بات نہیں کرتی تھی۔ماما بابا نے پہلے کبھی توجہ نہیں دی جواب دیتے مگر ان کے پوچھنے پر میں نے انہیں سب بتا دیا تھا جس پر وہ مجھے اداس دیکھ کر سمجھاتی کہ اب یہ بات میں کسی کو نہ بتاؤں۔ میں بھی ایک تجربہ لے چکی تھی

لہذا آئندہ ایسا کچھ نہیں کیا ماما اور بابا بھی کبھی آتے کبھی نہیں، وہ آنے جانے میں اب دیر کرنے لگے تھے۔ پہلے جو مہینے میں ایک ہفتے کے لیے آتے تھے اب وہ دو سے تین دن آتے ہیں خیر۔۔۔اب مجھے ان کی ضرورت بھی نہیں تھی وقت مجھے گھسیٹتا رہا اور میں اس کے ساتھ گھسیٹتی چلی گئی مجھے ماما اور بابا نے کہا تھا کہ کسی خاندانی دشمنی کی وجہ سے وہ لوگ مجھے کھلے عام باہر نہیں لے کر جاسکتے جب میں 14 سال کی ہوئی تو ایک لڑکی مجھے دوستی کرنا چاہتی تھی مگر دوستی کا جو خاکہ اور تجربہ جو میں دیکھ چکی تھی اب یہ میرے لیے ناممکن تھا۔ مگر وہ اپنی کوشش کرتی رہی اور تقریبا ایک سال بعد میری اس سے دوستی ہو گئی۔ وہ آج بھی میرے ساتھ ہے اس کا نام ماہین ہے۔ مجھے اس سے کبھی بھی کچھ بتانے کی ضرورت نہیں پڑی۔ وہ خود بخود جان لیتی تھی وہ جانتی تھی کہ میں بہت زیادہ گھلنے ملنے سے کتراتی ہوں فیملی کی بات کرنا زیادہ پسند نہیں کرتی تو وہ خود ہی ان چیزوں سے اجتناب کرتی تھی۔ ہم لوگ ایک ہی کالج جاتے تھے میری طرف سے بھی دوستی تھی مگر اس کی حدود تھی کہیں پر میں اب بھی پچھلے حادثات کے اثر میں تھی ایک دن اس نے کالج میں میری ڈائری پڑھ لی یہ سب حادثاتی طور پر ہوتا ہے میں اسے جو نوٹس دے چکی تھی اسی کے اندر میں نے ڈائری کو چھپا کر کہا تھا کہ اگر کبھی وہ میرا بیگ کھولے تو اس کی نظر ڈائری پر نہ پڑے مگر قسمت میرے ساتھ نہ تھی اس دن کے بعد جب وہ مجھے اگلے دن ملی تو اس نے میرے آگے ڈائری کی، میرے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ مجھے تو اندازہ بھی نہیں تھا کہ میں اسے غلطی سے اپنے ہاتھوں سے ڈائری دے چکی ہوں۔ جب اس نے میرے اگے ڈائری کی تو اس کے چہرے کے تاثر سے مجھے لگا جیسے وہ دن پھر سے واپس آگیا ہے۔ آج بھی مجھے دوستی کے نام پر بیچ راہ میں چھوڑ دیا جائے گا۔ مگر ایسا نہ ہوا وقت نے مجھے سکھایا ہر کوئی ایک سا نہیں ہوتا وہ جیسے پرانا وقت یاد کر رہی تھی۔

کیا میں تمہارے لیے اتنی غیر اہم تھی کہ تم اپنی تکلیف میرے ساتھ نہ بانٹ سکی۔۔۔ماہین کی طرف سے شکوہ آیا۔۔

زینیا جو کہ اس کی غیر متوقع بات پر بھونچکا کر رہ گئی۔

تم اتنی تکلیف میں تھی اور مجھے بتایا تک نہیں کیا تمہیں ایسا لگتا تھا میں بھی تمہیں چھوڑ دوں گی وہ یقیناً ڈائری کا ہر لفظ پڑھ چکی تھی زینیا کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا نا جانے کیوں اسے ہمدردی اچھی نہ لگی مگر وہ خاموش رہی۔ ماہین اس کا ضبط سے سرخ پڑتا چہرہ دیکھ کر اس کے گلے لگ گئی پریشان مت ہو تمہارا راز میرے پاس امانت ہے اور میں امانت میں خیانت کیوں کروں گی؟ ماہین اسے مان اور حوصلہ دینے کے انداز میں اس کے کان میں سرگوشی کی۔۔ میں اس وقت سترہ (17) سال کی تھی جب یہ حقیقت ماہین کو معلوم ہوئی اس کے بعد ہماری دوستی میں میری طرف سے بھی مضبوط ہو گئی۔۔ میں ابھی تک حقیقت سے لاعلم تھی کہ میرے ساتھ یہ رویہ اختیار کیا گیا اور تو میں ماہین سے، بلکہ کسی سے بھی اس معاملے میں بات نہیں کہتی تھی مگر اس واقعے کے دو مہینوں بعد ماہین نے مجھے یہ احساس دلانا شروع کیا کہ مجھے اس سب کی وجہ جاننی چاہیے۔ میں اس کے سامنے تو اس کی بات کو رد کر دیتی تھی۔ مگر تنہائی میں اس بارے میں سوچنے لگی تھی۔ پھر ایک دن ماہین نے مجھ سے بابا کی تصویر مانگی تب مجھے اندازہ نہیں ہوا کہ میرے پاس ماں اور بابا کی کوئی تصویر ہی نہیں ہے۔ زینیا کے ہونٹوں پر تلخ مسکراہٹ ابھری۔۔۔ ریحام صوفے کی پشت سے سر ٹکائے پیروں کو ہلاتی سب سن رہی تھی اس کے بعد میں نے کافی جتن کر کے ایک تصویر بابا اور ماما کی ماہین کو دکھائی ماہین خود بھی ان کے بارے میں نہیں جانتی تھی لہذا اس نے وہ تصویریں لے کر کسی نہ کسی طریقے سے معلومات حاصل کرنا شروع کی۔ (اس کا بھائی آرمی میں تھا وہ کچھ بھی کہہ کر آرام سے اس سب کے بارے میں معلوم کروا سکتی تھی) مگر ماہین نے یہ سب مجھے نہیں بتایا تھا اس نے مجھ سے چائے بنا کے لانے کے بہانے باہر بھیجا اور اپنے فون میں تصویروں کو قید کر لیا اس سب کے ایک ہفتے بعد وہ دوبارہ مجھ سے ملنے آئی تھی اس کے انداز میں وہ پرجوشی نہیں تھی جو اکثر مجھ سے ملتے ہوئے ہوتی تھی۔

کیسی ہو ماہین؟ زینیا خوش اخلاقی سے ملی اور ماہین کے ایسے رویے پر الجھی۔

تم پریشان لگ رہی ہو؟ زینیا اس کی خاموشی پر حقیقتا پریشان ہوئی۔

تم جانتی ہو تمہارے ماما بابا خوشی سے شادی کیے ہوئے ہیں؟ بالآخر ماہین نے ہمت کرتے زبان کھولی۔۔۔

کیا مطلب؟ زینیا حیران سی اس کا منہ تکنے لگی اسے تو ماما بابا نے یہی بتایا تھا کہ کچھ خاندانی دشمنی کی وجہ سے یہ پابندیاں ہیں اس لیے وہ دشمنوں کی نظر میں نہ آجائے اس لیے اسے دنیا سے چھپا کر رکھا گیا ہے۔

تمہارے بابا ایک مشہور بزنس مین ہیں یہ تو تم جانتی ہو نا تو یہ دیکھو شہریار مرزا کی فیملی کی تصویر یہ ہے ان کے خاندانی اور دنیا کی نظر میں انے والی بیوی اور بچے تمہاری ماما سے ان کا تعلق کوئی نہیں جانتا اور تمہاری ماما اسلام آباد کے ایک مشہور خاندان اور بزنس مین خان گروپ آف انڈسٹریز کی حصے دار ہیں دنیا کی نظر میں وہ اکیلی زندگی گزار رہی ہیں۔ سب حقیقت بتا کر ماہین خاموش ہوئی تھی زینیا کا سفید پڑتا چہرہ دیکھا جو کہ کسی خدشے کا خیال ظاہر کر رہا تھا،

زینیا۔۔۔ زینیا، ماہین نے اسے جھنجوڑا

تم جھوٹ بول رہی ہو ہے نا ایسا کچھ نہیں ہے نا زینیا نے کسی آخری امید کے تحت پوچھا کہ شاید یہ اس کے کانوں نے غلط سن لیا ہو مگر ماہین کا نفی میں سر ہلتا دیکھ کر وہ اپنے کمرے میں بند ہو گئی نینی اور ماہین دروازہ پیٹ ڈالا مگر زینیا نے دروازہ نہ کھولنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

زینیا نے کمرے میں داخل ہوتے وقت خود کو سنبھالنا چاہا مگر ناکام رہی۔۔۔ ہر انسان اپنے تاثرات پر قابو پا سکتا ہے اپنی تکلیفوں پر۔۔۔ رو رو کر اس نے خود کا حشر بگاڑ لیا تھا آخر کار تھک کر ماہین گھر چلی گئی مگر اس نے نینی سے خاص ہدایت کی تھی کہ اپنی کوشش جاری رکھیں اور جیسے ہی وہ دروازہ کھولے اسے اطلاع کر دے وہ وہاں زیادہ تک نہیں رک سکتی تھی شام کے چھ بج رہے تھے اس کا گھر جانا ضروری تھا۔

نینی پریشانی سے چکر کاٹ رہی تھی اور کبھی دروازہ بجا رہی تھی کبھی آوازیں دیتی مگر جواب ندارد۔ اخر کار نینی کو ایک ہی حل دکھا انہوں نے شہریار مرزا اور جمیلہ بیگم کو اطلاع کی قطعا پریشان ہوئے جمیلہ ہاشم خان

تو اسلام آباد ہونے کی وجہ سے ایک گھنٹے میں ادھر پہنچ چکی تھیں۔ مگر شہریار مرزا نے صبح جانے کا ارادہ کر لیا تھا جمیلہ ہاشم خان کے آنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہوا جمیلہ ہاشم خان نے چابیوں کا پوچھا تو نینی نے انہیں بتایا کہ زینیا نے کل ہی اپنے قبضے میں لی تھیں۔ جمیلہ ہاشم خان کی پریشانی بڑھنے لگی انہوں نے تھکاوٹ سے شہریار مرزا کو فون ملایا اور انہیں صورتحال سے آگاہ کیا شہریار مرزا ریحام کو کھو چکے تھے زینیا کی نظروں میں اپنا مقام نہیں کھونا چاہتے تھے کہیں دور انہیں یہ بھی خوف کھائے جا رہا تھا کہ کہیں زینیا کو حقیقت کا علم نہ ہو چکا ہو مگر ذہن سے بری سوچ جھٹک کر وہ ارجنٹ فلائیٹ سے اسلام آباد آئے تھے۔ وہ تقریبا رات کے ایک بجے اسلام اباد پہنچے تھے اور اتے ساتھ زینیا کے کمرے کے باہر کھڑے اسے آوازیں دے رہے تھے۔

زینیا میرا بچہ دروازہ کھولو بابا کو بتاؤ کیا ہوا ہے؟ شہریار مرزا بے شک اس سے کم ملتے تھے مگر محبت اور فکر ہمیشہ ایسے ہی کی تھی یہ بھی ان کی ہمیشہ کی طرح ہی مخاطب کرنے کا انداز تھا۔

زینیا جو کہ اندر سے سن رہی تھی وہ جانتی تھی کہ جمیلہ بیگم آئی تھی مگر وہ ان دونوں سے ایک ساتھ سوال کرنا چاہتی تھی اس لیے باپ کی آواز پر جھٹ سے دروازہ کھولا شہریار مرزا صاحب جمیلہ بیگم اور نینی تینوں دروازے پر کھڑے تھے دروازہ کھلتے ہی ان تینوں کی نظر اس کے چہرے اور حلیے پر پڑی سارے یکدم پریشان ہو گئے سرخ چہرہ سوجھے ہوئے پپوٹے بکھرے بال اور بکھرا حلیہ۔

یہ کیا حالت بنا رکھی ہے بچے؟ سب سے پہلے مجھے شہریار صاحب ہوش میں آئے انہوں نے اسے اپنے حصار میں لینا چاہا مگر زینیا دور ہو گئی زینیا کے اس طرح کرنے پر شہریار مرزا صاحب کو اس کے دکھ کا احساس ہوا جبکہ نینی ماحول کی گرمی کو دیکھ کر خود ہی وہاں سے چلی گئیں۔

زینیا یہ کیا حلیہ ہے یہ سب کیا ہے بالآخر جمیلہ ہاشم خان کا ضبط جواب دے گیا۔

"دھوکہ دینا کہاں سے سیکھا ہے آپ لوگوں نے وہ بھی اتنی صفائی سے۔" زینیا کی اواز زکام کی وجہ سے بھاری اور نقاہت زدہ تھی۔

ہوا کیا ہے؟ زینیا یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا؟ جمیلہ بیگم کو اس کی بدتمیزی پر غصہ آیا۔ شہریار مرزا خاموشی سے اس کی حرکات دیکھ رہے تھے ان کے اندر جو خوف تھا اب وہ بھی چیخ رہا تھا کہ حقیقت سے پردہ اٹھ چکا ہے۔

آپ لوگ مجھے دھوکہ دے رہے تھے یہ کہہ کر کہ یہ سب خاندانی دشمنی کی وجہ سے ہو رہا ہے جبکہ آپ لوگ خفیہ شادی کیے ہوئے ہیں اور دنیا کی نظر میں مجھے چھپانا چاہ رہے ہیں کیوں ایسا ہی ہے نا؟؟ زینیا کے انکشافات پر وہ دونوں حیرت سے زینیا کو دیکھنے لگے اور ان کی زبان تو جیسے تالوے سے چپک چکی تھی۔

اپنی اپنی فیملی کو کیا کہہ کر آئے ہیں کہ اتنی رات میں کہاں جا رہے ہیں؟؟۔۔۔ان دونوں کی خاموشی پر دونوں پر طنز کے تیر برسائے۔

دیکھو بچے میں تمہیں سب بتاتا ہوں شہریار مرزا صاحب نے اسے ٹھنڈا کرنا چاہا

کیا بتائیں گے آپ مجھے یہی کہ آپ کی ایک اور بیوی اور تین بچے ہیں زینیا کا لہجہ استہزائیہ تھا۔

میری بات سنو بچے اب کہ جمیلہ ہاشم خان نے اسے پکارا آپ دنیا بھر میں سوشل ورکنگ کرتے ہوئے لوگوں کو انصاف دلوا رہی ہیں مگر افسوس آپ جو اپنی اولاد کے ساتھ انصاف نہ کر سکیں وہ دنیا کے ساتھ کیا کریں گیں۔۔ زینیا کے لہجے میں ٹوٹے پھوٹے کانچ سی کرچیاں تھیں اس کی تکلیف سے بھرے الفاظ سن کر ان دونوں نے نظریں چرائی تھیں۔۔۔۔

مجھے صرف دنیا کے سامنے اپنا مقام چاہیے جب دے سکیں تب مجھ سے بات کیجئے گا زینیا نے شہریار مرزا کو پھر سے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولتا دیکھ کر سرد لہجے میں کہتی کمرے میں بند ہو گئی۔ پیچھے وہ دونوں ایک دوسرے سے کو پریشانی سے دیکھ کر رہ گئے۔

اس سب کے بعد بھی زینیا کی ضد بر قرار رہی تھی جمیلہ بیگم اور شہریار مرزا پورا ہفتہ وہاں رک کر اسے سمجھاتے رہے مگر وہ تو جیسے ضد پر اڑ گئی تھی شہریا مرزا ریحام پر کی گئی سختی کا نتیجہ دیکھ کر ڈر گئے تھے اور زینیا پر نہ جانے ان کا دل نہیں چاہتا تھا سختی کرنے کو اب دوسری اولاد کو خود سے بد گمان بھی نہیں کر سکتے تھے اسی لیے خاموش رہے شہریار مرزا نے حسین وقت پر چھوڑ دیا تھا مگر وہ غلطی کر رہے تھے۔۔۔ اگر چیزوں کو وقت پر چھوڑا جائے تو وہ درست ہو جاتی ہیں۔ لیکن اگر انسانوں کو وقت پر چھوڑا جائے تو وہ آپ کے نہیں رہتے وہ فنا ہو جاتے ہیں ان کی روحیں ٹوٹے شیشے کی طرح بکھر جاتی ہیں جنہیں اکٹھا کرنا، ناممکن ہو جاتا ہے۔۔۔ یہی کچھ زینیا کے ساتھ ہوا وہ بھی کافی حد تک بد تمیز ہو چکی تھی وہ اپنا غصہ ملازمین پر نکالنے لگی۔۔۔ اس نے ان دونوں کو سمجھایا تھا کہ وہ انہیں چھوڑ کر چلی جائے گی مگر انہیں یہ صرف دھمکی لگتی اور پھر تھک ہار کر بھول گئی مگر ماہین کے پھر سے امید دلوانے اور ریحام کی طرف توجہ دلانے پر زینیا کو کچھ امید اور حوصلہ ملا اس تین سال کے عرصے میں شہریار مرزا صاحب کی فرینڈ کے بارے میں کافی کچھ جان چکی تھی جبکہ جمیلہ ہاشم خان کے بھائی تھے اب ان کے بچوں پر توجہ دینا زینیا نے ضروری نہیں سمجھا۔۔۔ زینیا کے اٹھارہ (18) سال کے ہونے پر نینی کی ذمہ داری پوری ہو گئی تھی لہذا وہ اس گھر سے چلی گئی مگر زینیا کو بہت یاد آتی تھی اس کے ہر اچھے برے وقت میں بس وہی تو تھیں جو اس کے ساتھ ہوتی تھیں۔ انسان اسے بھول سکتا ہے جو اس کے اچھے وقت میں ساتھ ہوتا ہے، مگر برے وقت میں جو ساتھ نبھانے والا ہو اس سے انسان کبھی نہیں بھول سکتا اور باقی حقیقت سے جس سے وہ لاعلم تھی وہ سب غزان نے ہسپتال میں ہم تینوں کو بتایا تھا۔۔۔ زینیا بول کر خاموش ہوئی مگر ریحام جو اس کی باتوں کے حصار میں تھی آخری لفظوں پر چونکی تو کیا سب اس کے بارے میں جان چکے تھے اسے اس چیز سے چڑ تھی وہ لوگوں کے ترحم بھری نظروں کو خود پر محسوس نہیں کرنا چاہتی تھی۔

اب بتاؤ تم نے مجھے یہاں کیوں روکا ہے وہ جو اپنے خیالوں میں تھی زینیا کی پکار پر ہوش میں آئی,

اب تم کہاں رہو گی ریحام نے اس کے چہرے کے تاثرات جانچے

ہسپتال۔۔۔زینیا نے مختصر جواب دیا۔

ریحام اس کے چہرے کو سنجیدگی سے دیکھتی رہی پھر گویا ہوئی۔

تم چاہو تو یہاں رہ سکتی ہو میں ویسے بھی کچھ وقت کے لیے لندن جا رہی ہوں۔ریحام کا لہجہ نارمل تھا۔

ریحام کی اتنی فراخت دلی پر زینیا چونکی کیونکہ وہ اس کے مزاج کو جان چکی تھی حذیفہ جو کہ فریش ہو کر ایک کپ چائے کے لیے ملازمہ کو کہنے کے لیے باہر ہی آ رہا تھا ریحام کے منہ سے لندن جانے کا سن کر حیران ہوا وہ کب لندن جا رہی تھی اور کیوں؟۔۔۔

یہ سب سوال حذیفہ کے دماغ میں گردش کرنے لگے تھے۔

اور حقیقت کا جو تم فکر ہی نہ کرو آج شام یا کل صبح تک پریس کانفرنس ہو جائے گی ریحام اب نارمل تھی۔۔۔اس کے اتنے پرسکون انداز پر زینیا الجھی جبکہ حذیفہ تو لندن کا سنتے ہی دوبارہ کمرے میں بند ہو گیا تھا زینیا کے چہرے پر الجھن دے کر ریحام بھرپور طریقے سے مسکرائی

ملازموں کو بھنک پڑ چکی ہے اور تم تو جانتی ہو ملازم کب کسی کے سگے ہوئے ہیں لہذا ملازموں سے بات نکالنے سے پہلے ہی مرزا صاحب پریس کانفرنس کریں گے پریشان مت ہو ریحام کا انداز استہزائیہ تھا۔

جبکہ زینیا اس کے منہ سے بابا کے بجائے مرزا صاحب سن کر حیران ہوئی۔

یہ میرا گھر ہے میری محنت کی کمائی۔اس میں شہریار مرزا یا کسی کا بھی کوئی عمل دخل نہیں۔ریحام نے اسے آگاہ کیا باقی چاچو کی جائیداد میں اب تمہارا بھی حصہ نکلتا ہے۔تم چاہے مرزا صاحب کی جائیداد میں سے کچھ لو یا نہ لو وہ تمہاری مرضی، مگر میری خواہش ہے کہ تم چاچو کی جائیداد میں سے اپنا حصہ ضرور لو باقیوں میں ویسے ہی اسے تقسیم کیا جائے گا کہ ایک مخصوص حصہ فنڈز میں بھی جاتا ہے میرے علاوہ کسی نے بھی اپنا

حصہ نہیں لیا میں لندن چاچو کے پیسوں سے گئی تھی وہاں خرچ سب خود کما کر ادا کیا اور یہاں واپس آ کر اپنے آفس وغیرہ میں اپنا باقی حصہ استعمال کیا سو اب جو بچ گیا ہے وہ صرف تم تینوں یا پھوپھو کے دونوں بچوں کا حق ہے میں دو دن تک اس معاملے کو حل کر لوں گی۔ اگر حل نہ نکلا تو یقینا ہفتے تک باقی کام ہو جائے گا اور اس کے بعد تم اپنا حصہ لے سکتی ہو، مگر ایک منٹ تم کیا پڑھ رہی ہو کیا کرتی ہو یہاں ریحام نے اسے ساری تفصیل بتا کر آخر میں سوالیہ انداز میں بھنوئیں اچکائی۔

میں نسٹ یونیورسٹی (اسلام اباد کی مشہور و معروف یونیورسٹی) میں ماسٹرز کر رہی ہوں زینیا نے جوابا سنجیدگی سے کہا

او اس میں یونیورسٹی نے تو زیان بھی پڑھتا ہے کبھی ملی ہوں اس سے وہاں کل تو دیکھ ہی چکی ہو گی ویسے اسے میرا دیور ہے۔۔ ریحام کا انداز سوالیہ اور تجسس سے بھرپور تھا۔

ہاں ایک دو دفعہ مگر مجھے اس کے بارے میں کل ہی معلوم ہوا ہے کہ وہ تمہارا دیور ہے۔

اچھا اب میں آرام کرنا چاہتی ہوں تم سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو جو کرنا چاہتی ہو اب کہ ریحام صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اپنے کمرے میں جانے کے بجائے زینیا کے ساتھ والے کمرے کی طرف بڑھ گئی تھی اس کا کمرہ اوپر کی طرف تھا اور اس وقت اوپر کمرے کی جانب جانے کے لیے اس میں ہمت نہیں تھی زینیا ریحام کی پشت کو گھورتی ہوئی اس کا لہجہ نرم بالکل بھی نہیں ہوتا تھا۔ مگر وہ بات نارمل ہی کرتی تھی۔ جو صاف صاف محسوس ہوا تھا جیسے وہ اس کے لیے فکر مند ہو مگر وہ کیوں ہو گی ایک سوال اس کے ذہن میں گردش کر رہا تھا وہ اسے ڈائریکٹلی یہ سوال نہیں کر سکتی تھی۔۔۔ وہ جانتی تو وہ خود کو لاپرواہ اور بے نیاز ظاہر کرے گی۔ ابھی وہ یہی سب سوچ ہی رہی تھی کہ حذیفہ کمرے سے نکلتا ہوا لاؤنج میں داخل ہوا وہ یقینا لاونج سے آوازیں تھمنے پر آیا تھا۔ وہ کافی تھکا تھکا لگ رہا تھا۔ وہ جیسے ساری رات جاگتا رہا ہو زینیا نے بغور اسے دیکھا۔

"بچے ریحام کہاں ہے؟" حذیفہ نے زینیا کے قریب آکر نرمی سے استفسار کیا۔ زینیا نے اس کے کمرے کے ساتھ کمرے کی طرف اشارہ کیا تو وہ شکریہ ادا کرتا ریحام کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔

سورج کی کرنیں کھڑکی سے کمرے میں داخل ہو رہی تھیں۔ کمرے میں ہر طرف خاموش کا راج تھا۔ ایسے میں ایک وجود کمرے کے وسط میں پلنگ پر لیٹا گہری نیند میں غرق تھا۔ سپاٹ چہرہ، پیشانی پر بکھرے بال، سنہری آنکھیں بند تھیں۔ جبکہ لب سختی سے آپس میں پیوست تھے۔ ایسے میں اچانک کمرے میں کا دروازہ کھول کر کوئی وجود کمرے میں داخل ہوا۔

"اسامہ.. اسامہ اٹھو دیکھو صبح ہو چکی ہے۔" موسی نے نرمی سے اسے ہلایا۔ جانتا تھا نیند میں زیادہ تنگ کرو تو وہ غصے میں آجاتا ہے۔ اسامہ نے موسی کی چوتھی پکار پر اپنی آنکھیں واہ کی اور پھر کروٹ بدل گیا۔

"کب تک کرے گا یہ سب؟" موسی کے لہجے میں غصہ تھا۔

میں نے کیا کیا ہے؟ موسی کے لہجے میں غصہ محسوس کر کے اسامہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"تو نے کیا کیا ہے تو نے خود کو مجنو بنا لیا ہے مجھے سمجھ نہیں آتی کیوں؟ کیوں کر رہا ہے ایسا؟ وہ کسی اور کی تھی۔ تیرا تو اس پر کبھی کوئی حق رہا ہی نہیں پھر یہ شکوہ، یہ اداسی بھول کیوں نہیں جاتا یہ سب، وہ تمہارے لیے نہیں بنی۔۔" موسی بولنے پر ایا تو بولتا ہی چلا گیا وہ اس کے رویے سے عاجز آچکا تھا۔ جبکہ اسامہ یہ ساری حقیقت خود بھی جانتا تھا مگر موسی کے منہ سے ایک ایک لفظ سنتے اس کا دل بھی انہی لفظوں کی طرح ٹوٹتا جا رہا تھا۔ تقریبا پچھلے ایک ہفتے سے اس سے یہی رویہ تھا۔

میں نے کہا وہ میری ہے؟ میں بس اسے بھول نہیں سکتا۔ میرا دل میرے سے زیادہ اس کا ہے اب میری نہیں سنتا میں کیا کرو اسامہ کے لہجہ نارمل مگر لفظوں میں جذبات نمایاں تھے۔

کہیں یہ بات تم نے اسے اور کسی اور کو بتائی تو نہیں؟ موسی ایک دم پریشان ہوا

"نہیں اتنا بغیرت نہیں ہوں جو سب جانتے بوجھتے اپنی محبت اور جذبات کی توہین کروں۔ میں نے خود کو اور اپنے ضمیر کا بھرم رکھ لیا ہے اور اپنا دل مار لیا ہے۔" اب کی بار اسامہ کا لہجہ مضبوط تھا

"تم پریشان مت ہو اللہ تمہیں اس سے بہتر دے گا۔" موسی کے پاس کہنے کے لیے اور کچھ نہ تھا سو دعا دیتا کمرے سے نکل گیا۔

(اسامہ کو سب حقیقت کا معلوم ہو چکا تھا۔ البتہ وہ اپنے دل کو سمجھا چکا تھا مگر دل تھا کہ ماننے سے ہی انکاری تھا۔ دل کے معاملات میں انسان کی کہاں چلتی ہے دماغ کو تو انسان قابو کر ہی لیتا ہے)۔

حذیفہ کمرے میں داخل ہوا تو ریحام واش روم میں تھی۔ حذیفہ کمرے میں ہی چکر کاٹنے لگا۔ آج وہ صحیح سے اس سے بات کرنے کا ارادہ کیے ہوئے تھا۔ ریحام باتھ روم سے باہر نکلی تو حذیفہ کو کمرے میں دیکھ کر حیرانی تو کیا وہ آرام نہیں کر رہا تھا؟

"تم یہاں میں نے تم سے کہا تھا آرام کرو۔" ریحام نے اس سے یہاں آنے کا مقصد جانچا۔

"تم کہاں جا رہی ہو؟ حذیفہ کا لہجہ پہلی بار ریحام کے ساتھ نرم نہیں تھا۔ اتنا سخت بھی نہ تھا مگر ہمیشہ جیسی نرمی بھی غائب تھی۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

کیا مطلب؟ ریحام یقینا حیران ہوئی۔

"میرا مطلب صاف ہے تم زینیا کو کیا کہہ رہی تھی کہ تم لندن جا رہی ہو۔ مگر کیوں؟" حذیفہ کے لہجے میں عجیب سی بے چینی تھی

"میں کچھ وقت اکیلا رہنا چاہتی ہوں سب سے دور۔" ریحام کا لہجہ سپاٹ تھا۔ وہ اس کے منہ سے یہ سن کر حیران ہوئی مگر پھر نارمل انداز میں جواب دیا اور صوفے کی طرف بڑھ گئی۔

تم؟ حذیفہ جیسے بولنے کے لیے الفاظ تلاش کر رہا تھا۔

میں رخصتی چاہتا ہوں حذیفہ کو خود بھی نہیں معلوم تھا وہ کیا کہہ رہا ہے۔ مگر اس وقت یہی سمجھ ایا۔ شاید وہ اس کی بات کو سمجھے۔ وہ اس کیس کے ختم ہونے پر حقیقتار خصتی چاہتا تھا۔ مگر ان حالات میں یہ بات کرنا مناسب نہیں تھی۔

اس کی بات پر ریحام اس کی شکل دیکھنے لگی

کیا مطلب؟ ریحام یقینی کی کیفیت میں بہت بڑبڑائی۔

مطلب صاف ہے میں رخصتی چاہتا ہوں۔ تم اب یہاں اکیلی تو نہیں رہ سکتی نا اور لندن جانے کی بھی کیا ضرورت ہے۔ ہمارے نکاح کو چھ ماہ ہو چکے ہیں ماما اور دادو مجھے کافی دیر سے رخصتی کے متعلق کہہ رہی ہیں۔ مگر میں تمہارے کیس ختم ہونے کا انتظار کر رہا تھا اب جب کیس ختم ہو چکا تو پھر کیا مسئلہ ہے؟ تفصیل سے بتایا تھا اخر میں انداز سوالیہ تھا

"مگر میں نہیں چاہتی اور فالحال اس وقت تو بالکل بھی نہیں ہے۔" ریحام کا لہجہ قطعی تھا

کیوں؟ حذیفہ کو یکدم غصہ ایا مگر لہجہ نارمل تھا

"میری مرضی اور اگر تمہیں اتنا ہی مسائل ہیں تو مجھے چھوڑ دو تمہارے لیے بھی آسانی اور میرے لیے بھی۔" ریحام نے اکھڑ لہجے میں جواب دیا اس کے اس جواب پر حذیفہ اس کی شکل دیکھ کر رہ گیا۔ وہ اسے چھوڑنے کا کہہ رہی تھی کیا اس کے لیے حذیفہ کو چھوڑنا اتنا اسان تھا؟ کیا اسے اس سب سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا؟ اتنی بڑی بات کرتے ہوئے بھی اس کی زبان ذرا نہیں کانپی۔

"تم ہوش میں نہیں ہو تمہارے سر میں ابھی تک درد ہے۔" حذیفہ کو جیسے واقعی اس کی دماغی حالت پر شک ہوا

"میں ہوش میں ہوں۔ اور اپنے پورے حواس میں کہہ رہی ہوں کہ تم۔۔" ریحام نے خود کو لاپرواہ ظاہر کرنا چاہا مگر اس سے پہلے حذیفہ نے اس کی بات کاٹ دی

کیا تم پھپو کا بدلہ مجھ سے لے رہی ہو؟ اس سب میں میرا کیا قصور ہے؟ ہاں میں تو اس سب کے بعد بھی یہی چاہا کہ ہم دونوں کا تعلق کبھی خراب نہ ہو زیبہ کا لہجہ اور الفاظ دونوں زخمی تھے

اس کے بعد پہلے ہم اس کی شکل دیکھنے لگی اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا تو ایسا سوچے گا وہ تو صرف چاہتی تھی کہ حذیفہ سے چھوڑ کر اگے بڑھ جائے۔ کیونکہ وہ کبھی بھی نارمل نہیں تھی اور نہ ہو سکے گی مگر شاید کہیں ایک امید تھی کہ وہ ایسا نہیں ہے یا شاید وہ اس سے ازمارہی تھی۔۔۔

"تم غلط سمجھ رہے ہو۔ میرے اور تمہارے درمیان جو بات ہوتی ہے وہ صرف تمہاری اور میری ہوتی ہے۔ اس میں کبھی کسی تیسرے کو شامل نہیں کرتی۔ وہ تصویروں والی بات پر میں تمہاری حرکت کی وجہ سے غصے میں تھی نہ کہ اس لڑکی کی وجہ سے۔"

تم کیوں اپنی زندگی میرے ساتھ برباد کرنا چاہتے ہو میں تمہیں کچھ بھی نہیں دے سکتی۔۔ نہ محبت نہ توجہ، تم زیادہ سے زیادہ کتنا عرصہ میرے ساتھ گزار کو گے؟ ایک سال دو سال یا بڑی حد ہے پانچ سال، تمہارا دل مجھ سے بھر جائے گا اور تب وہ میرے لیے زیادہ تکلیف دے ہو گا۔ میں عام عورتوں کی طرح تمہارے لیے کھانے نہیں پکا سکتی۔ ضد اور غصہ میری فطرت کا ایک اہم حصہ ہے۔ میں کبھی بھی تمہاری بات نہیں مان سکتی۔ تمہارے رعب میں نہیں آسکتی کیونکہ یہ سب میرے اندر کی فطرت ہے۔ میں خود کو تمہارے لیے بدل نہیں سکتی۔ بہتر ہے تم مجھے ابھی چھوڑ دو۔۔۔۔ ریحام نے تھک ہار تک اسے حقیقت کا ائینہ دکھایا یہ شاید یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے اندر کی ان سیکیورٹیز بتا رہی تھی۔

پہلی بات تم یہ سب نا بھی کرو تو بھی مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ دوسری بات کہ میں تمہیں اپنے رعب میں رکھنا بھی نہیں چاہتا۔ مجھے ایک ساتھی چاہیے نہ کہ ایک زرخیز غلام! تیسری اور اہم بات، میں نے تمہیں چھوڑنا ہی ہوتا تو اپناتا کیوں؟ میری بیوی ہو جیسی بھی ہو مجھے عزیز ہو اور میں تمہارے ساتھ نبھا کرنا چاہتا

ہوں کیا یہ سب کافی نہیں؟ حذیفہ نہیں جیسے اس کے سارے خدشے اور بہانے ایک ہی بار میں رد کر دیے۔

تم ایک اچھا لائف پارٹنر ڈیزرو کرتے ہو۔ میں کھوکھلی دیوار کی مانند ہوں۔ مجھ سے ٹکراؤ گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے۔ ریحام کا لہجہ اس بار تنبیہ لیے ہوئے تھا۔

پھر تو میں چاہتا ہوں کہ میرا ایسا نقصان ہو جائے۔۔ حذیفہ بھر کی مسکراہٹ کے ساتھ جیبوں میں ہاتھ ڈالے شرارت سے کہہ رہا تھا۔

تمہاری مرضی۔۔ ریحام نے جیسے ہار مان لی۔

پھر مجھ سے مت کہنا کہ میں نے تمہیں وارن نہیں کیا۔ ساری حقیقت تمہارے سامنے ہے۔ کچھ بھی تم سے چھپا ہوا تو ہے نہیں۔ ریحام نے ایک اخری کوشش کی۔۔

ٹھیک ہے۔۔، وہ ایک پل کو رکا، ریحام کے چہرے پر جو بے نیازی تھی وہ یکدم اڑ گئی اور وہ سوالیہ اور بے چین نظروں سے حذیفہ کو دیکھنے لگی۔ کہیں اندر یہ خوف بھی تھا کہ کہیں وہ اس کی بات مان نہ لے۔

میں پھر بھی رخصتی چاہتا ہوں۔ حذیفہ نے اپنی بات مکمل کی اور ریحام کے چہرے کے تاثرات دیکھیں جو کہ یکدم ڈھیلے پڑ گئے۔ حذیفہ جانتا تھا یہ صرف اس کے اندر عدم تحفظت ہیں جو اسے حذیفہ کے قریب جانے سے روکتے ہیں۔ وہ یقینا اسے آزما رہی تھی۔ وہ دیکھنا چاہتی تھی کہ کہیں وہ بھی تو سب کی طرح اسے چھوڑ نہیں دے گا۔۔

چلو تم آرام کرو۔ میں بھی کچھ دیر آرام کروں گا۔۔ حزیفہ اسے آرام کی تاکید کیے کمرے سے نکل گیا۔ پیچھے ریحام بھی ہر سوچ کو جھٹک کر آرام کرنے لگی۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

صبح سویرے کا وقت تھا۔ رات کی چاندنی جھٹ گئی تھی۔ سورج کی روشنی ہر طرف پھیل چکی تھی۔

کانفرنس ہال میں اس وقت بہت سے رپورٹرز جمع تھے۔ ہال میں جمیلہ ہاشم خان، سرفراز، شہریار مرزا اور زینیا موجود تھے۔ یقیناً جمیلہ بیگم مرزا صاحب کے بلانے پر فوراً سیالکوٹ سے آئی تھیں۔ کانفرنس کس لیے تھی لوگ نہیں جانتے تھے۔ مگر ان دونوں کو ساتھ دے کر بہت ہی سرگوشیاں ابھر رہی تھیں۔ رپورٹرز اپنے اپنے لیپ ٹاپ کے سامنے الگ الگ ڈیکس پر بیٹھے تھے۔ اونچا سے ہال کے سٹیج پر ایک ٹیبل موجود تھا کیمروں سے کھچا کھچ تصویریں کھینچی جا رہی تھیں۔ ہال کے پیچھے موجود کھڑکی سے روشنی پھوٹ رہی تھی کہ اچانک مرزا صاحب اعتماد سے چلتے ہوئے میز کے اگے رکھی کرسی کھینچ کر بیٹھے۔ ان کے پیچھے ہی جمیلہ خان ہال کی طرف بڑھی اور شہریار مرزا کے ساتھ والی نشست سنبھالی۔ رپورٹرز کو کوئی بھی سوال کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ ان کے منہ نوٹ دے کر پہلے سے ہی بند کر دیے گئے تھے۔

"السلام علیکم! خواتین و حضرات میں شہریار مرزا، مرزا گروپ اف انڈسٹریز کا سی ای او اور یہ ہیں جمیلہ میری دوسری اہلیہ، دانیال خان کی بہن۔ مرزا صاحب نے اپنے (خاص ملازم) سرفراز کو اشارہ کیا تو اس نے کچھ کاغذات ان کی طرف بڑھا دیے۔ شہریار مرزا بول رہے تھے اور وہاں موت سا سناٹا پھیل گیا تھا۔ سب کی زبان تالو سے چپک گئی تھی۔ لوگوں کو زیادہ سے زیادہ یہی لگ رہا تھا کہ شاید کوئی سوشل ورک ان دونوں کو اکٹھا کیے ہوئے ہے۔ مگر معاملہ کچھ اور تھا اور رپورٹرز یکدم دلچسپ نظر آنے لگے۔ ان کی انگلیاں تیزی سے لیپ ٹاپ کے کی بورڈ پر چلنے لگیں۔

"میری اور جمیلہ کی شادی آج سے اکیس سال پہلے ہوئی تھی۔ مگر کچھ خاندانی مسائل کی وجہ سے اسے چھپانا پڑا۔ مگر آج میں آپ سب کے سامنے جمیلہ ہاشم خان کو اپنی اہلیت میں تسلیم کرتا ہوں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ۔۔"

وہ ایک پل کو رکے ہال میں سارا مجمع انہی کی طرف متوجہ تھا۔

"میں اپنی اور جمیلہ کی اکلوتی بیٹی زینیا کو بھی آپ سب سے متعارف کروانا چاہوں گا۔" ہال میں جو ہلکی پھلکی سرگوشیاں ابھر رہی تھیں یہ سن کر ایک دم پھر سے سناٹا چھا گیا۔ یہ اس سے بھی بڑا دھماکہ تھا۔

زینیا سٹیج کے پیچھے سے نکل کر آگے آئی۔ اٹھی ہوئی گردن، سپاٹ چہرہ اور آنکھوں میں پہچان پا جانے کی چمک تھی۔

چکن کری کی سادہ سی شلوار قمیض پر ہم رنگ کالا دوپٹہ سلیقے سے سر پہ جمائے ہوئے تھی (حالانکہ وہ دوپٹہ پہننے کی عادی نہیں تھی)

کیمروں کا رخ زینیا کی طرف ہوا ہال میں تالیوں کی گونج ابھری۔ وہ قدم قدم اٹھاتی شہریار مرزا کے قریب آئی اور ان کے بائے جانے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔

یہ میری اور جمیلوں کی بیٹی ہے "زینیا شہریار مرزا" زینیا نے آنکھیں جھپکائیں۔ مگر گردن اٹھی رکھی۔ یہ الفاظ اس کے لیے قیمتی تھے۔ اس کی آنکھوں میں نمی ابھری۔ جسے اس نے بمشکل اندر اتارا۔ اس نام کو پانے کے لیے اس نے اتنی ہمت جتائی تھی تو آخر کار وہ بے نام نہیں رہی تھی اس کی بھی پہچان دنیا کو معلوم ہو چکی تھی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

شہریار مرزا نے سرفراز کو اشارہ کر کے پاس بلایا اور اس سے کچھ کاغذات پکڑائے جو کہ میڈیا پر چلوانے لازمی تھے یقیناً وہ نکاح نامہ اور زینیا کی ڈی این اے رپورٹ تھی شہریار مرزا، جمیلہ اور زینیا کے ہمراہ اٹھ کھڑے ہوئے ہال میں بیٹھے رپورٹرز بھی اٹھ کھڑے ہوئے پورا حال تالیوں سے گونج رہا تھا۔ یہ منظر ریحام کے لاونج میں بھی چل رہا تھا۔ جہاں اس کے بہن بھائی، ماں اور سسرال کا ہر فرد جمع تھا وہ سب یقینا ریحام کی تیمارداری کے لیے ہی آئے تھے۔ ریحام نے استہزائیہ انداز میں سر جھٹکا۔ باقی سب سپاٹ چہروں سے سکرین کو گھور رہے تھے۔ اب شہریار مرزا جمیلہ اور زینیا سٹیج سے اتر کر ہال سے باہر نکل رہے تھے۔ ٹی

وی پر ابھی بھی اینکر گلا پھاڑ کر ساری خبر لوگوں تک پہنچا رہی تھی۔ جبکہ ساتھ میں کاغذات کی تصویریں بھی نشر کی جا رہی تھیں۔

کھڑکیوں سے چھن چھن کرتی روشنی کمرے میں بیٹھے دانیال صاحب کے چہرے پر آ رہی تھی۔ وہ سب لوگ حذیفہ کے ساتھ ایک گھنٹہ پہلے ہی حذیفہ کے گھر لوٹے تھے۔ دانیال خان جمیلہ بیگم کو فون کر چکے تھے کہ وہ زینیا کے ہمراہ ان سے ملنے آئیں۔ اس وقت دانیال خان ان دونوں کا انتظار کر رہے تھے کہ اچانک ملازم نے انہیں جمیلہ بیگم کے آنے کا بتایا۔ وہ اسے جانے کا کہہ کر خود بھی اکھڑے ہوئے۔ دانیال خان لاؤنج میں داخل ہوئے جہاں عالیہ بیگم (جو کہ صبح ہی صبح اسلام آباد سے لاہور لوٹی تھی کیونکہ انہیں بھی حقیقت کا علم ہو چکا تھا وہ اپنی بہن کے گھر رہنے گئی ہوئی تھیں۔) رافیہ بیگم، زیان حذیفہ، امل، زینیا اور جمیلہ صوفے پر براجمان تھے۔ عالیہ بیگم کہنے کو سوتیلی ماں تھی مگر وہ اس کے معاملے میں دخل اندازی نہیں کرتی تھیں۔ کیونکہ انہوں نے انہیں کبھی اتنی اہمیت دی ہی نہیں تھی امل زینیا کو سب سے متعارف کروا رہی تھی۔

"السلام علیکم بھائی! جمیلہ ہاشم خان دانیال خان کو آتے دیکھ کر احترام میں کھڑی ہوئیں جبکہ زینیا نے بھی یہی عمل دہرایا۔ دانیال خان نے سپاٹ چہرے سے سلام کا جواب دیا اور صرف زینیا کے سر پر ہاتھ رکھا۔ جمیلہ بیگم کو یہ بات شدت سے محسوس ہوئی کیونکہ وہ ہمیشہ اس کے سر پر بھی ہاتھ رکھتے تھے۔

"کیا تم نے جہانگیر کو شہریار کے لیے چھوڑا تھا؟" دانیال خان نے کھڑے کھڑے ہی سرد لہجے میں سوال کیا

جمیلہ بیگم کو اس سوال کی توقع نہیں تھی ان کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ انہیں اس بات کا خیال کیوں نہ آیا؟

"بھائی وہ۔۔" جمیلہ کی زبان لڑکھڑائی۔

"میں نے جو پوچھا ہے اس کا جواب صرف ہاں یا نا ہونا چاہیے ہاں یا نا۔۔؟" دانیال خان کی آواز بلند، لہجہ رعبدار اور سنجیدا تھا۔ جمیلہ بیگم کے ساتھ باقی سب بھی یک دم خوفزدہ ہو گئے۔ ان کا یہ انداز آج سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ امل تو باپ کا اتنا سخت لہجہ دیکھ کر ہی خوف سے کپکپا گئی۔ اس کے گھر میں باپ بھائی شوہر سب دھیمے مزاج کے تھے۔ اس نے کبھی مرد کی اتنی اونچی آواز نہیں سنی تھی۔ وہ رافعہ بیگم کے قریب ہو گئی۔

ہاں! جمیلہ ہاشم خان کا لہجہ کپکپایا۔ جمیلہ کا جواب سنتے ہی دانیال خان کی آنکھیں اخری حد تک سرخ ہو گئیں۔ انہیں یک دم اپنا آپ مجرم سا لگا جن کے اتنے لاڈ پیار اور لاپرواہی کا یہ نتیجہ نکلا تھا۔ بہت سی چیزیں ان کے دماغ میں چلنے لگیں۔ ایک عکس ان کی آنکھوں کے سامنے آیا۔ یکدم ان کا ہاتھ اٹھا، مگر اس سے پہلے وہ جمیلہ ہاشم خان کو لگتا، حذیفہ نے آگے بڑھ کر ان کو تھام لیا۔ جمیلہ ہاشم خان صدمے سے دانیال خان کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ باقی سب حیرت و بے یقینی میں گھیرے ان کا اتنا شدید رد عمل کی وجہ جاننا چاہ رہے تھے۔

"بابا کیا کر رہے ہی ہوش میں آئیں۔" حذیفہ نے ان کو سنبھالتے ہوئے ہوش دلانے کی کوشش کی۔

"میں ہوش میں آؤں؟ ہوش میں آنے کی ضرورت تو اسے ہے۔ اپنے دونوں بچوں کی زندگی برباد کر دی اس نے، انہیں ایک بے نام زندگی دی۔ میں سوچتا تھا کہ میں جمیلہ کی بہت اچھی تربیت کروں گا۔ مجھے کیا علم تھا کہ یہ میری تربیت کی لاج نہیں رکھے گی۔ دانیال خان غصے سے دھاڑے۔ ان کی باتوں پر سب الجھے۔ وہ کیا کہنا چاہ رہے تھے؟ سب تو ایک ہی بچے کے بارے میں جانتے تھے۔ یہ دونوں بچوں کا ذکر کہاں سے آ گیا؟ جمیلہ ہاشم خان کا چہرہ خوف سے پیلا پڑ گیا۔

تو کیا اس کا بھائی یہ سچ جانتا تھا؟ اور اگر جانتا تھا تو اتنے سال خاموش کیوں رہا اور کیا وہ سب کو اس بارے میں بتائیں گے؟ سوال ان کے ذہن میں گردش کرنے لگے۔

تمہاری پہلی اولاد کہاں ہے؟ کیا علم ہے تمہیں وہ زندہ ہے یا مر گیا؟ چوبیس سال پہلے جس بچے کو چھوڑ آئی تھی وہ کہاں ہے؟ جہانگیر کی اولاد کہاں ہے جمیلہ؟ کیا تمہیں خدا سے خوف نہ آیا؟ کیا تمہیں کسی اور کی بیوی ہوتے ہوئے اس کی امانت میں خیانت کرتے ہوئے خوف نہ آیا۔ شوہر تو چلو بعد میں آتا ہے۔ اولاد وہ تو جانور کو بھی اپنی عزیز ہوتی ہے اور تمہیں اپنی اولاد کا خیال کیوں نہ آیا؟ تم کیسی عورت ہو جمیلہ تم نے اپنا گھر برباد کر کے کسی اور عورت کی زندگی بھی برباد کر دی۔ تمہیں یہ خیال کیوں نہ آیا کہ تم جس بچے کو چھوڑ کر جا رہی ہو، اسے تمہاری ضرورت ہے تم نے تو اس کی وضاحت کا ذمہ تک نہ لیا۔ تم ایک بدقسمت ماں ہو۔ اللہ نے تمہیں دو اولادیں دیں۔ تم نے دونوں دفعہ ناشکری کی۔ کاش تم میرے باپ کا خون نہ ہوتی کاش! وہ تو ایسے نہ تھے۔ دانیال خان کے لہجے میں دکھ اور تکلیف ہلکورے کھا رہی تھی جبکہ باقی سب کچھ کہنے سننے کے قابل تک نہ رہتے زینیا کی آنکھوں کی تکلیف یکدم بڑھ گئی۔ مطلب وہ اکیلے اس غم کا شکار نہیں تھی اس کی ماں نے اپنی دوسری اولاد کے ساتھ اس سے بھی برا کیا تھا۔

زینیا کو اپنی تکلیف اسامہ کی تکلیف کے آگے کچھ نہ لگی۔ جبکہ باقی سب بھی ان کی باتوں سے بہت کچھ سمجھ گئے۔ جمیلہ ہاشم خان کا چہرہ سفید پڑ گیا اور دروازے کے قریب شہریار مرزا جو کہ دانیال خان سے بات کرنے آئے تھے کہ اس حقیقت کے باوجود ریحام اور حذیفہ کے رشتے میں کوئی دراڑ نہیں آنی چاہیے۔ حیرت کی مورتی بنے کھڑے تھے۔ تو کیا جمیلہ نے ان کی خاطر اپنی اولاد کو چھوڑ دیا تھا؟ یہ سوال ان کے دماغ میں ہتھوڑے کی مانند برس رہا تھا۔ تو کیا وہ ایک بچے کی ماں بھی تھی؟ کب اور کیسے؟ ان کے ذہن میں سوال گردش کرنے لگے اچانک ان کے ذہن کے پردوں میں جھماکہ سا ہوا انہیں یاد آیا جمیلہ ہاشم خان جب ان کی باتیں اور ملاقاتیں بڑھنے لگی تب صرف شروع کے تین چار ماہ ہی وہ ان سے ملنے آئی تھی۔ درمیان میں وہ صرف فون پر رابطہ رکھے ہوئے تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ جہانگیر کچھ شکی مزاج کا آدمی ہے۔ اس لیے میرا ملنا ممکن نہیں اور پھر اسلام آباد اور لاہور میں فاصلہ بھی اتنا تھا کہ اپ دو تین گھنٹوں میں جس

میں لوگ ملاقات کر آتے ہیں۔ اس میں صرف سفر ہی طے ہوتا تھا اور پھر تین مہینے شہریار مرزا اپنے بزنس پریشر کی وجہ سے اتنے مصروف ہوئے تھے کہ فون پر بھی رابطہ کم ہونے لگا۔ مرزا نے ان کی عدت ختم ہونے کا انتظار کیا مگر ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ سارے عرصے میں حاملہ رہ چکی ہیں اور نہ صرف حاملہ بلکہ اپنی اولاد کو بھی چھوڑ چکی ہیں۔

سب اپنی اپنی جگہ حیرت کی مورتی بنے کھڑے تھے۔ مگر جمیلہ سب سے زیادہ حیرت زیادہ تھی۔ لل۔ اب تم یہی سوچ رہی ہو کہ مجھے تمہاری حرکتوں کے بارے میں کیسے علم ہوا؟ دانیال خان جیسے ان کا دماغ پڑھ رہے تھے۔

جہانگیر آج سے 19 سال پہلے وفات پا چکا ہے۔ مگر ہم سب کو اس بارے میں علم نہ تھا کیوں. اس سوال کا جواب تم بہت اچھے سے جانتی ہو۔ تم نے کیا کہا تھا مجھے کہ جہانگیر تمہارے کردار پر شک کرتا ہے اور اسی بے بنیاد شک کی وجہ سے وہ تمہیں طلاق دے چکا ہے۔ میں بہن کی محبت میں اتنا اندھا ہو گیا کہ تمہاری باتوں کو سچ مان کر اس سے ہر تعلق ختم کر بیٹھا۔ جہانگیر نے مرتے وقت اپنے بزنس پارٹنر عباس کو اسامہ کی ذمہ داری سونپی مگر اپنی وصیت میں یہ صاف صاف لکھا ہے کہ اگر کبھی عباس اسامہ کی ذمہ داری نہ اٹھا سکا تو اسے اس کے ماموں دانیال خان یعنی میرے پاس چھوڑ دینا یہ صرف ایک خدشے کے زیر اثر میں لکھی گئی وصیت تھی۔ اس میں میرا نام نمبر بتا سب درج تھا۔ مگر عباس کو کبھی اس کی ضرورت نہ پڑی ہوئی۔ وہ ایک مخلص دوست تھا۔ مگر اج سے آٹھ سال پہلے جب عباس کا ایک ایکسیڈنٹ ہوا تو اس نے اپنی زندگی کے ختم ہونے کے خدشے کے زیر اثر مجھ سے رابطہ کیا۔ حقیقت معلوم ہونے پر میں یکدم تم سے دور ہو گیا۔ مگر ایک مجھے حقیقت معلوم نہ تھی وہ تو اصل میں حقیقت ہی تھی ہی نہیں عباس نے وہ کہا جو جہانگیر نے اسے بتانے کو کہا تھا۔ وصیت میں لکھا تھا اس نے مجھ سے کہا کہ کسی غلط فہمی کی بنیاد پر طلاق ہو گئی ہے۔ جہانگیر اور تمہارے درمیان شاید یہی معاہدہ ہوا تھا اسامہ کو جہانگیر رکھے گا مگر میں تم سے اس لیے کھینچا

کھینچا سا رہنے لگا تھا کہ تم نے اپنی اولاد کو پانے کے لیے نہ کوئی کوشش کی اور نہ ہی کسی کو بتایا۔ اور مجھے مجھ تک کو نہیں بتایا خیر اس وقت میں کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ تم نے جو بتایا میں نے اس پر یقین کیا اور پھر عباس نے بھی یہی بتایا اس نے تمہارے خلاف کچھ نہیں کہا۔ میں حقیقت کا ادراک نہ کر پایا، مگر مجھے اپنے آپ پر حیرت تھی کہ اسی شہر میں ہوتے ہوئے چار ماہ تو تم میکے نہیں آئی۔ میں نے اس وقت یہ سمجھ کر اگنور کر دیا کہ شاید میں پاکستان میں نہیں ہوں۔ (دانیال خان ان دنوں میں پانچ مہینے کی ایک ٹرپ پر یورپ کے لیے ہوئے تھے تاکہ کمپنی کو بہتر طریقے سے چلایا جا سکے یہ صرف ایک کورس تھا۔) مگر تم میرے واپس آنے پر بھی نہ آئی۔ جب میں تم سے تھوڑا غصہ ہوا کہ تم میرے پانچ مہینے کے واپس آنے کے بعد بھی مجھ سے ملے نہیں آئی مگر اس کے ایک ہفتے بعد ہی تم طلاق لے کر آگئی۔ میں اپنی ساری خفگی بھلا کر تمہیں حوصلہ دینے لگا۔ مگر تم کو ناٹک کر رہی تھی تم نے دو یتیموں کی زندگی برباد کر دی۔ جہانگیر یتیم تھا تم نے اپنی اولاد کو بھی یتیم کر دیا۔ مگر آج بھی صرف میں ہی اسامہ کے بارے میں جانتا ہوں وہ میرے بارے میں کچھ نہیں جانتا یہ عباس کا کہنا تھا۔ اگر اس سے کچھ ہو جائے بس اسی صورت میں اسامہ میرے حوالے کیا جائے گا اس نے اسامہ کے لیے ایک خط تیار کر رکھا ہے۔ جس میں سب کچھ صاف الفاظ میں لکھا گیا ہے۔ جاننا چاہوں گی وہ اس وقت کہاں ہے. دانیال خان کا لہجہ یکدم طنزیہ ہو گیا۔ ان کے اس سوال پر جمیلہ بیگم کے اندر خوف کی ایک لہر دوڑ گئی اگر وہ زندہ نہ ہوا پھر؟ باقی سب خاموش پہ یقین تھے دانیال خان کو دیکھ رہے تھے۔ے پچھلے دو مہینوں سے تمہارے شوہر کے آفس میں کام کر رہا ہے شہریار مرزا اپنی جگہ سے قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکے۔ اسامہ صرف یہی نام اور چہرہ ان کے ذہن میں چل رہا تھا باقی سب اپنی آنکھیں اور دماغ بس حیرت سے پھٹنے کو تھے۔ میں نے تم سے کتنی دفعہ کہا کہ شادی کر لو مگر تم نے ہر بار انکار کیا میرے بار بار کہنے پر تم نے گھر کا مطالبہ کر دیا جبکہ تم یہ بھی جانتی تھی کہ اس وقت میں

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

لاہور میں ایک نئی کمپنی شروع کر چکا ہوں مگر میں تمہاری ضد کے اگے اور اپنی اولاد کی خواہش کا گلا گھونٹ دیا۔ ان کا اشارہ حذیفہ کی طرح تھا۔ حذیفہ نے ان کے اس طرح ذکر کرنے پر کچھ جذبز ہوا۔

میں تمہاری شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔ مجھے افسوس ہے کہ میرا تم سے خون کا رشتہ ہے اور زینیا یہاں سے کہیں نہیں جائے گی۔ تم جہاں جانا چاہو وہاں جاؤ دانیال خان نے انہیں جانے کا کہہ کر زینیا کو یہی رکنے کا کہا۔ ان کی اس طرح غیر متوقع بات پر سب چونکے

"ادھر آؤ بیٹا!" ان کے اس کے چہرے کی گھبراہٹ دیکھتے دینیال خان نے اسے اپنے پاس بلایا۔ وہ جھجکی مگر پھر ان کے قریب آگئی۔

"تم کہاں رہنا چاہتی ہو بیٹا؟" ان کا لہجہ نرم تھا۔

میں ریحام کے گھر رہوں گی۔ اس نے کہا ہے وہ لندن جاری ہے۔ میں نے اسے بتایا ہے کہ ہاسٹل شفٹ ہو رہی ہوں تو اس نے کہا ہے میں ہاسٹل کے بجائے اس کے گھر رہوں۔" زینیا نے انہیں تفصیل سے بتایا مگر ریحام کے لندن جانے کا سن کر سب چونکے۔ دانیال خان نے سوالیہ نظروں سے حذیفہ کو دیکھا جیسے تصدیق چاہ رہے ہوں جب کہ اڈ کے لندن جانے کا سن کر تو شہریار مرزا بھی بری طرح سے چونکے۔

"میں اپ سے بعد میں تفصیل میں بات کرتا ہوں" حذیفہ نے ان کو انکھوں سے مطمئن کیا۔

"سن لیا تم نے اب تم جاؤ۔۔ جہاں وہ ساری زندگی تم لوگوں کے بغیر گزار سکتی ہے تو ابھی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" دانیال خان کا لہجہ قطعی تھا۔

"میری بیٹیوں کو بیچ میں مت گھسیٹیں۔" اخر کار شہریار مرزا جو کہ لاؤنج کے دروازے پر کھڑے تھے، بول پڑے۔ ان کی آواز پر سب چونکے کیونکہ وہ کب سے دروازے پر کھڑے تھے۔ اس لیے سب ان کی آمد سے لاعلم تھے۔

"ریحام اور زینیا کو اس سب سے دور رکھیں۔ یہ میرا خون ہے اور یہ بات صرف میرے اور ان کے درمیان نہیں رہے گی۔" شہر میں مرزا کا لہجہ قطعی تھا۔ انہیں اپنی بیٹی پر یوں حق جتاتا دیکھ کر شہریار مرزا برہم نظر انے لگے۔

"تمہاری بیٹیاں میری بھی کچھ لگتی ہیں۔ یاد رکھو ایک میری بہو ہے دوسری تو دوسری میری بھتیجی، دونوں پر میرا بھی حق ہے۔" دانیال خان کا لہجہ جتانے والا تھا۔

"مگر وہ میری بیٹیاں پہلے ہیں لہذا پہلا حق میرا ہے اور میرے اور جمیلہ کی وجہ سے میں اپنی بیٹیوں پر ایک حرف ہی برداشت نہیں کروں گا۔" وہ زو معنی انداز میں بہت کچھ جتا رہے تھے۔ سب لوگ ان کے اس طرح کہنے پر ناگواری سے انہیں دیکھنے لگے۔

ہر کسی کو خود کے جیسا نہیں سمجھتے۔۔ دانیال خان کا لہجہ استہزائیہ تھا۔

جو بھی ہے ہم اس معاملے پر بعد میں بات کریں گے چلو زینیا اور جمیلہ میں گاڑی میں انتظار کر رہا ہوں۔ وہ کہتے باہر کی طرف بڑھ گئے۔ جیسے اشارہ تھا مزید بحث نہ کرنے کا۔ زینیا بھی فلحال خاموشی تو چلی گئی۔ جمیلہ بیگم نے بھی اپنے قدم باہر کو بڑھائے مگر آج ان کی چال بہت شکستہ تھی۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

شہریار مرزا، جمیلہ اور زینیا کے ساتھ مرزا ہاؤس میں داخل ہوئے جہاں سناٹا چھایا ہوا تھا کیونکہ سب ریحام کے گھر پر موجود تھے۔ شہریار مرزا غصے سے ہانپتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہوئے۔

زینیا اور رقیہ بیگم بھی لاؤنج میں داخل ہوئیں تو شہریار مرزا نے انہیں دیکھتے ہوئے غصے سے چیخے۔

یہ سب کیا تھا جمیلہ؟ اخر کیا کرنا کیا چاہ رہی تھی؟ تم اتنا بڑا دھوکہ تم کیسی عورت ہو نا تمہیں صرف اپنی اولاد کو دھوکہ دیا بلکہ اپنے شوہر، اپنا بھائی یہاں تک کہ مجھے بھی دھوکا دیتی آئی ہو۔ تم کس کس کو دھوکہ دیتی

آئی ہو میں یقین نہیں کر سکتا۔ مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میں نے یہ سب کچھ کیا کر دیا۔ میں نے ایک معصوم بچوں سے اس کی ماں چھین لی۔" شہریار مرزا غصے سے دھاڑے۔

صرف میں نے ہی نہیں اپ نے بھی یہی سب کچھ کیا ہے اپ نے بھی تو اپنی بیوی کو چھوڑ کے مجھ سے شادی کی اور اس کے بعد میں موسی کو کب سے ڈھونڈ رہی ہوں مگر مجھے کیا معلوم تھا وہ میرے اتنے قریب ہے جمیلہ بیگم نے شروع میں انہیں سنا کر اخر میں شکستہ لہجے میں کہا۔

میں نے تم سے شادی کی مگر میں نے تمہاری خاطر اپنے بچوں کو نہیں چھوڑا اور وہ تمہیں کیسے ملتا ڈھونڈنے سے وہ ملتے ہیں۔ جو گم ہو گئے ہوں جنہیں چھوڑا جائے وہ پھر نہیں ملا کرتے۔ تم نے اپنی اولاد کی قدر نہیں کی۔ میں جتنا بھی برا باپ، مگر میں کبھی اپنی اولاد سے دستبردار نہیں ہوا۔ شہریار مرزا کا لہجہ سرد تھا

آپ کے افس میں کام کرتا ہے ناوہ پلیز ایک دفعہ ملوا دیں۔ مجھے اس سے میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں یہ ایک دم یہ جمیلہ ہاشم خان کا لہجہ التجائیہ انہوں نے جیسے شہریار مرزا کی باتیں سنی ان سنی کیں۔

کیا وہ تم سے ملنا چاہے گا؟ یہ سوال نہیں تھا، تھپڑ تھا جو جمیلہ بیگم کے چہرے پر لگا۔ زینیا کب کی ان دونوں کو ان کے حال پر چھوڑ کر لان کی طرف بڑھ گئی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"آپ ایک دفعہ مجھے اس سے ملوائیں تو ہو سکتا ہے وہ مجھے معاف کر دے۔ جہانگیر کا خون ہے اس کا دل بہت بڑا ہو گا۔" جمیلہ بیگم نے ایک اور کوشش کی۔

اس نے میرے پاس سے نوکری چھوڑ دی ہے۔ وہ ایک پل کو رکے جمیلہ بیگم کے تاثرات دیکھے جو کہ بے چینی سے ان کے اگلے جملے کی منتظر تھیں۔ میں اسے صرف ایک بار بلواؤں گا یاد رکھنا اس کے بعد میرا تعلق ختم۔ یہ بھی صرف اس صرف انسانیت کی خاطر کر رہا ہوں۔ اب تم جاؤ یہاں سے۔ انہیں کہتے ساتھ شہریار نے لان کی طرف قدم بڑھایا تھا کہ زینیا کو دیکھ سکیں اور جان سکیں کہ ریحام کے گھر کیوں رہے گی اور ریحام لندن کیوں جائے گی؟

مرزا صاحب لان میں آئے تو زینیا پودوں کی طرف چہرہ کیے کھڑی ہوئی تھی۔ مرزا صاحب کی طرف اس کی پیٹھ تھی۔

زینیا! شیر یار مرزا کے پکارنے پر وہ ان کی طرف مڑی۔

جی؟ زینیا نے انہیں سپاٹ اور سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

تم کیا کہہ رہی تھی وہاں کہ ریحام لندن جا رہی اور تم ریحام کے گھر کیوں رہو گی اور ریحام لندن کیوں جا رہی ہے؟ مرزا کا لہجہ نرم اور آواز دھیمی تھی انہیں اندازہ تھا وہ اپنی اس اولاد کے ساتھ کتنی زیادتی کر چکے ہیں۔ دنیا میں اگر شہریار مرزا کسی کے سامنے پڑ جاتے تھے تو وہ زینیا تھی۔ کہ وہ ریحام کی طرح جذباتی غصے کی تیز یا ایکسپریسو نہیں تھی۔ ماہا کا مزاج دونوں سے مختلف تھا وہ زیادہ ماں کے قریب تھی ماہا کی شخصیت منہ موڑ لینے والی تھی جیسے اس وقت وہ مرزا صاحب سے بات کرنے کے بجائے انہیں اگنور کر گئی۔ غازان ان تینوں سے مختلف تھا اس کی کوشش ہوتی کہتی کہ سب کو ان کی کمفرٹ زون میں رکھ کر انہیں ڈیل کیا جائے۔ سب کو معاف کر کے اگے بڑھ جایا جائے جبکہ شہریار مرزا کے تینوں بیٹیاں اکھڑ مزاج کی تھیں۔

کیا فرق پڑتا ہے ڈیڈ؟ میں جہاں بھی رہوں میں ہمیشہ سے ہی ایک انچاہا اور بغیر ضرورت کے پیدا کیے جانے والا انسان تھی۔ میرے ہونے نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ زینیا بے تاثر نظروں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

ایسا نہیں ہے تم تو مجھے سب سے پیاری ہو۔ میں ان تینوں کے ساتھ سختی کر سکتا ہوں۔ مگر تمہارے ساتھ نہیں۔ تبھی تو تمہارے اتنے بڑے قدم اٹھانے پر بھی میں نے تم سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ پتہ ہے کیا زینیا میں ہمیشہ سے جانتا تھا کہ میں غلط ہوں مگر پھر بھی میں غلط کرتا رہا۔ کبھی کبھی ہم جانتے بوجھتے گناہ کرتے رہتے ہیں تاکہ اپنے نفس کو تسکین پہنچا سکیں۔ میں جانتا تھا کہ میں نے جمیلہ کے ساتھ غلط کیا۔ میں

یہ بھی جانتا تھا کہ میں دل میں کسی اور کو بسایا ہوا پھر بھی رقیہ سے شادی کی، اسے کبھی وہ اہمیت نہیں دی وہ حق نہیں دیا جو وہ ڈیزرو کرتی تھی۔ میں نے اس کے حصے کی توجہ بھی ریحام کو دی تھی۔ نتیجتاً وہ اپنی ہی اولاد سے دور ہو گئی۔ پھر جمیلہ سے شادی کر کے اس کے ساتھ زیادتی کی انتہا کی۔ اس کے بعد میں بنٹ گیا۔ میرا وقت بنٹ گیا۔ جس کی بنا پر ریحام کو اگنور کرتا رہا اپنی چھوٹی اولادوں کو اگنور کرتا رہا پھر تمہارے ساتھ جو میں نے کیا وہ سب سے برا ہے۔ پھر میں نے ریحام پر یقین نہیں کیا اور اس کے بعد اسے اپنے پیسے کا جتایا اس سب میں میں نے تم سب کے ساتھ زیادتیاں کی ہیں اور میں سب کرتے ہوئے بھی جانتا تھا کہ میں غلط ہوں۔ سوائے ریحام پر یقین نہ کرنے کے تب میں نے واقعی میں ایک روایتی باپ بن کر اپنی اولاد کا یقین نہیں کیا اور جب ہمیں یہ معلوم ہو ہم گناہ کر رہے ہیں تو اس کو گناہ بھی بڑھ جاتا ہے۔ میں نے انسانوں کے دل توڑے ہیں۔ مگر مجھے نہیں معلوم کہ میں کسی بچے سے اس کی ماں بھی چھین رہا ہوں کبھی اپنے گناہوں کو اتنی تکلیف نہیں ہوئی جو میں جان بوجھ کر کرتا ہوں مگر اج ہو رہی ہے۔ مجھے دو چیزوں پر ہمیشہ دکھ اور تکلیف رہے گی۔ ایک میں نے ریحام کا یقین نہیں کیا اور دوسرا ایک بچے سے اس کی ماں چھین لی چاہے میں نہیں جانتا تھا۔ زینیا خاموشی سے انہیں سنتی رہی۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"آپ سب سے معافی مانگ لیں۔ ہو سکتا ہے اللہ سب کے دلوں کو آپ کے لیے پھیر دے۔ نرم گوشہ ڈال دے مگر شرط یہ ہے کہ آپ کو واقعی احساس ہو جب دل بندوں کا دکھایا ہے تو قن سے معافی مانگیں پھر اللہ بھی آپ کو معاف کر دے گا۔" زینیا نے باپ کو مشورہ دیا۔

"کون معاف کرے گا مجھے؟" مرزا صاحب کا لہجہ استہزائیہ تھا۔

"کوشش!" زینیا نے یک لفظی جواب دیا

"کیا تم مجھے معاف کرو گی؟" مرزا صاحب کا لہجہ کسی بچے کی طرح تھا۔ جیسے کہنا چاہ رہے ہو تم مجھے یہ چیز دے دو۔ یکدم زینیا کی آنکھیں بھرنے لگیں۔ اسے جیسے اسی لفظ کو سننے کی چاہ تھی۔

"آپ نے میرے ساتھ بہت برا کیا ڈیڈ بہت برا۔" زینیا کی آواز بھر آئی۔

"آپ نے مجھے میرا وقت نہیں دیا جو میرا حق تھا۔ میں نے مان لیا۔ توجہ نہ دی، مجھے وہ بھی قبول ہوتا۔ مگر آپ نے مجھے پہچان بھی نہیں دی۔" یکدم وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ شہریار مرزا نے پہلی بار زینیا کو روتے دیکھا تھا۔ ان کی خود کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ انہوں نے زینیا کو اپنے بازو کے گھیرے میں لے لیا۔ "مجھے معاف کر دو بیٹا۔ میں نا ایک اچھا باپ بن سکا نا شوہر نا ہی اچھا انسان۔" مرزا کی آواز کانپی۔ وہ دونوں رو رہے تھے ایک اپنے گناہوں پر تو دوسرا اپنے ساتھ ہوئی زیادتیوں پر۔۔

"تم نے مجھے معاف تو کر دیا نا زینیا۔۔؟" جب وہ دونوں باپ بیٹی کافی سارا رو چکے تو شہریار مرزا نے اس سے خود سے الگ کرتے ہوئے پوچھا۔

زینیا نے بس سر ہلا دیا وہ بات کرنے کی حالت میں نہیں تھی۔ شہریار مرزا نے اسے خود سے لگایا اور اندر کی طرف بڑھ گئے۔ ان دونوں باپ بیٹی کا دل اب کافی ہلکا ہو چکا تھا۔ معافی انسان کو بہت ہلکا پھلکا کر دیتی ہیں۔ اگر انسان کسی سے معافی نہ مانگے یا پھر کسی کو معاف نہ کرے دونوں صورتوں میں انسان کے دل پر بوجھ رہتا ہے۔ اسی لیے چاہیے کہ اگر اپ کی غلطی ہے تو معافی مانگ لیں اور اگر آپ سے کوئی معافی مانگ رہا ہے تو اسے کھلے دل سے معاف کر دیں۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

دو دن بعد:

ہفتے کی صبح سورج پورے آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ نا زیادہ گرمی تھی نہ زیادہ ٹھنڈ۔ آج شہریار مرزا نے اسامہ کو کسی کام کا کہہ کر ایک ریسٹورنٹ بلایا تھا۔ جہاں پر جمیلہ اسامہ سے ملاقات کرنے والی تھی۔ ریحام اور باقی سب اس بات سے ابھی تک لاعلم تھے کہ جمیلہ ہاشم خان کی کوئی پہلی شادی سے اولاد بھی تھی۔ ماہا اور رقیہ بیگم ریحام کے گھر ہی تھیں۔ اس سب عرصے میں اگر کچھ بہتری آئی تھی تو وہ یہ کہ ریحام نے رقیہ

بیگم کو ان کے معافی مانگنے پر معاف کر دیا تھا۔ رقیہ بیگم نے خود ریحام سے معافی مانگی تھی۔ انہیں اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا اندازہ تھا۔ وہ جس انسان کی خاطر اپنی اولاد سے بدگمان رہیں۔ اس نے انہیں یہ صلہ دیا تھا وہ شرمندہ تو کافی عرصے سے تھیں۔ مگر ریحام کے مائیگرین کا سن کر ان کا دل کافی بے چین ہو گیا تھا۔

ریحام کو سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا کہے کیا کرے؟ کیا معاف کر دینا اتنا اسان تھا؟ کیا وہ سب بھلایا جا سکتا تھا؟ جب ریحام کو ان کی ضرورت تھی اور انہوں نے اس سے منہ موڑ لیا۔ معاف کرنا اتنا بھی آساں نہیں۔ یہ ظرف والوں کا کام ہے اور ہر کسی کا ظرف اتنی اجازت نہیں دیتا کہ وہ معاف کر سکے۔ مگر جب رقیہ بیگم اس کے سامنے رونے لگیں تو اس کی خود کی آنکھیں آنسوں سے کیسے اور کیوں بھر گئیں؟ اسے معلوم نہ تھا۔ شاید ماں کو روتا دیکھ کر تب اسے احساس ہوا کہ ماں کو روتا دیکھ کر صرف ایک سال کا بچہ نہیں روتا بلکہ ستائیس سال کا بچہ بھی رو سکتا ہے۔۔

ان دو دنوں میں ریحام جائیداد کے پیپرز پر کام کر رہی تھی تا کہ سب کو حمدان مرزا کی جائیداد میں سے سب کو برابر اور جائز حصہ دے سکے۔

باقی رخصتی ولیمے کی تیاریاں بھی چل رہی تھیں۔ یہ بھی صرف اس لیے منعقد کیا جا رہا تھا کیونکہ نکاح کا فنکشن بہت ہائی کلاس ہوا تھا۔ اب اگر اتنی سادگی سے رخصتی کرتے تو لوگوں کو باتیں بنانے کا موقع ملتا۔

ریحام کی پچھلے دنوں اقراء (درانی کی بیوی) سے بھی بات ہو چکی تھی وہ خود اور اپنی بیٹی کو ساتھ لے کر ہمیشہ کے لیے امریکہ شفٹ ہو گئی تھی تا کہ آئندہ انے والی زندگی میں کبھی بھی وہ اپنی بیٹی پر اس برے وقت کا سایہ نہ پڑنے دے۔

ریحام کو آج فریال سے ملنے جانا تھا۔ وہ کچھ اچھا وقت گزارنا چاہتی تھی، جب بھی انسان اچھا وقت گزارنا چاہتا ہے، تو وہ دوستوں کے پاس جاتا ہے۔ ریحام فریال سے ملنا اس لیے بھی چاہتی تھی کیونکہ دو دن بعد

اسے ریحام اور حذیفہ کو دو مہینوں کے لیے جرمنی جانا تھا۔ فریال کے ساتھ کچھ ہی وقت گزارا تھا کہ اس کے گھر سے فون آنے لگا۔ وہ گھر کے لیے نکل گئی۔ مگر ریحام کا موڈ کافی پینے کو ہو رہا تھا۔ لہذا ریحام کافی آرڈر کر کہ ابھی وہ ادھر اُدھر دیکھنے میں ہی مصروف تھی کہ اس کی نظر ریسٹورنٹ سے داخل ہوتے دانیال خان پر گئی۔ وہ حیران ہوئی پھر سوچا کہ شاید کسی میٹنگ کے سلسلے میں آئے ہوں۔ مگر وہ میٹنگ والے حلیے میں نہ تھے۔ وہ ایک کونے کے ٹیبل پر جا کر بیٹھ گئے۔ ریحام خود دوسرے کونے میں بیٹھی تھی۔ مگر ریسٹورنٹ کے کافی کشادہ ہونے کی وجہ سے وہ آرام سے دانیال خان کو دیکھ رہی تھی۔ دانیال خان کی نظر ابھی تک ریحام پر نہیں پڑی تھی۔ وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ چکے تھے جبکہ چہرے کو مینیو کارڈ سے چھپا لیا تھا۔ ریحام الجھی۔۔ آخر دانیال خان کیا کرنا چاہ رہے تھے؟ کس سے چھپنا چاہ رہے تھے؟ ابھی وہ یہی سمجھنے کی کوشش میں ہلکان ہو رہی تھی کہ ریسٹورینٹ کے دروازے سے اسامہ نمودار ہوا۔ وہ جواب تک دانیال خان کو یہاں دیکھ کر الجھ رہی تھی۔ اب اسامہ؟ اسامہ ادھر اُدھر نظریں گھماتا جیسے کسی کی تلاش میں تھا۔ اس سے پہلے کہ اس کی نظر ریحام پر پڑتی۔ ریحام نے فوراً سے چہرہ جھکا لیا۔ اسامہ شہریار مرزا کو نا پا کر ریحام کے آگے والی ٹیبل پر ان کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ مگر اس طرح سے کہ اس کی ریحام کی طرف پیٹھ تھی۔

ریحام نے سرعت سے اپنی جگہ فریال کی جگہ سے بدلی، تاکہ اسامہ کے سامنے بیٹھنے والا ریحام کو نہ دیکھ سکے۔ اب ریحام کی پیٹھ اسامہ کی میز کی طرف تھی۔ اس طرح ریحام نا ہی اسامہ کو نظر آسکتی تھی۔ نا ہی دانیال خان کو اور نا ہی اسامہ کے سامنے بیٹھنے والے شخص کو۔

اسامہ بار بار گھڑی کو دیکھ رہا تھا کہ کب شہریار مرزا کب تک آئیں گے۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

شاہنواز امیر درانی اس وقت ہسپتال میں سرہاتھوں میں گرائے بیٹھا تھا۔ اس وقت اس اپنے سارے گناہ یاد آرہے تھے۔ اس کی انکھیں تکلیف سے بھرنے لگیں۔ انسان دوسروں کے ساتھ غلط کرتے ہوئے یہ نہیں سوچتا کہ وقت اس کے پاس بھی لوٹ آئے گا۔ کاش! انسان اس بارے میں سوچ لے۔ ابھی وہ سرہاتھوں میں گرائے بیٹھا تھا تا کہ ڈاکٹر اس کے قریب آئے۔

"دیکھیں میں آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ آپ کے بیٹے کا کینسر آخری سٹیج پر ہے۔ ہم علاج تب کر سکتے ہیں جب وہ ابتدائی مراحل پر ہوتا، اب ہمارے ہاتھ سے سب نکل چکا ہے۔ باقی اللہ آپ کے لیے اور آپ کے بچے کے لیے آسانی کرے۔" ڈاکٹر کہتا آگے کی طرف بڑھ گیا۔ جب کہ شاہنواز سن کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں کے پردوں میں مختلف لمحے اس کا ریحام سے دوستی کرنا اور پھر اس کے بارے میں خبر رکھنا، اس کی آنکھوں میں وہ پل لہرائے جب اس نے کئی لڑکیوں کے ساتھ زیادتی اور غلط کیا تھا۔

اس کے ذہن سے یہ بھی نکل چکا تھا کہ اسے اپنے بھائی کا بدلہ لینا ہے۔ اس کو صرف یہی اس کی اولاد مر رہی ہے۔ جتنا بھی اس نے لوگوں کے ساتھ برا کیا تھا۔ کوئی بھی اس سے بد دعا دے سکتا تھا، اولاد کے آگے بھائی کہاں دکھتا ہے؟ اسے لگا شاید کوئی اسے معاف کر دے، تو اللہ اس کے حالات کو کچھ نہ کرے۔ انسان کتنا خود غرض ہے۔ مگر انسان کا بھی کوئی قصور نہیں یہی انسان کی فطرت ہے۔ وہ خود سے زیادہ کبھی کسی کا نہیں سوچ سکتا۔

اسامہ، ریحام اور دانیال خان تینوں اندر انے والے کے انتظار میں تھے۔ ان تینوں میں سے دانیال خان جانتے تھے کہ اندر اصل میں کون آئے گا کیونکہ ریحام کو معلوم نہ تھا اور اسامہ کو جو معلوم تھا وہ آنے والا نہیں تھا۔ دانیال خان یقیناً ان چند سالوں میں اسامہ پر نظر رکھتے ہوئے آئے تھے۔ اس لیے آج بھی وہ جانتے تھے کہ اسامہ سے ملنے کے لیے یہاں شہریار نہیں جمیلہ آئیں گی۔ وہ جیسے اپنی بہن سے اچھے سے

واقف تھے۔ اچانک سے جمیلہ ہاشم خان ریسٹورینٹ میں داخل ہوئیں اور انہوں نے اسامہ کی تلاش میں نظریں گھمائیں۔ بالا آخر وہ انہیں نظر آیا اور انہیں لگا جیسے وقت پیچھے چلا گیا ہے۔ وہ وہیں تھم گئیں۔ انہیں لگا جیسے ان کے سامنے جہانگیر بیٹھا ہے۔ (وہ رات میں ہی اس کی تصویر دیکھ چکی تھیں۔) اور اسامہ کی میز کی طرف قدم بڑھانے لگیں۔ جبکہ اسامہ سوالیہ نظروں سے اپنے سامنے کھڑی خاتون کو دیکھ رہا تھا۔ جبکہ جمیلہ ہاشم خان تو یک تک اپنے سامنے بیٹھے اس نوجوان کو دیکھ رہی تھیں جس کو وہ 21 سال پہلے چھوڑ آئی تھیں۔ اولاد کے بچپن میں ماں باپ طاقت رکھتے ہیں، جبکہ جب اولاد جوان ہو جاتی ہے تو اولاد طاقت میں آجاتی ہے۔ جیسے اس وقت جمیلہ نے اپنی طاقت استعمال کرتے ہوئے اسامہ کو چھوڑ دیا اور اس وقت اسامہ پر ہے کہ وہ کیا کرے۔

"جی آپ کون؟" اسامہ نے جمیلہ کو یک ٹک خود کو دیکھتا پا کر پوچھا۔ اس سے پہلے جمیلہ ہاشم خان ہمت کر کے کچھ بولتیں، پیچھے سے دانیال خان نمودار ہوئے۔

ریحام الجھن کے زیر اثر سر جھکا ہوئے تھی۔ وہ کافی پیتی ان سب کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی، اس کے پیچھے کون کھڑا ہے یا اسامہ کس سے مخاطب ہے؟ دانیال خان کی آواز پر اسامہ نے نظر ان کی طرف اٹھا کر دیکھا۔ لیکن نقوش میں دیکھنے سے ہی معلوم ہو گیا کہ وہ دونوں بہن بھائی ہیں۔

"جی بولیں؟" اسامہ باری باری دونوں کے چہرے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

"ایک منٹ رکو۔ "عباس صاحب کا انتظار کر رہا ہوں وہ آجائیں پھر وہ خود بتائیں گے۔ دانیال خان نے جمیلہ خان کی طرف دیکھتے ہوئے استہزائیہ انداز میں کہا مگر مخاطب وہ اسامہ سے تھے۔

ابھی اسامہ کچھ بولتا کہ پیچھے سے عباس صاحب آتے ہوئے نظر آئے اور سب کو کرسی سنبھالنے کا کہا، عباس صاحب نے ایک نگاہ بھی جمیلہ پر ڈالنا گوارا نہیں کیا۔ اسامہ سوالیہ نظروں سے عباس صاحب کی

طرف دیکھ رہا تھا، جبکہ دوسری طرف ریحام شدید تجسس کی شکار تھی کہ آخر یہ عباس اور دوسری شخصیت (جمیلہ) ہیں کون؟

"یہ تمہاری ماں جمیلہ ہے اور یہ تمہارے ماموں دانیال خان۔" ابھی عباس صاحب نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ اسامہ تو بے یقینی سے ان کو دیکھنے لگا۔ وہ ایسے ہو گا جیسے کسی گہرے صدمے کے زیر اثر ہو۔ دوسری طرف ریحام بھی سکتے میں آ گئی۔ ان کی آواز زیادہ بلند نہ تھی، مگر میز قریب قریب ہونے کے بنا پر ریحام بآسانی سب سن سکتی تھی۔ دوسری طرف عباس صاحب مختصر الفاظ اور ان پہلوؤں سے اسامہ کو متعارف کروا رہے تھے، جو وہ نہیں جانتا تھا۔ جسے سن کر ریحام اور اسامہ بے یقین اور صدمے میں تھے۔ اسامہ جیسے جیسے سنتا جا رہا تھا۔ اس کا چہرہ سپاٹ ہوتا جا رہا تھا۔ جبکہ جمیلہ ہاشم خان کا چہرہ شرمندگی سے جھکتا چلا جا رہا تھا۔ عباس صاحب اسامہ کو ہر پہلو سے اگاہ کر رہے تھے۔ دانیال خان کا حقیقت سے لاعلم ہونا، عباس صاحب کا دانیال سے رابطہ کرنا، جمیلہ کی شادی اس کی سوتیلی بہن اور ان کا اسے چھوڑ جانا، باقی تو سب اسامہ خود بھی جانتا تھا۔ کوئی بھی عورت کہ اپنے وجود کے حصے کو کیسے چھوڑ سکتی ہے؟ جسے وہ اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی محسوس کر چکی ہو۔ عباس صاحب بول کر خاموش ہوئے تو اسامہ کے ذہن میں یہ سوال ابھرنے لگے جبکہ وہ چاروں ہی خاموش تھے۔ دوسری طرف ریحام کا خاموش رہنا مجبوری تھا۔ مگر آج ریحام کا دل چاہا خاموشی توڑ ڈالے۔ ساری حدیں پھلانگ کر انہیں ان کی حقیقت پر تمغہ پیش کرے۔ (وہی ریحام کی جذباتی طبیعت) ریحام کا صبر جواب دے گیا۔ اس نے بل میز پر رکھ کر بیرے کو اشارہ کیا۔ جبکہ خود وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ اب وہ بیگ اٹھا کر پیچھے کی طرف مڑ رہی تھی۔ ریحام اس وقت کالی جینز پر لال شارٹ فراک زیبتن کیے ہوئے تھی۔ وہ بہت کم باہر اس حلیے میں نکلا کرتی تھی۔ زیادہ تر اسے خود کے لیے وقت میسر ہی کہاں آتا تھا؟ ریحام نے مڑ کر چاروں پر ایک نظر ڈالی۔ سب خاموشی سے نظریں جھکائے ہوئے تھے جیسے ایک دوسرے سے نظریں چرا رہے ہوں۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"السلام علیکم ایوری ون! میں نے سوچا آپ لوگوں نے تو مجھے بلایا نہیں، میں خود ہی جوائن کر لوں۔" ریحام کہ لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ تھی۔ جبکہ سب کی اس کی آواز پر جھٹکے سے سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگے۔ اسامہ نے اسے ادھر دیکھ کر نظریں پھر سے جھکا لیں۔ جبکہ باقی سب سمجھ چکے تھے کہ وہ سب کچھ جان چکی ہے۔

"مسٹر اسامہ آپ آج بھی اتنی ہی بے وقوف ہیں، جتنے مجھے اس دن لگے تھے۔ دوسروں کے گناہ سن کر گردنیں جھکانے والے بے وقوف کہلائے جاتے ہیں۔" صرف یہ چند الفاظ کہے تھے ریحام نے، جیسے سب کو جتانا چاہ رہی ہو کہ وہ سب سن چکی ہے۔ اسامہ نے اس کی باتیں سن کر ایک گہری سانس بھری۔ اس کا دل جلنے لگا۔ آنکھوں کو جھپک کر اس نے نمی کو اپنے اندر اتارا۔ اس کی سوتیلی بہن اور جس سے وہ محبت کرتا تھا، وہ دونوں اس شخص کی بیٹیاں تھیں جس کی وجہ سے اس کی ماں نے اس کے باپ کو چھوڑ دیا۔ کچھ حقائق بڑے جان لیوا ہوتے ہیں۔ ایسے زخم بن جاتے ہیں، جو کبھی نہیں بھرا کرتے اور جو زخم کبھی نہیں بھرا کرتے وہ ناسور بن جاتے ہیں۔

"مجھے معاف کر دو بیٹا، میں جانتی ہوں، میں غلط تھی۔ مگر میں تمہیں کافی عرصے سے ڈھونڈ رہی ہوں۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تم میرے اتنے قریب ہو۔" جمیلہ بیگم اسامہ کو مستقل خاموش دے کر التجائیا انداز میں گویا ہوئیں۔ دانیال خان اور عباس صاحب خاموشی سے اسامہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"معاف کرنا آسان ہے کیا؟ آپ نے صرف میرے ساتھ یہ سب کچھ کیا ہوتا تو میں معاف کر بھی دیتا مگر آپ نے میرے باپ کو بھی اذیت دی۔ اسامہ نے بے حد ضبط سے یہ الفاظ ادا کیے۔

"بیٹا میں شرمندہ ہوں تم سے۔۔" ابھی جمیلہ بیگم کچھ کہتی ہیں کہ اسامہ نے ان کی بات کاٹ دی۔

"آپ شرمندہ نہیں ہیں۔ آپ کو بس گلٹ ہے۔ جو آپ کو یہاں تک لے آیا ہے۔ اسامہ نے استہزائیہ انداز میں سر جھٹکا۔

"آئندہ مجھ سے دور رہیے گا۔ جیسے ساری زندگی رہتی آئی ہیں۔" اسامہ کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"بیٹا میری بات تو سنو۔ مجھے معاف کر دو میں تمہاری ماں ہوں۔" جمیلہ بیگم نے اسے روکنے کی ایک اور کوشش کی۔

"میں آپ کے لیے کچھ محسوس نہیں کر سکتا نا ہی کرتا ہوں۔ نا محبت، نا نفرت، نا ہمدردی، تو معافی تلافی کا تو کوئی جواز نہیں ہے۔ پھر بھی میں نے آپ کو معاف کیا۔ جو آپ نے میرے ساتھ کیا، مگر اپنے باپ کے ساتھ ہوا میں کبھی معاف نہیں کروں گا۔ کوشش کیجئے گا کہ ہمارے راستے دوبارہ نہ ٹکرائیں۔" اسامہ کی آنکھیں ہر جذبے سے خالی تھیں وہ یہ کہہ کر رکا نہیں بلکہ باہر کی طرف قدم بڑھانے لگا جبکہ عباس صاحب اور دانیال خانوں سے باہر کی طرف جاتا دیکھ کر اسے اس کے پیچھے گئے۔ پیچھے جمیلہ بیگم سبکی کے احساس سے سرخ چہرہ لیے رہ گئیں۔

وہ سمجھ رہی تھیں جیسے یہ زندگی نہیں کوئی فلم ہے۔ جہاں غلطیاں کر کے لوگوں کے دل دکھا کر ان کی زندگیاں برباد کر کے آخر میں معافی مانگ لینے سے سب ٹھیک ہو جاتا ہے، جبکہ حقیقت اس سب سے مختلف ہے۔ حقیقت میں ہر کوئی معاف نہیں کر پاتا ہر کسی کے پاس اتنا حوصلہ اور ہمت نہیں ہوتی کہ وہ اپنے ساتھ برا کرنے والے کو معاف کر سکے۔ یا کبھی آپ کے گناہ ہی اس قابل نہیں ہوتے کہ ان کو معاف کیا جائے۔

شہریار مرزا اس وقت اپنے آفس میں بیٹھے غیر مرئی نقطے کو گھور رہے تھے۔ وہ اس وقت بالکل خالی ہاتھ رہ گئے تھے۔ زینیا تھی جو انہیں ماف کر چکی تھی۔ ریحام تو ان سے سالوں سے بدگمان تھی۔ جبکہ ماہا، اور رقیہ بیگم ریحام کے گھر موجود تھیں۔ غازان دن میں باپ کے پاس مرزا ہاؤس چکر لگا جاتا تھا۔ مگر وہ زیادہ بات نہیں کرتا تھا۔ تکلیف تو اسے بھی تھی کہ اس کے باپ نے اس کی ماں پر کسی اور عورت کو فوقیت دی۔ مگر

اس نے کوئی شکوہ نہیں کیا۔ چکر بھی وہ صرف اس لیے لگاتا تھا کہ اس کے خیال میں ہمیں ہمارے اپنوں کی غلطیوں پر انہیں چھوڑنے کے بجائے ان سے ناراض ہو جانا چاہیے۔ مگر انہیں چھوڑ دینا، ان سے غافل ہو جانا، کہاں کی عقلمندی ہے؟ کیا کبھی ماں باپ اولاد کی غلطیوں پر انہیں چھوڑ دیتے ہیں؟ نہیں نا؟ تو بس اولاد کو بھی چاہیے کہ انہیں چھوڑنے کے بجائے ان سے ناراض ہو جائیں کیونکہ اس کا حق تو رکھتے ہیں وہ۔۔ خون کے رشتے اس قدر عزیز ہوتے ہیں کہ وہ آپ کے ساتھ جتنی بھی زیادتی کر لیں، کہیں نہ کہیں زندگی میں ہمارا دل ان کے لیے ہی تڑپتا ہے۔ انہیں یہ بھی احساس ہو رہا تھا کہ وہ رقیہ بیگم کے ساتھ کتنی زیادتی کر چکے تھے۔ ابھی وہ بیٹھے یہی سب سوچ رہے تھے کہ انٹر کام بجا۔ وہ جیسے ہوش میں آئے۔

"جی سر کوئی شاہنواز نامی آدمی ہیں۔ آپ سے ملنے کے لیے بار بار ضد کر رہیں ہیں۔

"ٹھیک ہے بھیج دو۔"

ابھی انہوں نے انٹر کام رکھا ہی نہیں تھا کہ ان کا دروازہ بجا۔ انہوں نے آنے والے کو اندر آنے کی اجازت دی۔

"جی بیٹھئے آپ کون؟ میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔۔" شہریار مرزا اندر داخل ہوتے شاہنواز سے مخاطب ہوئے۔

"میں شاہنواز امیر درانی ہوں، عرفان دورانی کا بھائی۔" شاہنواز کا لہجہ مدھم جبکہ کندھے جھکے ہوئے تھے۔ اولاد کی تکلیف ماں باپ کو وقت سے پہلے بوڑھا کر دیتی ہے۔ اس کے تعارف پر مرزا صاحب کی بنھویں تن گیئں۔

"تو یہاں کیا کرنے آئے ہو؟" مرزا صاحب کا لہجہ سخت تھا۔

"میں آپ کی بیٹی ریحام سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ میں اس کے آفس اور آپ کے گھر بھی گیا تھا۔ مگر وہ دونوں جگہ نہیں تھی۔" مرزا صاحب کو غصے میں آتا دیکھ کر وضاحتی انداز میں کہا۔

"کس بات کی معافی؟ شہریار مرزا نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

جب بھائی سے اپ کی زینیا کی وجہ سے تعلق خراب ہونا شروع ہوئے، تو انہوں نے آپ سے بدلہ لینے کے لیے مجھے ریحام کے پیچھے لگا دیا۔ میں ان دنوں لندن میں تھا۔ میں نے کئی بار اس سے دوستی اور اس کے قریب جانے کی کوشش کی، مگر وہ سلام سے زیادہ بات کرنا پسند نہیں کرتی تھی اور پھر ایک دن میں نے اسے پلان بنایا کہ کیوں نا اسے کڈنیپ کر لیا جائے؟ مگر قسمت نے رخ پلٹ دیا۔ اس دن اسے اور اس کی دوست کو دو آدمیوں نے پکڑ لیا۔ مجھے جب اس سب کی خبر ہوئی تو میرے پلان پر پانی پھر گیا، اور سب کے بعد وہ اپنی دوست کے ماموں کی سیکیورٹی کے زیر اثر تھی لہذا یہاں کام نہیں بن سکا، پھر وہ پاکستان واپس آ گئی۔ بھائی نے اس پر نظر رکھوائی، مگر کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ وہ بہت نڈر اور دلیر تھی، کسی کے قابو میں نرمی سے تو آ نہیں سکتی تھی اور جتنی بھی بار اس کے خلاف پلیننگ کی گئی ہے، ناکامی کا ہی سامنا کرنا پڑا۔ مگر قسمت نے ایک اور موقع دیا، اب بھائی اور میں مل کر ایک دن اسے اٹھوانے والے تھے، یہ موقع ہمیں مال کی پارکنگ میں ملا تھا۔ مگر اچانک وہاں ایک آدمی آ گیا۔ یہ واقعہ آج سے ڈیڑھ سال پہلے کا ہے، ریحام تو چلی گئی مگر ہمیں نہیں معلوم تھا کہ پارکنگ میں کوئی اور بھی موجود ہے جو ہماری حرکات کو دیکھ رہا ہے۔

اس وجود نے میرے اور بھائی کے ساتھ ہاتھ ملا لیا اس کا کہنا تھا کہ وہ بھی ریحام کو برباد کرنا چاہتا ہے اور جب اس سے وجہ پوچھی تو کہا کہ میرے لوگوں کا اسے اہمیت دینا مجھے پسند نہیں۔ ہم لوگ سمجھ گئے کہ وہ حسد کا شکار ہیں۔ ہمارے پاس ہاتھ ملانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا، کیونکہ وہ ہمیں دھمکی دے چکا تھا کہ یہ سب پولیس کو بتا دے گا۔ وہ وجود کوئی اور نہیں "جمیلہ ہاشم خان" تھی۔ شہریار مرزا جو اس کی بات سن رہے تھے اچانک اس سب کو سنتے انہیں لگا جیسے ان کے سر پر دھماکہ ہوا ہے۔ وہ حسد میں تھیں انہیں آپ کا ریحام کو اہمیت دینا پسند نہیں تھا ہمیں لگا انہیں صرف ریحام سے مسئلہ ہے مگر ہماری حیرت کی انتہا تب ہوئی جب انہوں نے ایک دن ایک روز ایک لڑکی کو اپنے ہی بھائی کے بیٹے سے اٹیچمنٹ بڑھانے کا کہا، مگر

یہ معاملہ کافی عرصے سے چل رہا تھا اور پھر اچانک حذیفہ اور ریحام کی اپس میں کیس کے سلسلے میں ملنا اور پھر اچانک حذیفہ اور ریحام کی شادی، اس سب سے جیسے ان کی فطرت اور حسد میں اور اضافہ ہوا۔ انہوں نے حذیفہ پر بھی نظر رکھوانا شروع کر دی۔ ان دونوں کو ایک نہ کرنے پر بھی انہوں نے آپ کے سامنے سر توڑ کوششیں کیں۔ مگر ہوتا تو وہی ہے جو اللہ چاہتا ہے۔ جب کچھ نہ ہو سکا تو انہوں نے نکاح کے بعد حذیفہ پر نظر رکھی۔ انہی دنوں میں وہ اپنے کسی یونی فیلو سے ملا تھا۔ اس کی تصاویر بنوا کر انہوں نے ریحام کو بھجوا دیں۔ مگر نتیجہ اس کے برعکس نکالا۔ وہ جانتی تھی کہ ریحام جذباتی ہے تو یقیناً جذبات میں آ کر شدید رد عمل دے گی۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ اسی سب میں بھائی نے اقرا کے ساتھ زبردستی کی، جس کا کیس بھی ریحام کے پاس چلا گیا۔ اب بھائی اور جمیلہ کے پاس ایک اور وجہ تھی۔ ان دونوں نے سر توڑ کوششیں کر ڈالیں، جس میں میں بھی شامل تھا۔ دھمکیاں، پیچھا کرنا اور بہت کچھ، اسی سب میں جمیلہ بیگم بھائی کو تسلیاں دیتی رہیں کہ کچھ نہیں ہو گا۔ انہیں بھی یہی لگا کہ کچھ نہیں ہو گا، جبکہ میں کافی بار انہیں سمجھا چکا تھا۔ اس کے بعد بھی انہوں نے اچانک اس لڑکی کو زیان سے دور رہنے کا کہا، وہ جیسے بس اسے ذہنی اذیت دینا چاہتی تھیں۔ وجہ وہی تھی "حسد" دانیال خان اور ان کی والدہ کو زیادہ اہمیت ملی تو اس کا بدلہ ان کی اولاد کو برباد کر کے لینا چاہا۔ منافقت کا ماسک پہن کر انہوں نے دانیال خان کو اپنی طرف کیا ہوا تھا۔ وہ حذیفہ اور ریحام کی رخصتی بھی کسی طور پر نہیں ہونے دینا چاہتی تھیں۔ وہ حذیفہ کو بھی خوش نہیں دیکھنا چاہتی تھیں۔ مگر انسان کیا ہی کر سکتا ہے؟ انسان پلاننگ کر سکتا ہے۔۔ مگر یہ تو اللہ پر ہے کہ وہ اس کو کامیاب ہونے دے گا یا نہیں۔ ہو گا تو وہی جو رب چاہے گا۔ اور پھر وہی ہوا جو رب چاہتا تھا۔

"بھائی کو جیل ہو گئی، میرے بیٹے کو کینسر اور جمیلہ کی حقیقت دنیا کے سامنے آ گئی۔" شاہنواز بول کر خاموش ہو چکا تھا جبکہ شہریار مرزا کی انکھیں حیرت سے پھٹنے کو تھیں۔ دماغ اس حقیقت کو سن رہا تھا، مگر دل اس کو ماننے سے انکاری تھا۔ کیا کوئی عورت اتنا بھی گر سکتی ہے؟ کیا یہ وہی عورت تھی جن سے انہوں

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

نے محبت کی؟ کیا یہ وہی عورت تھی جس کی خاطر وہ ساری دنیا کو دھوکے میں رکھتے آئے۔ ان کا دماغ پھٹنے کے در پر تھا۔ ابھی وہ دونوں میں ہی بیٹھے تھے کہ اس بات سے انجان کے دروازہ ہلکا سا کھلا چھوڑنے پر باہر کھڑا کوئی بھی سن سکتا ہے جبکہ وہ وجود سن بھی چکا ہے۔ نا صرف سن چکا ہے بلکہ اسے ریکارڈ بھی کر چکا ہے اور اب اسے سب کے نمبرز پر سینڈ کر رہا تھا۔ جب کرنے والے کو شرم نہ آئی تو بتانے والے کو کیوں آئے؟ ایسا اس وقت اس وجود نے سوچا۔ اچانک شہریار مرزا کو ایک دم سانس لینے میں دشواری ہوئی۔ سینے پر دباؤ اور ٹھنڈے پسینے آنا شروع ہو گئے۔ شاہنواز جو کہ کافی دیر سے مرزا صاحب کو خاموش محسوس کر رہا تھا۔ اچانک نظر اٹھا کر انہیں دیکھا تو انہیں اپنے دل پر ہاتھ رکھے دیکھ کر ایک دم پریشان ہوا۔

"کیا ہوا ہے آپ کو سر؟" شاہنواز اٹھ کر ان کے قریب آیا۔ ان کے ہاتھوں کو رگڑا جبکہ باہر کھڑا وجود اندر سے اتی پیشمان آواز پر فکر مندی سے اندر کی طرف بڑھا۔

دانیال خان عباس صاحب کے ہمراہ اسامہ تک پہنچے۔ عباس صاحب کے کہنے پر وہ تینوں اب گاڑی میں بیٹھ گئے تھے۔ عباس صاحب نے اسے بتایا تھا کہ اس سب میں دانیال خان کا کوئی قصور نہیں۔ وہ تو تمہاری پیدائش سے بھی لاعلم تھے۔ جب سے یہ سب ان کے علم میں ایا تھا، تب سے لے کر اب تک وہ تمہارے لیے ہر لمحہ پریشان، خوش اور فکر مند رہے ہیں۔

"بیٹا میں جانتا ہوں تمہارے لیے مجھے معاف کرنا آسان نہیں۔ بس کبھی کبھار مجھے اپنا چہرہ دکھا دینا۔ مجھے تم میں جہانگیر دکھتا ہے۔ وہ بہت خوددار تھا۔ کاش کہ میں ایک دفعہ اس سے رابطہ کرتا۔ کاش!" دانیال خان نے اسامہ کو خاموش دیکھ کر کہا۔ مگر آخر میں ان کا لہجہ پچھتاوا لیے ہوا تھا۔

"میں نے آپ کو معاف کیا۔ آپ خود حقیقتوں سے لاعلم تھے۔ آپ خود دھوکے کھا چکے تھے۔ مجھے آپ سے کوئی شکوہ شکایت نہیں۔ میں آپ سے وعدہ نہیں کر سکتا۔ مگر کوشش کروں گا۔" اسامہ مدھم آواز

میں کہہ کر خاموش ہوا۔ ابھی کوئی کچھ کہتا ہے کہ دانیال خان کو اپنے فون پر ایک پیغام موصول ہوا۔ اگر کوئی عام پیغام ہوتا تو وہ اگنور کر دیتے، مگر وہ ریکارڈنگ تھی۔ ان کا تجسس بڑھا۔ انہوں نے پلے کا بٹن دبا دیا۔ اب گاڑی میں بیٹھے تینوں افراد شاہنواز کی کہی باتیں سن سکتے تھے۔ جبکہ دانیال خان کے ہاتھ کانپے اور فون ان کے ہاتھ سے گر پڑا۔ حقیقت بڑی ہوتی ہے ہر کوئی اسے سننے کا حوصلہ کہاں رکھ پاتا ہے؟ اس ساری ریکارڈنگ کو سنتے ہی ان تینوں کے چہرے بے یقین تھے۔ سب سے زیادہ صدمے کی کیفیت میں تو دانیال خان تھے۔ جس بہن کو سوتیلی ہونے کے باوجود انہوں نے اتنا پیار دیا وہ ان کی اولاد کو بھی برباد کرنا چاہتی تھی۔ انہیں زیان کی حالت یاد آئی۔ انہیں بہت کچھ یاد آیا۔ جسے وہ بچی سمجھ کر بچپن میں بہن سمجھ کر لاڈ کرتے تھے، انہیں کیا پتہ تھا کہ یہ بچی بڑے ہو کر یہ روپ اختیار کر لے گی۔ کاش کہ انسان کو الہام ہوتا کہ یہ انسان اس کے لیے اچھا نہیں۔

ریحام تیزی سے آفس کے اندر کی طرف بڑھی، جہاں مرزا صاحب دل پر ہاتھ رکھے تکلیف سے سرخ چہرہ لیے بیٹھے تھے۔ ریحام انہیں اس طرح دیکھ کر تڑپ کر ان کی طرف بڑھی۔ خون ہوتا ہی ایسا ہے، پانی سے گاڑھا، کسی اپنے کو ذرا سی تکلیف میں دیکھ کر یہ بھول جاتا ہے کہ اس نے ہمارے ساتھ کتنی زیادتی کی ہے یاد رہتا ہے تو بس یہ کہ کہیں وہ شخص ہم سے دور چلا جائے؟

"بابا کیا ہوا ہے اپ کو؟" آٹھ سال، آٹھ سال بعد یہ لفظ وہ ریحام کے منہ سے سن رہے تھے۔ اور بے بسی ایسی تھی کہ وہ جواب بھی نہیں دے پا رہے تھے۔ ریحام ان کے قریب آ رہی تھی، روتے ہوئے ان کے گال تھپتھپا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوف تھا، بالکل ویسا جب اس نے مشال کو کھویا تھا یا شاید اس سے بھی زیادہ۔۔ ریحام اب روتے ہوئے ایمبولنس کو فون ملا رہی تھی۔ مرزا صاحب کے آفس سے آوازیں سن کر مینجر تیزی سے اندر کی طرف بڑھا، جہاں ریحام مرزا صاحب کو ہوش میں رہنے کا کہہ رہی

تھی۔ مرزا صاحب محسوس کر رہے تھے ریحام کا انہیں بار بار پکارنا۔ اس پکار کے لیے وہ اندر سے کتنا تڑپ رہے تھے۔ اگر وہ صحیح حالت میں ہوتے تو یقینا بہت خوش ہوتے۔ تقریباً اگلے پانچ منٹ میں ایمبولنس پہنچ چکی تھی۔ اسٹاف میں بھی افراتفری پھیل چکی تھی۔ مینجر شاہنواز کو قابو کر چکا تھا کیونکہ میں ان کے افس میں وہیں موجود تھا۔

ریحام اس وقت ہسپتال کے آئی سی یو کے باہر بیٹھی اس کی جلتی بجھتی روشنی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آج انسو تھے۔ آج آٹھ سالوں کی جمع کیے ہوئے آنسو تھے۔ وہ وہی بارہ سالہ ریحام بن گئی تھی، جو چاچو کے جانے پر بری طرح سے بکھر گئی تھی۔ فرق یہ تھا کہ اس کا باپ اسے اس وقت سنبھال رہا تھا۔ اسے چپ کروانے کے لیے موجود تھا۔ مینیجر بھی وہیں ایک سائیڈ پر بیٹھا تھا۔ اسے اس وقت احساس ہو رہا تھا کہ وہ چاچو اور مشال سے محبت کرتی تھی، بہت کرتی تھی، مگر اس وقت تکلیف ان دونوں صورتوں سے بڑھ کر تھی باپ سے زیادہ کوئی عزیز نہیں ہوتا۔ اسے لگتا تھا کہ وہ اب اسے کسی کے ہونے نہ ہونے سے فرق نہیں پڑتا۔ اب جب باپ کو تکلیف میں دیکھا تو اسے سمجھ نہیں آیا کہ وہ کس کیفیت سے دوچار ہے؟ شاید سب کچھ چھن جانے کا خوف۔ ہاں باپ سب کچھ ہی تو ہوتا ہے۔ اس کے بغیر بھی کچھ ہوتا ہے کیا؟ کیا تم نے نہیں دیکھا باپ کتنی بڑی نعمت ہے؟ ریحام جانتی تھی وہ محفوظ ہے کیونکہ اس کا باپ اور شوہر خود اس کی حفاظت کر رہے تھے، یہی تو خوبصورتی ان رشتے کی، محسوس بھی نہیں ہونے دیتے۔ مگر سب خود بخود نظر اجاتا ہے۔ وہ کرسی کی پشت سے سر ٹکائے نظر ای سی یو کے دروازے کے باہر بینچ پر بیٹھی تھی۔ اچانک سے غازان، حذیفہ، زینیا، ماہا اور رقیہ بیگم کو خود کے قریب آتے پایا۔ یقیناً مینجر انہیں کال کر کے سب بتا چکا تھا۔ ان سب کے چہرے پر پریشانی کے سائے تھے جبکہ ماہا، زینا اور رقیہ بیگم باقاعدہ رو رہی

تھیں۔ جبکہ اس کے آنسو خاموشی سے گالوں پر سے ہوتے گریبان میں جذب ہو رہے تھے۔ وہ بالکل عجیب نڈھال حالت میں تھی۔ جیسے رو رو کر بھی تھک چکی ہو۔ حذیفہ تو اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہوا۔

"ریحام بابا کہاں ہیں؟" غازان نے اس کے قریب آتے پوچھا۔ ریحام نے کسی معصوم بچے کی طرح انگلی سے آئی سی یو کی طرف اشارہ کیا۔ رقیہ بیگم رو رہی تھیں۔ غازان نے انہیں ریحام کے قریب بٹھاتے مینجر کی طرف رخ کیا تاکہ صورتحال کا معلوم کر سکے۔ اخر ہوا کیا ہے ل؟ وہ سب لوگ یقینا مینجر کی کال کرنے پر ہی آئے تھے۔ ورنہ ریحام کو تو اپنا ہوش نہیں تھا۔ حذیفہ بھی متفکر چہرے سے ان چاروں خواتین کو دیکھتا غازان کی طرف بڑھا۔

ماہاماں کو نم انکھوں سے سنبھال رہی تھی جبکہ زینیا ریحام کے قریب بیٹھی تھی۔ اس کی پلکیں بھی بھیگی ہوئی تھیں۔ وہ مسلسل دعائیں مانگ رہی تھی۔

مینجر سے بات کرنے پر انہیں معلوم ہوا کہ کوئی شخص ان سے ملنے آیا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پا رہے تھے کہ ریحام نے جو آڈیو بھیجی تھی کہیں اس سب کی وجہ سے تو یہ نہیں ہوا؟ ابھی سب بیٹھے ڈاکٹر کے باہر آنے کا انتظار کر رہے تھے کہ آئی سی یو کے بتی بجھ گئی۔ ڈاکٹر اندر سے نکل آیا۔ غذان اور حذیفہ ڈاکٹر کی طرف بڑھے۔ ڈاکٹر کچھ مختصر سی بات کر کے چلا گیا تو وہ خواتین کے پاس چلے آئے۔ ریحام بس خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھتی رہی جبکہ باقی تینوں امید اور خوف کے زیر اثر۔۔

"ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ اب سٹیبل ہیں کچھ وقت میں سب مل سکتے ہیں۔ حذیفہ کہہ رہا تھا کیونکہ غاذان خود بھی اتنی ہمت مجتمع نہیں کر پا رہا تھا۔

تقریبا تین گھنٹے کے طویل انتظار کے بعد مرزا صاحب کو ہوش آیا تھا۔ جب سے انہیں ہوش آیا تھا۔ سب ان کے پاس تھے سوائے ریحام کے، اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس وقت انہیں اس حالت میں دیکھ سکے۔ حذیفہ مرزا صاحب نے مل کر باہر ریحام کے پاس آیا جو سب کے کہنے کے باوجود وہیں بیٹھی تھی۔ وہ حذیفہ اس کے پاس جانے کے بجائے کنٹین سے پانی، جوس اور کچھ کھانے میں پینے کی اشیاء لینے چلا گیا تاکہ ریحام اور باقی سب کو کچھ نہ کچھ کھلا سکے۔ تقریبا 10 منٹ کے انتظار کے بعد حذیفہ واپس آیا۔ اندر کھانے پینے کی اشیاء پکڑا کر وہ ایک پانی کی بوتل، جوس کا ڈبہ، بسکٹ کا پیکٹ اور سینڈوچ لے کر اس کے قریب آیا۔

"چلو ریحام کچھ کھالو." حذیفہ نے نارمل انداز میں کہا۔ ریحام نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔ اندر اس کا باپ نہ جانے کس حالت میں تھا اور اسے کھانے پینے کی پڑی تھی۔۔ حذیفہ پانی کی بوتل کھول کو اس کی طرف بڑھا رہا تھا۔ ریحام نے منہ پھیر لیا مگر منہ سے کچھ نہیں بولی۔ حذیفہ نے اس کی نڈھال حالت کو دیکھا۔ بال جو کہ کیچر میں سے نکلتے اب شانوں اور گردن پر بکھرے پڑے تھے۔ ہونٹ سوکھے پڑے تھے، گہری آنکھیں ویران تھیں۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"ریحام انکل اب ٹھیک ہیں۔ تم کچھ کھاؤ اور اپنی حالت درست کرو، پھر انکل سے مل لینا۔" حذیفہ نے اسے تسلی دینے والے انداز میں کہتے ہوئے ہاتھ بڑھا کر اس کے بالوں کو گردن سے پیچھے کر کے ٹھیک سے کیچر میں باندھا۔ ریحام اس وقت ہوش میں تھی ہی کہاں جو اس کا لمس محسوس کرتی۔

"چلو شاباش کھاؤ۔۔" حذیفہ نے اب اس کے منہ کی طرف اپنے ہاتھوں سے سینڈوچ بڑھایا۔ ریحام کافی دیر اس کی طرف خالی خالی نظروں سے دیکھتی رہی کہ شاید وہ اپنا ہاتھ پیچھے کر لے۔ مگر وہ ابھی بھی ہاتھ ریحام کے آگے بڑھائے ہوئے تھا۔ آخر کار ریحام نے منہ کھول دیا۔ ریحام چپ چاپ سینڈوچ کھا چکی تو حذیفہ نے اسے پانی پلایا۔

"چلو اٹھو شاباش فریش ہو کر آؤ۔" حذیفہ نے اسے ہاتھ پکڑ کر کھڑا کرتے ہوئے کہا۔ ریحام چپ چاپ فریش ہونے چلی گئی۔ پیچھے حذیفہ نے اس کی حالت دیکھتے ہوئے گہری سانس بھری۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد میں ہم فریش ہو کر آئی۔ حذیفہ وہیں کمرے کے باہر کھڑے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ حذیفہ نے اسے اندر چلنے کا کہا تو وہ وہیں کھڑی رہی، جیسے حذیفہ ٹل جائے گا۔ مگر وہ دونوں ہی جانتے تھے وہ صرف ہمت مجتمع نہیں کر پا رہی ورنہ اندر سے وہ کتنا تڑپ رہی تھی ان سے ملنے کے لیے وہی جانتی تھی۔ اس کو ہلتے نہ دیکھ کر حذیفہ نے خود ہی اس کی کلائی تھامی اور اندر کمرے کی طرف بڑھا۔ ریحام کو فلحال اسی سہارے کی ضرورت تھی۔ جیسے کوئی زبردستی اسے اندر مرزا صاحب کے پاس لے جائے۔ وہ اس کے ساتھ کھینچتی چلی جا رہی تھی۔

وہ دونوں کمرے میں داخل ہوئے تو سامنے ہی شہریار مرزا بیڈ کو ایڈجسٹ کر کے لیٹے ہوئے تھے۔ غاذان اور رقیہ بیگم پاس صوفے پر بیٹھے تھے۔ جبکہ زینیا اور ماہا باپ کے کے پاس کرسیوں پر دائیں بائیں موجود تھیں۔ دروازہ کھلنے کی آواز پر شہریار مرزا نے نظر اٹھا کر دیکھا تو حذیفہ ریحام کی کلائی پکڑے کھڑا تھا۔ سب کو متوجہ ہوتے دیکھ کر حذیفہ نے نرمی سے ریحام کی کلائی چھوڑ دی۔

ریحام وہیں کھڑی رہی اور شہریار مرزا کو دیکھتی رہی۔ شہریار مرزا بھی اسے دیکھتے رہے۔ جیسے دونوں ایک دوسرے کے پہل کے انتظار میں ہوں۔ زینیا اور ماہا ریحام کو دیکھتے اٹھ کھڑی ہوئیں۔ شہریار مرزا نے پہل کرتے ہوئے اپنا بازو ہلکا سا وا کیا جیسے کسی بچے کو اپنے پاس آنے کا اشارہ کیا ہو۔ ریحام نے ان کے بازو کو دیکھا۔ اسے لگا وقت جیسے پیچھے چلا گیا ہو۔ اس کی آنکھوں میں نمی کی لکیر ابھری۔ ان کا بازو وا دیکھتے ہوئے ریحام نے قدم اٹھایا۔ وہ ویسے ہی دوڑ پر جانا چاہتی تھی جیسے بچپن میں جاتی تھی مگر ٹانگیں ساتھ نہیں دے

رہی تھیں۔ ان میں اتنا فاصلہ نہیں تھا کہ وہ جلدی عبور نہ کر سکے۔ مگر فاصلہ جگہ میں نہیں دلوں میں آگیا تھا۔ جسے عبور کرتے ہوئے وقت لگتا ہے۔ آخر کار فاصلہ ختم ہوا۔ ریحام نے اپنی انا کو بھاڑ میں جھونکتے ہوئے باپ کے بازو میں سمائی۔ شہریار مرزا کا حصار پانے پر اسے لگا جیسے وقت پیچھے چلا گیا ہو۔ وہی چھوٹی سی ریحام اور شہریار مرزا۔ مرزا صاحب کو لگا جیسے انہیں اٹھ سال بعد سکون میسر آیا ہو۔ آٹھ سال سے ان کی ریحام ان سے روٹھ گئی تھی۔ آنسو دونوں کی آنکھوں سے ابل رہے تھے۔

"بابا!" یہ پہلا لفظ تھا جو اس نے پچھلے چار گھنٹوں میں بولا تھا، وہ بھی روتے ہوئے۔ شہریار مرزا چار گھنٹے پہلے ان الفاظ کو سنتے اس کا جواب نہیں دے سکتے تھے۔ مگر اب دے سکتے تھے۔

"میری ریحام!" یہ الفاظ سن کر ریحام کے رونے میں تیزی آئی اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ہچکیوں میں بدل گئی۔ شہریار مرزا خود بھی بے آواز رو رہے تھے۔ باقی سب خود بھی نم آنکھوں سے ان کو دیکھ رہے تھے۔ حذیفہ نے بڑی مشکل سے اپنی آنکھوں کو جھپک جھپک کر آنسو اندر اتارے۔ شہریار مرزا یا کسی نے بھی ریحام کو رونے سے نہیں روکا تھا۔ جانتے تھے یہ صرف ایک تکلیف کے آنسو نہیں ہیں۔ آٹھ سال کا غبار ہے اتنے آرام سے نہیں نکلے گا۔ ریحام نے آنسو کو اپنے اندر اتارتے اتارتے خود کو تلخ بنا لیا تھا۔ جب انسان روتا نہیں ہے تو اس کے دل میں دھول جم جاتی ہے اور دھول کو تو صرف نمی سے ہی صاف کی جا سکتی ہے بالکل اسی طرح دلوں کی دھول کو آنسو صاف کر سکتے ہیں۔

"مجھے معاف کر دو ریحام! میں نے تمہارا یقین نہیں کیا۔ تمہیں اپنے پیسوں کا جتایا۔ تم سے غافل ہو گیا۔ شرمندہ ہوتے ہوئے بھی خود کو معافی مانگنے کے لیے تیار نہیں کر سکا،" شہریار مرزا آبدیدہ آواز میں کہہ رہے تھے جب کہ ریحام کا سر ابھی تک ان کے کندھے پر موجود تھا۔

"آپ نے میرا مان توڑا۔" وہ بالکل کسی معصوم بچے کی طرح شکایات پر اتر آئی تھی۔

"مجھے معاف کر دو میرا بچہ۔ مجھے معاف کر دو۔۔" وہ اس کے منہ سے شکایت سن کر مزید آبدیدہ ہوئے۔

"ریحام بس کرو۔ انکل کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔" بالا آخر حذیفہ نے مرزا صاحب کو پھر سے آبدیدہ ہوتے دیکھ کر ریحام کو ٹوکا۔ حذیفہ کے اس طرح کہنے پر ریحام ہوش میں آئی۔

آپ کی طبیعت کیسی ہے اب؟ ریحام نے مرزا صاحب کے کندھے سے سر اٹھا کر پوچھا۔

"میری ریحام میرے پاس ہے تو میں بالکل ٹھیک ہوں۔" شہریار مرزا نے نرمی سے اس کا سر چوما۔

"ہماری کوئی اہمیت نہیں؟" ماہا یکدم بولی تو سب ہنس پڑے جبکہ رقیہ بیگم بس خاموش تھیں۔

شہریار مرزا نے زینیا اور ماہا کو بھی اپنے پاس بلا کر پیار کیا۔ اس کے بعد اب وہ غازان اور حذیفہ سے مل رہے تھے۔ وہ پانچوں شہریار مرزا سے ملنے کے بعد باہر کی طرف بڑھ گئے۔ کمرے میں صرف مرزا صاحب اور رقیہ بیگم تھیں۔ شہریار مرزا کو سمجھ نا آیا کہ وہ کیسے اپنے رویے کی رقیہ بیگم سے معافی مانگیں۔ کبھی کبھی ہم کسی کے ساتھ اتنی زیادتی کر دیتے ہیں کہ ہمارے پاس معافی کے لیے الفاظ بھی نہیں بچتے اور پھر ضروری تھوڑی ہے کہ ہر کوئی اپنی غلطی پر شرمندہ بھی ہو اور اگلا بندہ آپ کو معاف بھی کر دے؟ "رقیہ!" رقیہ بیگم جو کہ باہر کی طرف بڑھنے لگی تھیں۔ شہریار مرزا کی آواز پر رکیں۔

"جی؟" ان کی آنکھوں میں سوالیہ تاثر تھا۔

"میں۔۔ میں۔۔ مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔" ان کی آواز لڑکھڑائی۔ رقیہ بیگم کچھ کہنے کے بجائے وہیں کھڑی رہیں۔

"میں تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ میں وقت موڑ نہیں سکتا، میں نے سب کے ساتھ زیادتیاں کیں مگر تمہارے ساتھ سب سے زیادہ کی ہیں۔ میں تمہارا گنہگار ہوں۔ مجھے معاف کر دو۔" شہریار مرزا نے بغیر ان سے نظر ملائے بغیر معافی مانگی۔ رقیہ بیگم انہیں دیکھتی رہیں۔ اور ان کے دل و دماغ میں سوال ابھرنے لگے۔

کیا میں اس شخص کو معاف کر سکتی ہوں؟ شاید ہاں یا شاید نا۔ سب سے پہلے تو ہمیں یہ معلوم ہونا چاہیے کہ معاف نہ کرنے والا گنہگار نہیں ہوتا۔ یہ اس کے پاس آپشنز ہوتے ہیں۔ معاف کرنا یا نہ کرنا انسان کا ظرف ہے۔ ہر انسان کا ظرف اتنا نہیں ہوتا۔ انسان اسی لیے انسان ہے کیونکہ وہ ہر چیز کو بھلا نہیں سکتا۔ ہر غلطی معاف نہیں کر سکتا۔ اللہ اور انسان میں یہی فرق ہے۔

"میں نے تمہیں اپنے بچوں کا باپ سمجھ کر معاف کیا۔ ایک بیمار سمجھ کر معاف کیا۔ ایک انسان سمجھ کر معاف کیا۔ مگر۔۔" وہ ایک پل کو رکیں۔ شہریار مرزے جن کے چہرے پر ان کی معافی کا سن کر چمک آئی تھی ان کے مگر کہنے پر فکر مندی سی چھانے لگی۔

"ایک شوہر ہونے کے ناطے شاید کبھی نہیں۔۔ ان سب رشتوں سے پہلے میں ایک عورت ہوں اور عورت کبھی بھی اس سب کے لیے معاف نہیں کر سکتی۔" ان کا لہجہ نارمل تھا مگر الفاظ جتاتے ہوئے تھے۔

"میں دعا کروں گا اللہ تمہارا دل میری طرف سے صاف کر دے۔" مرزا صاحب کے لہجے میں امید تھی.

"اگر تمہاری دعا قبول ہو گئی تو تم خوش قسمت ہو گے، کیونکہ انسان اللہ کے آگے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ تم میرے شوہر تھے مجھے ہمیشہ عزیز تھے، مگر مجھے تم بالکل بھی پسند نہیں تھے۔ وہ صاف الفاظ کا چناؤ کر رہی تھیں۔ رقیہ بیگم اب کمرے سے نکل رہی تھیں پیچھے مرزا صاحب بے بسی سے آنکھیں موند گئے۔

یہ وہ معاملہ ہے جس پر عورت ہو یا مرد معاف کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ شراکت کس کو برداشت ہے؟ ہمارے ہاں 95 پرسنٹ مرد دوسری شادی کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا حق تھا۔ غلط نہیں ہے یہ جائز ہے۔ مگر کب؟ کیا یہ معلوم ہے؟ جب ان کی عورت مر جائے، بیمار ہو، یا پھر اولاد کے لیے یا کسی بے سہارا کو سہارا دینا ہو یا جب وہ اپنی پہلی بیوی کی کفالت ٹھیک سے ادا کر چکا ہوں اور میرے خیال میں کوئی بھی مرد اس دنیا میں ایسا نہیں ہے جو مکمل طور پر پرفیکٹ حقوق ادا کر رہا ہو کیونکہ ہم انسان ہیں۔ اللہ نے مرد کو

بہت مضبوط بنایا ہے، مگر مرد شراکت برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ ظرف صرف عورت کا ہے۔ دوسری شادی گناہ ہے نہ ہی ناجائز لیکن کیا آپ کسی عورت کا دل توڑ رہے ہیں۔ آپ کے دل میں ذرا بھی خیال نہیں آیا دوسری شادی کر کے مرد اکڑتا ہے کہ یہ صرف اس کا حق تھا۔ شاید ہی کسی مرد کو احساس ہوا کہ اس نے پہلی عورت کے ساتھ زیادتی کے ہے اور پھر اس سے معافی بھی مانگی ہو۔

تقریباً پندرہ دن گزر چکے تھے۔ ان پندرہ دنوں میں بہت کچھ بدل گیا تھا۔ شہریار مرزا گھر لوٹ آئے تھے۔ انہوں نے جمیلہ سے قطع تعلق کر لیا تھا۔ وہ سب برداشت کر سکتے تھے، اپنی اولاد کے ساتھ ان کی زیادتی نہیں۔ جمیلہ بیگم نے ریحام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی باقی اسامہ والے معاملے سے بھی سب حقیقت سے اشنا ہو چکے تھے۔ دانیال خان نے جمیلہ بیگم سے کنارہ کر لیا تھا۔ وہ ایک آستین کا سانپ تھیں۔ ان کی اولاد کو ہی ڈس گئی تھیں۔ زینیا باقی سب کے ساتھ مرزا ہاؤس میں ہی تھی۔ زینیا کو کوئی کچھ نہیں کہتا تھا۔ ماہا کو بھی ریحام سمجھا چکی تھی۔ ریحان کا تلخ رویہ ختم ہو چکا تھا مگر طنز کرنے کی عادت میں وہ آج بھی سب سے آگے تھی۔ فطرت کہاں بدلہ کرتی ہے؟ رقیہ بیگم زینیا کو کچھ نہیں کہتی تھیں۔ انہیں سمجھ آ گیا تھا، بڑوں کی لڑائی میں بچوں کو نہیں گھسیٹا کرتے۔ ان کا رویہ شہریار مرزا کے ساتھ نارمل تھا۔ پہلے جیسا برا اور نا ہی بہت اچھا۔ شروع کے دس دن میں ریحام حذیفہ کی رخصتی کی تیاریاں بھی ہو چکی تھیں۔ سب کافی ارجنٹ کیا گیا تھا۔ فنکشن صرف دو تھے، بارات اور ولیمہ جو کہ آج سے چار دن پہلے منعقد کیا جا چکا تھا۔ جمیلہ ہاشم خان کو اس فنکشن سے دور رکھا گیا تھا، کوئی بھی اب اپنی خوشی برباد نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جبکہ اسامہ دانیال خان کے کا کافی اصرار پر آیا تھا۔ شہریار مرزا کا رویہ اس کے ساتھ نارمل تھا۔ انہوں نے اسے اپنی بیوی کے بیٹے کی حیثیت سے دیکھنے کے بجائے داماد کا رشتہ دار تصور کیا تھا۔ کتنا کچھ بدل جاتا ہے نا اگر ہم چیزوں کو پازیٹو طریقے سے لیں تو؟ اسامہ کے لیے یہ آسان وقت نہیں تھا۔ وہ اپنی محبت کو کسی اور کا

ہوتا دیکھے۔ کس کے لیے اسان ہوتا ہے؟ وہ لال جوڑے میں سجی سبزی کسی اور کے پہلو میں بیٹھی تھی۔ یہ احساس بہت جان لیوا تھا۔ محبت سے دستبردار ہونا آسان نہیں ہوتا مگر اس نے اپنے دل کو سمجھا لیا تھا۔ اسے دوسروں کی چیزوں پر نظر نہیں رکھنی۔ وہ ایک ایماندار شخص ہے۔ اس کا دل جب باغی ہو جاتا تو وہ اسے یہی کہہ لیتا ریحام کو میرے لیے نہیں حذیفہ کے لیے بنایا گیا ہے۔ کچھ تعلقات سے آپ نہ چاہتے ہوئے بھی آزاد نہیں ہو سکتے اور اسامہ بھی نہیں ہو سکتا تھا اور وہ تعلقات دل کے ہوتے ہیں۔ اسامہ نے خود کو سمجھا لیا تھا مگر ریحام وہ پہلی عورت تھی جسے حذیفہ نے خود اپنی زندگی میں چاہا تھا مگر شاید اس کے نصیب میں عورت کی محبت لکھی ہی نہیں گئی تھی۔

صبح سویرے کا وقت تھا۔ جرمنی کی سڑکیں خوبصورت منظر پیش کر رہی تھیں۔ وہی جرمنی کا انوکھا انداز، پرکشش نشانات، جادو کرنے والے موسیکار اور جرمنی کے مزیدار کھانے اور پھر ٹھنڈی ہواؤں نے تو معاملہ ہی مزید لطف اندوز بنا دیا تھا۔ ریحام اور حذیفہ کو جرمنی آئے ہوئے آج دوسرا دن تھا۔ حذیفہ تو ایک ہی دن میں اپنی ساری تھکاوٹ اتار چکا تھا، جبکہ ریحام بہت سست ہو گئی تھی۔ جب سے یہاں آئی تھی بس سوئے ہی جا رہی تھی۔ اس وقت بھی حذیفہ اپارٹمنٹ کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو ٹی وی لاؤنج خالی پڑا تھا۔

یہ ایک جدید طرز کا بنا ہوا چھوٹا سا ایک کمرے کا اپارٹمنٹ تھا۔ اپارٹمنٹ میں داخل ہوتے ساتھ چھوٹا سا لاؤنج، جس میں ایک ٹو سیٹر صوفہ اور ساتھ ہی اوپن کچن تھا اور ایک کمرے پر مشتمل یہ اپارٹمنٹ ان دونوں کے لیے کافی تھا۔ وہ دونوں تین مہینے کے لیے یہاں آئے تھے۔ اس لیے اپارٹمنٹ کو ترجیح دی۔ ریحام تو پہلے ہی کہہ چکی تھی کہ وہ کچھ عرصے کے لیے بریک چاہتی ہے جبکہ حذیفہ بھی مسلسل کام کر کر کے تھک چکا تھا۔ اس لیے سوچا کہ کیوں نہ بریک لے ہی لیا جائے۔

حذیفہ کی غیر موجودگی میں زیان لاہور والی برانچ دیکھ رہا تھا۔ وہ اکثر اپنے سمسٹر بریک میں تین مہینے آفس جایا کرتا تھا۔ اسی لیے اسے کام کا اچھے سے معلوم تھا۔ زینیا نے مائیگریشن کروالی تھی، جس کی بنا پر اب وہ لاہور میں ہی کسی اچھی یونیورسٹی میں داخلہ لے چکی تھی۔ ماہا کے امتحان ہو چکے تھے اب وہ پائلٹ ٹریننگ اکیڈمی میں داخلہ لے چکی تھی اور غازان شہریار مرزا کے ساتھ بزنس سنبھالنے لگ گیا تھا۔

حذیفہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے شاپر لے جا کر کچن میں رکھے یقیناً وہ کھانا تھا۔ اور پھر اپنے کمرے کی طرف بڑھا تاکہ ریحام کو اٹھا سکے. حزیفہ کمرے میں داخل ہوا تو ریحام بیڈ پر اوندھے منہ سو رہی تھی۔ حزیفہ نے اسے اور کمرے کی حالت کو دیکھتے گہری سانس بھری۔

کمرے میں ایک بیڈ اور الماری تھی جبکہ دائیں طرف واش روم اور سامنے کی طرف بالکنی تھی۔ جبکہ بیڈ کے اوپر ریحام خود سو رہی تھی۔ سوٹ کیس اور کپڑے ابھی تک بکھرے پڑے تھے۔

ریحام اٹھو کھانا کھالو۔۔، حذیفہ نے مدھم آواز میں اسے پکارا مگر جواب ندارد۔

"ریحام!" اب کیا حذیفہ نے ہلکا سا اسے جھنجوڑا۔

"ریحام اٹھو کھانا کھالو، جلدی ٹھنڈا ہو جائے گا۔" اب کے حذیفہ نے ذرا اونچی اواز میں کہا۔

"بعد میں کھالوں گی۔۔" ریحام نے بھاری آواز میں کہا۔

"نہیں اٹھو بہت ہو گیا، سونا سستی کو ذرا کم کرو۔" حذیفہ نے کہتے ساتھ اس کے اوپر سے کمبل کھینچا۔ اس کے اس طرح کمبل کھینچنے پر ریحام جھنجھلا کر سیدھی ہوئی اور خون خوار نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"کھانے کے لیے کب سے اٹھا رہا ہوں میں تمہیں۔۔" ریحام کی آنکھوں کا خونخوار تاثر دیکھ کر وضاحت دی گئی۔ ریحام منہ بنا کر اٹھ گئی کیونکہ نیند غائب ہوئی تھی تو اب بھوک محسوس ہونا شروع ہو چکی تھی۔

ریحام کو باتھ روم کی طرف جاتا دیکھ کر حذیفہ باہر کی طرف بڑھ گیا، تاکہ کچن میں جا کر کھانا نکال لے۔

"ویسے تمہیں نہیں لگتا، تم اچھے خاصے سگھڑ ہو؟ لوگوں کی بیویاں سگھڑ ہوتی ہیں، یہاں میرا شوہر سگھڑ ہے۔" ریحام نے حذیفہ کو ہر چیز سلیقے سے رکھتے دیکھ کر اسے چھیڑا۔

"تمہیں نہیں لگتا، تم اچھی خاصی پھوہڑ ہو۔ لوگوں کے شوہر پھوہڑ ہوتے ہیں، یہاں میری بیوی پھوہڑ ہے۔" حذیفہ نے بھی حساب بے باک کیا۔

اس کے اس طرح کہنے پر ریحام نے دانت کچکچائے۔

"چپ چاپ کھانا ختم کرو اور کمرہ صاف کرو پھر مجھے ارام کرنا ہے۔" ریحام نے برگر منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔

"میں پھر سے اکیلا کیوں کروں؟ تم بھی میرے ساتھ کرو۔ بلکہ آج پورا کمرہ تم صاف کرو۔ میں دو دن سے سمیٹ رہا ہوں۔" حذیفہ نے کوک کا کین اٹھاتے ہوئے کہا۔

"زیادہ فری نہیں ہونے کا ورنہ کمرے سے باہر سونا سمجھے۔۔" ریحام اب موڈ میں آچکی تھی۔

"کیا مطلب؟ میں کیوں سوئوں گا کمرے سے باہر؟" حذیفہ بوکھلا گیا۔

"مطلب صاف ہے، کمرہ صاف کرو گے تو ہی کمرے میں سو سکو گے۔" ریحام نے بے نیازی سے کندھے جھٹکے۔

"یہ زیادتی ہے۔" وہ بے اختیار جھنجھلایا۔

"میں نے تمہیں پہلے ہی کہا تھا کہ میں کبھی بھی ایک نارمل بیوی نہیں ہو سکتی۔ تمہیں ہی شوق تھا مجھے بیوی بنانے کا اب بھگتو۔" ریحام نے آخری ٹکڑا منہ میں ڈالتے ہوئے کوک کا کین اٹھایا۔ جبکہ حذیفہ اس کا منہ دیکھ کر رہ گیا ہے۔

"تو کیا تم مجھ سے بدلہ لے رہی ہو؟" اس نے ایسے روہانسا ہو کر کہا کہ ریحام قہقہہ لگا کر ہنسی۔

"کیسے بچوں کی طرح منہ بگاڑ رہے ہو۔" ریحام ہنستی جا رہی تھی، جبکہ حذیفہ نے اس کو دیکھا۔ تقریبا اتنے عرصے میں پہلی بار اس نے ریحام کو ایسے ہنستے دیکھا تھا۔ اس کے اس طرح دیکھنے پر ریحام کنفیوز ہوئی۔

"کیا نظر لگانے کا ارادہ ہے مجھے؟ اٹھو اور کمرہ صاف کرو۔" ریحام نے کہاں سیکھا تھا شرمانا۔ اس کے اس طرح ہوش دلانے پر حذیفہ بدمزہ ہوا۔

"میں نہیں صاف کر رہا۔" حذیفہ نے ہاتھ اٹھائے کہا۔

"دیکھتے ہیں۔" ریحام نے کہتے ساتھ حذیفہ کے ہاتھ سے برگر چھینا۔

"یہ کیا ہے ریحام؟" وہ ہکا بکا اپنے ساتھ ہوئی واردات کو دیکھ رہا تھا۔

"کمرہ صاف کرو گے تو ہی ملے گا۔" ریحام جانتی تھی اسے اس کو اس وقت بھوک لگی ہے۔

"اچھا ٹھیک ہے کر دوں گا میرا برگر واپس کرو۔" حذیفہ نے ہتھیار ڈالے۔

"گڈ بوائے!" ریحام نے کہتے ساتھ برگر حذیفہ کو پکڑا دیا۔

صبح سویرے کا وقت تھا، سورج نکل چکا تھا۔ شہر اسلام آباد کی طرف بڑھیں تو ایک مشہور و معروف بنگلے میں وہ وجود آج بھی اسی تصویر کو نم نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔

"تم نے مجھے معاف نہیں کیا۔ میں نے تمہیں چھوڑا تھا نا، سب نے مجھے چھوڑ دیا۔ دیکھو اج میرا بھائی اور شوہر دونوں مجھے چھوڑ چکے ہیں۔ میں ان سے ملنے گئی، انہوں نے مجھے گھر میں گھسنے نہیں دیا۔ شوہر جو مجھ سے پیار کرتا تھا اس نے کہا کہ اگر اب میں اس کے یا گھر والوں کے قریب آئی تو وہ مجھے طلاق دے دے گا۔ لیکن وہ مجھے طلاق کیسے دے گا؟ سوچو اگر اس سے پہلے ہی میں اسے مار دوں تو؟ ہاہا۔۔ لیکن پھر تو میں بیوہ ہو جاؤں گی۔" اس نے معصوم سی شکل بنا کر کہا۔ ابھی وہ وجود خود سے باتوں میں ہی مصروف تھا کہ دروازہ ناک کر کے کوئی کمرے میں داخل ہوا۔

"جمیلہ میم میں آپ کے لیے کھانا لے کر آئی ہوں۔" ملازمہ نے احتیاط سے کھانا میز پر رکھا۔ مگر اس سے پہلے کہ وہ سیدھی ہوتی جمیلہ بیگم اس کے بالوں سے پکڑ کر اسے بری طرح جھنجوڑا۔

"تمہیں کہا تھا نا، مت آیا کرو میرے کمرے میں، پھر کیوں آئی ہو؟" وہ بری طرح سے اس کے بالوں کو جھنجوڑ رہی تھی۔ چیخ کو پکار کی وجہ سے دوسری ملازمہ کمرے میں آئی اور پہلی والی کو بمشکل آزاد کروا کر وہ دونوں کمرے سے نکلیں۔ پیچھے جمیلہ بیگم پھر سے اسامہ کی تصویر کو ہاتھ میں لے کر بیٹھ گئیں۔

وَمَن يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ"

"اور جو برا کرے گا اس کا بدلہ اسی سے لیا جائے گا۔۔"

سب ملازم جمیلہ ہاشم خان کی وجہ سے اب یہ نوکری چھوڑنا چاہتے تھے۔ سب کو اپنی زندگی پیاری تھی، لہذا ان سب نے مل کر دانیال خان سے بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ جس پر وہ کافی فکر مند نظر آئے مگر پھر شک ہوا کہ کہیں یہ کوئی ڈھونگ نہ ہو۔ دانیال خان نے شہریار مرزا سے رابطہ کیا اور انہوں نے جمیلہ ہاشم کی ساری صورتحال اور اپنے خدشات بھی ظاہر کیے۔ جس پر شہریار مرزا نے یہ بھی کہا کہ وہ علاج کروا سکتے ہیں، ان کا خیال رکھوانے کے لیے ہر طرح کا ملازم یا نرس ہائر کر سکتے ہیں۔ مگر گھر میں رکھ نہیں سکتے۔ اب وہ کوئی رسک نہیں لینا چاہتے۔ زینیا کو معلوم ہوا تو وہ ماں کو دیکھنے کے لیے بے چین تھی۔ ماں اور اولاد کا رشتہ ہی ایسا ہوتا ہے، دونوں میں سے کوئی بھی تکلیف میں ہو تو ایک دوسرے کو دیکھنے کے لیے دل تڑپ اٹھتا ہے۔ دونوں میں سے کوئی کچھ بھی کریں ان کے دل ہمیشہ ایک دوسرے کے لیے کھلے رہتے ہیں۔

اسامہ کو جب دانیال خان نے بتایا تو وہ کچھ محسوس ہی نہ کر سکا، پھر دانیال خان کے کہنے پر وہ دونوں ایک ساتھ جمیلہ بیگم سے ملنے آتے تھے۔ جمیلہ بیگم اسامہ کو دیکھتے ہی پاگلوں کی طرح اس سے لپٹی رہیں۔ زینیا جیسے انہیں نظر ہی نہیں آئی۔ ان کی حالت دیکھ کر اسامہ اور زینیا دونوں کی آنکھیں خود بخود نم ہو گئیں۔

زینیا کے دل میں یہ شکایت تو آئی کہ کاش اس کی ماں اسے بھی ایسے ہی پیار سے گلے لگاتیں جیسے اسامہ کو لگا رہی تھیں مگر ان کی حالت دیکھ کر اس نے اپنی سوچوں کو جھٹک دیا۔ اس کی خواہش حسرت ہی رہی۔

آج جمعہ کا دن تھا۔ دوپہر کے دو بج رہے تھے۔ ریحام جمعہ پڑھ کر فارغ ہو چکی تھی، جبکہ حذیفہ جمعہ پڑھنے کے لیے مسجد گیا ہوا تھا۔ غیر ملک میں مسجدیں ذرا دور تھیں تو حذیفہ کو آنے میں ذرا وقت لگنا تھا۔ جبکہ ریحام کی بھوک سے جان نکل رہی تھی۔ حذیفہ تو جلدی اٹھ کر ناشتہ کر چکا تھا مگر ریحام لیٹ اٹھنے کی وجہ سے صرف دودھ کا ایک گلاس لیا تھا۔ بالآخر جب ریحام کا صبر جواب دے گیا تو وہ خود ہی کچن کی طرف بڑھ گئی اور فریج کھول کر چیزیں الٹ پلٹ کر کے دیکھنے لگی۔ آٹا تو گوندھا نہیں تھا۔ بریڈ موجود تھی مگر اس سے کہاں بھوک مٹتی، پھر ریحام کی نظر فریج میں پڑے فروزن کباب اور پراٹھوں پر پڑی اور اب وہ مزے سے اپنی بھوک کا انتظام کرنے لگی تقریباً دس منٹ بعد حذیفہ اپارٹمنٹ میں داخل ہوا تو مکمل خاموشی تھی۔ مگر کچن میں ہوتی کھٹپٹ سن کر وہ وہیں چلا آیا۔ "کیا کر رہی ہو ریحام؟" حذیفہ نے کچن میں داخل ہوتے ہوئے ریحام سے پوچھا مگر اس کا حلیہ دیکھ کر وہ چونکا۔ وہ سادی سیاہ شلوار قمیض میں سیاہ ہی دوپٹہ حجاب کی ضرورت میں لیے ہوئے کباب فرائی کر رہی تھی۔ حذیفہ نے بغور اسے دیکھا اس کا یہ روپ زیادہ جان لیوا تھا۔ ریحام خود کو اس کی نظروں کا حصار میں پا کر کنفیوز ہوئی۔ اوپر سے حجاب کر کے چولہے کے پاس کھڑا ہونا اسے جھنجھلاہٹ میں مبتلا کر رہا تھا۔

"اس کو فرائی کر دو یار، مجھ سے نہیں ہو رہا۔" بالآخر جب ریحام کا جب صبر جواب دے گیا تو وہ جھنجھلاتی ہوئی حذیفہ سے مخاطب ہوئی۔ حذیفہ اس کے اس طرح مخاطب کرنے پر ہوش میں آیا۔

"ہاں کیا ہوا؟"

"میں کہہ رہی ہوں مجھ سے نہیں ہو رہا۔" ریحام نے کہتے ساتھ اپنی جگہ چھوڑ دی۔ حذیفہ نفی میں سر ہلاتے ہوئے کباب کو فرائی کرنا شروع کر چکا تھا۔

"تم چار سال اکیلے کیسے رہی ہو؟ تم سے اتنا سا کام تو ہو نہیں رہا۔" حذیفہ نے طنزیہ سر جھٹکا۔

"میں زیادہ تر باہر سے کھاتی تھی اور جب بھوک لگتی تھی اور پاس کوئی نہیں ہوتا تو خود ہی ہاتھ پاؤں چلانے پڑتے تھے۔" ریحام کو خود بھی نہیں معلوم تھا وہ کتنے سادہ الفاظ میں اسے اس کی اہمیت بتا رہی تھی۔ اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا اس کا جواب پر حذیفہ نے اسے دیکھا، مگر اس کے چہرے پر وہی بے نیازی تھی۔

"تم عجیب ہو ریحام۔" حذیفہ نے بے اختیار اس کے اس کی بے نیازی دیکھ کر کہا۔

"اور تم غریب۔۔" اب کوئی جواب تو دینا تھا نا۔

"ظاہر سی بات ہے امیر تو وہ لوگ ہیں جن کے نصیب میں ریحام مرزا کی محبت ہے۔" حذیفہ نے عام سے انداز میں کہا۔ مگر ریحام کو نہ جانے اس کے لہجے میں حسرت محسوس ہوئی۔ وہ اس وقت سفید شلوار کرتے میں ملبوس، بازو کہنیاں وں تک موڑے، مہارت سے کباب فرائی کر رہا تھا۔ چہرے پر ہمیشہ والی نرمی تھی۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"کیوں مجھ میں ایسا خاص کیا ہے؟" ریحام نے عام سے انداز میں پوچھا۔ جیسے تجسس کے ہاتھوں مجبور ہو گئی ہو۔

"تم میں کچھ خاص نہیں ہے، مگر مجھے تم خاص لگتی ہو معاملہ سارا یہ ہے۔۔" حذیفہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر نرمی سے کہا ہے ریحام کے گال پہلی بار سرخ ہوئے حذیفہ نے اس کے گالوں کو دیکھتے ہوئے بھرپور انداز میں مسکرایا۔

"ویسے تم لڑکوں کو یہ میٹھا کیوں اتنا پسند ہوتا ہے؟ ریحام اس کو ملک شیک کے لیے فروٹس نکالتا دیکھ کر بولی۔ بات بدلنے کے لیے بھی کچھ تو چاہیئے تھا۔

"پسند تو ہمیں میٹھا ہوتا ہے مگر محبت ہمیں تیکھی چیزوں سے ہو جاتی ہے۔" حذیفہ شرارت کے موڈ میں تھا ریحام کے گال ایک بار پھر سرخ ہوئے اور اس بار حذیفہ مسکرایا نہیں بلکہ کھل کر ہنسا۔ ریحام اب کچھ کہنے کے بجائے کچن سے ہی نکل گئی۔

ریحام اور حذیفہ کو جرمنی آئے مزید ایک ہفتہ گزر چکا تھا اور اس ہفتے میں ریحام نے حذیفہ کو مزید تنگ کیا تھا۔ وہ نارمل تھی مگر اپنے اندر انسکیورٹیز کا بھی کچھ نہیں کر سکتی تھی، شاید وہ حذیفہ کو آزما رہی تھی۔ اس کے دل میں آج بھی یہی خیال تھا کہ ہو سکتا ہے زندگی کے کسی مقام پر وہ اس سے تنگ پڑ جائے۔ ریحام جانتی تھی وہ ابھی تو نارمل ہے مگر جس طرح کا اس کا مزاج ہے طنز، لاپرواہ، بے نیاز، غصہ، ضد کوئی بھی اس سے جلدی اکتا جائے گا۔ حذیفہ کو جیسے ان تھا وہ کیا چاہ رہی ہے۔ اس لیے اس سے اکتانے یا شکایت کرنے کے بجائے الٹا اسے تنگ کرتا یا چھیڑتا۔

ریحام نے مندی مندی آنکھیں کھول کر چھت کو گھورا۔ پھر گھڑی کی طرف نظریں گھمائیں تو صبح کے نو بج رہے تھے۔ اس نے اپنی انکھیں مسلیں اور واش روم کی طرف فریش ہونے کے لیے چلی گئی۔ فریش ہو کر باہر آئی تو آنکھیں گھما کر کمرے کا جائزہ لیا۔ بیڈ کے علاوہ ہر چیز صاف ستھری تھی، کیونکہ وہاں ریحام سو رہی تھی۔ ریحام کو نا جانے کیوں حذیفہ پر ترس آیا تو وہ بیڈ شیٹ درست کر کے کمرے سے باہر نکل آئی جہاں حذیفہ چھوٹے سے میز پر ناشتہ لگا رہا تھا۔

"گڈ مارننگ!" حذیفہ سیدھا ہوا تو ریحام کو آتے دیکھ کر مارننگ وش کی۔

"وعلیکم السلام!" ریحام نے مسکرا کر طنز کیا اس کے طنز پر حذیفہ نے دانت پیسے۔

"تم نے پھر یہ انڈا بنا لیا ہے؟" ریحام روز روز انڈا کھا کر بور ہو گئی تھی۔

"تو پھر آپ کی خدمت میں کیا پیش کروں ملکہ عالیہ؟" حذیفہ نے بھی مسکرا کر دانت کچکچائے۔ اب وہ بیچارہ اور کیا بناتا ایک تو وہ بنا رہا تھا اوپر سے میڈم کی نخرے۔

"جاؤ کیا یاد کرو گے، میں کھا لیتی ہوں اج کیونکہ رزق ضائع نہیں کرنا چاہیے۔" ریحام نے ایسے کہا جیسے حذیفہ کے سر پر بہت بڑا احسان کیا ہو۔

"نوازش!" حذیفہ نے سینے پر ہاتھ باندھ کر سر خم کیا۔ حذیفہ کے اس طرح کرنے پر ریحام نے مسکراہٹ دبائی۔

"ویسے میں کیا سوچ رہا تھا کہ آج ہم کہیں باہر چلتے ہیں۔ موسم کتنا اچھا ہے، جب سے یہاں آئے ہیں تم نے مجھے فری کا نوکر ہی سمجھ لیا ہے۔" حذیفہ نے آخر کار اپنی دلی بھڑاس نکالی۔

"مجھ سے شادی کا شوق بھی تمہیں ہی تھا، بھگتو اب۔" ریحام نے کندھے اچکاتے ہوئے چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

"آہ!" حذیفہ نے ٹھنڈی آہ بھری۔ جب سے وہ لوگ یہاں آئے تھے تب سے بس یہی جملہ سننے کو مل رہا تھا۔

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

(بھگت ہی رہا ہوں۔) وہ منہ ہی منہ منہ ہی منہ میں بڑبڑایا۔

"چلیں پھر؟" حذیفہ نے اس کی توجہ پچھلے سوال پر کروائی۔

"ہاں چلتے ہیں میں خود بھی بور ہو گئی ہوں۔" ریحام نے آرام سے حامی بھری تو حذیفہ نے گہری سانس خارج کی۔

جرمنی میں شام اتر آئی تھی۔ اس وقت ریحام اور حذیفہ دونوں باہر جانے کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ موسم ہلکا ٹھنڈا تھا، مگر برف باری والا موسم نہیں تھا۔ لہذا ہلکے گرم کپڑے کافی تھے۔ ریحام سیاہ جینز پر

سفید شرٹ اور اس کے اوپر سیاہ جیکٹ زیب تن کیے ہوئے تھی۔ جبکہ چہرے پر ہلکا میک اپ اور پیروں میں سفید جوگرز، وہ اچھی خاصی دراز قد تھی۔ حذیفہ کے کندھے سے ذرا اوپر آتی تھی۔ آج ریحام نے اپنے بھورے بالوں کو کھلا چھوڑنے کا سوچا تھا۔ حذیفہ اس وقت نیلی جینز پر سفید شرٹ اور اوپر کالی ہی جیکٹ زیبتن کیے ہوئے تھا۔ جبکہ بھورے بال ماتھے پر بکھرے پڑے تھے۔ بھوری پر کشش آنکھیں ہمیشہ کی طرح چمک رہی تھیں۔

ریحام جو بالوں سے الجھ رہی تھی اسے واش روم سے نکلتے دیکھ کر بغور اس کے حلیے کا جائزہ لیا۔

" چلیں؟" حذیفہ نے گھڑی پہنتے ہوئے مصروف انداز میں نظریں اٹھائیں۔ مگر وہ پلک جھپک نہ سکا منظر ہی اس قدر دلکش تھا۔ ریحام اپنے بھورے بالوں کو سٹریٹ کر کے انہیں برش کر رہی تھی۔ بال بار بار اس کے چہرے پر آتے اسے بے چین کر رہے تھے، بے چین تو حذیفہ کا دل بھی ہو گیا تھا۔ ریحام کے بال تو سلجھتے جا رہے تھے، مگر حذیفہ کا دل الجھتا جا رہا تھا۔ بھورے بالوں میں اس کا چمکتا چہرہ، گہری رات میں چاند کا منظر پیش کر رہا تھا۔ منظر کافی دلکش تھا یا بس حذیفہ کو ہی ایسا لگ رہا تھا۔

" چلیں؟" ریحام نے اپنا فون اٹھاتے ہوئے مصروف انداز میں کہا، وہ اس کو خود کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا محسوس کر چکی تھی. اسی لیے خود کو کنفیوز ہونے سے بچانے کے لیے مصروف ظاہر کیا۔

ہاں چلو۔۔ ریحام کے پکانے پر حذیفہ ہڑبڑا کر ہوش میں آیا۔ اب وہ دونوں اب آگے پیچھے باہر کی طرف نکل رہے تھے۔

جرمنی کی سڑکیں اور آج کا حسین موسم دونوں چیزوں نے مزہ دوگنا کر دیا تھا۔ اس وقت وہ دونوں جرمنی کی سڑکوں پر چہل قدمی کرتے آئس کریم سے لطف اندوز ہو رہے تھے اور ساتھ ساتھ ہلکی ہلکی گپ شپ بھی جاری تھی۔

"ویسے میں سوچ رہی تھی کہ یہاں سے جانے کے ایک ہفتے بعد آفس جوائن کروں۔" ریحام نے آئس کریم کھاتے ہوئے کہا مگر اسے لگا جیسے حذیفہ نے اس کی بات نہیں سنی۔

ریحام نے چہرہ اٹھا کر حذیفہ کو دیکھا تو وہ سامنے کسی چیز کو دیکھنے میں محو تھا۔ ریحام نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا۔ وہ ایک فیمیل ڈاکٹر تھی۔ جو اپنا کوٹ سنبھالتے ہوئے ائس کریم سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ حذیفہ کی نظر اس لڑکی پر محسوس کر کہ ریحام کا دل جل کر خاک ہوا۔

اس نے دوبارہ سے حذیفہ کے طرف دیکھا وہ ابھی بھی وہیں دیکھ رہا تھا۔ ریحام کا جلن کے مارے خون ابلنے لگا۔ حذیفہ کو اس لڑکی کو دیکھنے میں اتنا محو دیکھ کر ریحام نے ٹیکسی روکی۔ عین اس وقت لڑکی حذیفہ کی نظروں سے اوجھل ہوئی تو حذیفہ ہوش میں آتے ریحام کو دیکھنے کے لیے نظر ادھر ادھر دوڑائیں۔ وہ ٹیکسی سوار ہو رہی تھی مگر کیوں؟ اس کے بغیر کیوں؟ اچانک سے حذیفہ کے ذہن میں دو منٹ پہلے کا منظر ابھرا جب وہ اس سے بات کر رہی تھی۔ مگر حذیفہ نے توجہ نہیں دی۔

"اف!" حذیفہ نے خود کو کوسا۔ اس سے پہلے کہ وہ ٹیکسی کو روکتا۔ ٹیکسی تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ پیچھے حذیفہ نے ضبط سے آنکھیں میچیں۔

BEING THE STRING OF YOUR KITE

"اف کتنا اچھا موڈ تھا اس کا، پتہ نہیں وہ اس کے بارے میں کیا سوچ رہی ہو گی۔"

ٹیکسی بلڈنگ کے باہر آ کر رکی۔ ریحام نے غصے سے ہانپتے ہوئے ڈرائیور کو پیسے پکڑائے اور گاڑی سے باہر نکل آئی۔ دل تو چاہا سارا غصہ گاڑی کے دروازے پر اتار دے مگر پھر چپ چاپ تمیز سے دروازہ بند کر کے اپارٹمنٹ کی طرف بڑھ گئی۔ اپارٹمنٹ کے دروازے پر جا کر یاد آیا کہ چابی تو حذیفہ کے پاس ہے۔ ریحام نے غصے سے لب بھینچ لیے۔ آنکھوں کے آگے پھر سے وہ منظر لہرایا جب حذیفہ اس لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

"کمینہ!" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

(شرم کر شوہر ہے تیرا) دل سے آواز آئی۔

"شوہر کو شرم نہ آئی بیوی کے سامنے کسی اور کو گھورتے؟" دماغ نے فورا دل کی بات کو رد کیا۔ تقریبا پانچ منٹ گزرنے کے بعد ریحام نے فون اٹھا کر حذیفہ کو کال ملائی۔

"کہاں ہو تم واپس انے کا ارادہ ہے یا سڑک پر رات گزارنے کا ارادہ ہے؟" (اس لڑکی کا دیدار کرتے کرتے) بڑی مشکل سے اس نے آدھا جملہ ضبط کر لیا۔

"میں بس پہنچ گیا ہوں لفٹ سے اوپر آرہا ہوں۔ حذیفہ نے تحمل سے جواب دیا۔ جانتا تھا وہ اس وقت غصے میں ہو گی۔ ریحام نے کچھ بھی کہنے کے بجائے فون کاٹ دیا حذیفہ اپارٹمنٹ کے دروازے پہ پہنچا تو ریحام یہاں سے وہاں چکر کاٹ رہی تھی۔ حذیفہ پر نظر پڑی تو اس نے غصے سے نگاہ پھیر لی۔ حذیفہ نے ترچھی نظروں سے ریحام کا لال بھبوکا چہرہ دیکھ۔ احذیفہ لاک کھول کر اب سیدھا ہوا تھا کہ ریحام تیزی سے اندر کی طرف بڑھ گئی۔ حذیفہ نے ایک بار پھر خود کو کوسا۔

ریحام کمرے میں داخل ہوئی تو آتے ساتھ غصے سے جیکٹ اتار کر بیڈ پر پٹک۔ ی حذیفہ کمرے میں داخل ہوا تو ریحام کو غصے میں دیکھ کر اس کی طرف بڑھا۔

"ریحام وہ۔۔" حذیفہ کی باقی الفاظ اس کے منہ میں ہی رہ رہ گئے۔ ریحام تیزی سے واش روم کی طرف بڑھ گئی اور دروازہ کھٹاک کی آواز سے بند کیا۔

"یار میں اس لڑکی کو نہیں دیکھ رہا تھا۔" ریحام کو باہر آتا دیکھ کر حذیفہ تیزی سے اس کی طرف لپکا اور وضاحت پیش کی۔ ریحان آرام دے کپڑوں میں ملبوس اب صوفے کی طرف بڑھ رہی تھی۔

"کیا میں نے پوچھا؟" طنزیہ سوال۔

"نہیں مگر میں سچ میں اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔" حذیفہ نے جیسے اسے ایک اور وضاحت پیش کرنی چاہی۔

"تو کیا پھر اس کی آئس کریم دیکھ رہے تھے؟" ریحام نے بظاہر طنزیہ مسکرا کر دانت پیسے۔

"ہیں؟ تمہیں میں اتنا بھوکا لگتا ہوں؟" حذیفہ نے حیرت اس کی شکل دیکھی جو اپنے بیچارے شوہر کو اتنا بھوکا سمجھ رہی تھی۔

"لگتے کیا ہو یقیناً ہو، یاد نہیں کس طرح برگر پر تڑپ رہے تھے۔" ریحام نے کیا چن کر طنز کا تیر مارا۔

"اس وقت مجھے بھوک لگی تھی اور۔۔"

"ابھی بھی تمہیں بھوک لگی تھی؟" ریحام نے معصومیت سے آنکھیں ٹپٹپا کر پوچھا۔

حذیفہ کی ساری بے چینی کہیں دور جا سوئی۔ اس کی آنکھیں ٹپٹپانا لگ ہی اتنا قاتل رہا تھا کہ وہ ہر چیز بھول گیا۔ حذیفہ کو پھر سے کہیں اور گم ہو تو دیکھ کر ریحام غصے سے بیڈ کی طرف بڑھی۔

"یار اس کے ہاتھ میں آئس کریم کے علاوہ بھی تو ایک چیز تھی۔ تم نے نہیں دیکھی تو میرا کیا قصور؟"

حذیفہ نے بھی جیسے اب ریحام کو تنگ کرنے کا سوچا۔ حذیفہ کے اس طرح پر ریحام کے چہرے پر ایک دم بے چین سی نظر آنے لگی، مگر وہ خود کو لاپرواہ ظاہر کرنے کے لیے فون اٹھا چکی تھی۔

"میں ڈاکٹر بننا چاہتا تھا۔ نہیں بن سکا، اس لیے جب بھی کسی ڈاکٹر کو دیکھتا ہوں تو کہیں میرے اندر یہ خواہش چنگاری مارتی ہے۔" حذیفہ نے اسے خود سے لاپرواہ دیکھتے ہوئے کہا، بہت مشکل سے ریحام نارمل ہوئی تھی۔ وہ نہیں چاہتا وہ پھر سے پہلے جیسے ہی اپنے خول میں سمٹ جائے، اس لیے وضاحت پیش کی۔ اس کے بات سن کر ریحام نے سر اٹھایا۔ وہ مسکرا رہا تھا مگر نہ جانے کیوں ریحام کو یہ مسکراہٹ پھیکی سی لگی۔

"کیوں نہیں بنے؟" ریحام نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ساری جلن اور بے چینی ایک دم دور جا سوئی۔ وہ اب ہلکی پھلکی ہو چکی تھی۔

"آ کر بتاتا ہوں۔ میں چینج کر لوں پہلے، بہت الجھن ہو رہی ہے ان کپڑوں میں اب،" حذیفہ کہتے ساتھ ریحام کی سنے بغیر واش روم کی طرف بڑھ گیا۔ پیچھے سے ریحام نے غصے سے دانت کچکچائے۔

صبح سویرے کا وقت تھا۔ روشنیوں سے بھری صبح کا آغاز ہوا۔ آج ریحام نا جانے کیسے جلدی اٹھ گئی تھی۔ اس لیے بھوک کے مارے خود ہی کچن میں آ گئی۔ حذیفہ ابھی تک سو رہا تھا۔ وہ اپنے اور حذیفہ دونوں کے لیے ناشتہ بنانے لگی۔

رات کو حذیفہ اسے بتا چکا تھا کہ اس وقت دانیال خان کی نئی کمپنی اور کچھ جمیلہ ہاشم خان کا فوراً سے ایک بڑی تعداد میں رقم اور گھر مانگنا (جس گھر میں وہ دنیا کو دکھانے کے لیے الگ رہتی تھیں اور رقم سوشل ورک کے لیے) جس کی وجہ سے دوسری کمپنی کی بھی شروعات ابھی نئی نئی تھی۔ لہذا اتنی بڑی رقم نکالی گئی تو کافی نقصان کا سامنا کرنا پڑا جس کی بنا پر حذیفہ کی میڈیکل اخراجات کو اٹھانا مشکل ہوتا۔ اس لیے حذیفہ نے اپنا دل مار لیا اور اپنی خواہش کو دل میں ہی دبا لیا۔ مگر خواہشات تو ہمارے دل میں ہمیشہ کہیں نہ کہیں آباد رہتی ہیں۔ بس ذرا سی چنگاری کی دیر لگنی ہوتی ہے۔ اس سب کو سن کر ریحام کو سن کر افسوس ہوا مگر پھر اس نے جان بوجھ کر اس لڑکی کو دیکھنے کا ذکر شروع کر دیا تا کہ حذیفہ کا دھیان بھٹک جائے اور پھر کھٹی میٹھی نوک جھوک میں نہ جانے کب ان کی آنکھ لگی۔ ریحام ایک ہی طرح کا ناشتہ کر کر کے بور ہو چکی تھی۔ لہذا آج اس نے کافی اور سینڈوچ بنانے کو ترجیح دی۔ ریحام ناشتہ لے کر کچن سے نکل رہی تھی کہ حذیفہ اسے ڈھونڈتے ڈھونڈتے کچن میں داخل ہوا۔

"ذہ نصیب آج ہمارے کچن کو شرف بخشا گیا ہے۔" حذیفہ نے ریحام کو کچن سے نکلتا دیکھ کر تنگ کرنا اپنا فرض سمجھا۔

"چپ چاپ ناشتہ کرو۔" ریحام نے اس کے چھیڑنے پر کوئی اثر ہی نہیں لیا۔

"ویسے کیا بنا ہے ناشتے میں؟ آہاں سینڈوچ اور کافی؟" حذیفہ نے کہتے ساتھ ناشتے کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا، مگر اس سے پہلے ایک ساتھ اسے تین چار چھینکیں آئیں۔ حذیفہ کی ناک لال سرخ ہو گئی اس کو دیکھ کر ریحام کو ہنسی آئی۔

"لڑکیوں کی طرح تمہاری ناک سرخ ہو گئی ہے۔" ریحام پھر سے ہنسی۔

"تم تو بی بی گرل ہو۔ ایک آئس کریم سے یہ حال ہے تمہارا۔" ریحام اب جان بوجھ کر اسے تنگ کر رہی تھی۔ حذیفہ نے خفگی سے اس سے دیکھا۔

"اچھا چلو یہ لو کافی پیو تم بہتر محسوس کرو گے۔" ریحام نے کہتے ساتھ کافی کا کپ اس کی طرف بڑھایا، جس کو اس نے آنکھیں گھما کر پکڑ لیا۔

دوپہر کے دو بج رہے تھے ریحام صوفے پر بیٹھی فون استعمال کر رہی تھی، جبکہ حذیفہ کمرے میں آرام کر رہا تھا۔ اسے ہلکی سی ٹھنڈ لگ گئی تھی جس کی بنا پر اسے چھینکیں اور زکام ہو گیا تھا۔ ابھی ریحام فون میں ہی محو تھی کہ اچانک فون پر زینیا کا نمبر جگمگانے لگا۔ ریحام کے چہرے پہ مسکراہٹ آئی ریحام اور زینیا کی اچھی خاصی دوستی ہو چکی تھی۔

Safar-e-Adab BEING THE STRING OF YOUR KITE

"السلام علیکم!" ریحام نے کال اٹھاتے ساتھ سلام کیا

"وعلیکم السلام!" مجھے تم سے بات کرنی ہے زینیا جلد بازی میں بولی تو ریحام نے حیرت سے فون کو دیکھا۔

"ہاں کرو۔۔" ریحام نے ٹانگیں صوفے پر سیدھے کرتے ہوئے آرام سے کہا۔

میں نے بابا اور ماموں کو بات کرتے سنا ہے وہ میری زیان سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ میں اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی ہوں۔ اس کے اس طرح کہنے پر ریحام الجھی

تو کیا تم کسی اور کو پسند کرتی ہو؟ ریحام نے محتاط الفاظ میں کہا

میں نہیں کرتی مگر تمہارا دیور کرتا ہے۔نازینیا اس کی بات سن کر جھنجھلا کر کہا۔

ہیں؟ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے؟ تم جانتی ہو ایسا کچھ نہیں ہے۔بس وہ دونوں اچھے دوست تھے اور اس لیے وہ اس کا دل نہیں توڑنا چاہتا تھا مگر وہ خود ہی دھوکے بازی نکلی۔ تم خود سوچو ایک کیا ایک دھوکے باز لڑکی کو پسند کر سکتا ہے اس کے دل میں اس کے لیے کچھ نہیں ہے بلاوجہ اس بات کو مسئلہ نہیں بنا اور کوئی اور ویلڈ ریزن لاؤ۔۔ریحام نے اسے تفصیلی جواب دیتے ہوئے اخر میں پھر سے پوچھا

مگر پھر بھی یار (اگر وہ کبھی واپس اگئی تو) یہ خدشہ وہ اپنی زبان پر نہیں لا پا رہی تھی، مگر ریحام جیسے اس کے خدشوں کو سمجھ گئی تھی۔

پریشان مت ہو جیسے تم سوچ رہی ہو ویسے کچھ نہیں ہو گا۔زیان بہت اچھا لڑکا ہے۔ تم یقیناً اس کے ساتھ خوش رہو گے۔ریحام نے اس کے دل سے خدشوں کو نکالنا چاہا۔

"باقی تم سمجھدار ہو کوئی اور ضرور زبردستی نہیں ہے تم جیسے چاہتی ہو ویسے ہی ہو گا۔" ریحام نے اسے یہ بھی بتایا کہ وہ اپنے فیصلہ کرنے میں آزاد ہے۔

تو پھر میں ہاں کر دوں؟ اتنی معصومیت سے سوال کیا گیا کہہ رہے ہیں ہم کو ہنسی آگئی یقیناً وہ کنفیوز ہو رہی تھی۔

جیسے تمہاری مرضی۔۔ریحام نے کندھے اچکاتے فون بند کر دیا۔ریحام مسکرائی، وہ جانتی تھی کہ زینیا کیا سننا چاہتی ہے۔وہ صرف اپنے خدشوں کو دور کرنا چاہتی تھی ورنہ شاید کہیں زینیا خود بھی اندر سے یہی چاہتی تھی۔

زینیا سے بات کرنے کے دس منٹ بعد ریحام کمرے کی طرف بڑھی تاکہ حذیفہ کو دیکھ سکے۔ریحام کمرے میں داخل ہوئی تو حذیفہ بیڈ کے دائیں جانب کمبل کندھوں تک اوڑھے کروٹ کے بل سو رہا تھا۔

حذیفہ اٹھ جاؤ اور ریحام حذیفہ کو سوتے دیکھ کر اس کی طرف بڑھی اور ساتھ ہی ہلکی اواز میں اسے جگانا چاہا

ریحام کے تین چار بار پکارنے پر بھی جب حذیفہ نے حرکت نہیں کی تو ریحام نے خود اس کے قریب چلی گئی تا کہ اسے جھنجوڑ سکے۔

"حذیفہ!" اسے ہاتھ لگاتے ہی ریحام کو اپنے ہاتھوں پر اس کے جسم کی حرارت محسوس ہوئی۔

اللہ اسے تو بخار ہو گیا ہے ریحام نے حذیفہ کے بازو سے ہاتھ ہٹا کر اس کا ماتھا چھوا۔

ریحام کو سمجھ نہ آیا کہ اب وہ کیا کرے سو اس نے پریشانی میں حذیفہ کو ہی جگانا شروع کر دیا۔

"حذیفہ!" ریحام نے پھر سے اسے جھنجوڑا۔

ریحام کی پکارنے پر حزیفہ نے مندی مندی آنکھیں کھولی تو رہام کو پر جھکا ہوا پایا۔

کیا ہوا ہے تمہیں بخار کیوں ہو رہا ہے؟ ریحام نے پریشانی سے اس کا ماتھا اور گردن چھوئی۔

اسے خود کے لیے پریشان ہوتا دیکھ کر حذیفہ مسکرایا۔

کیا تمہیں میری فکر ہو رہی ہے حذیفہ نے مدھم آواز میں کہتے ریحام کا ہاتھ تھاما۔ اس کی بات پر حیران ہو کر اس کی طرح دیکھنے لگی۔

کتنا فضول بولتے ہو تم ریحام نے حیرت سے نکلتے کہا۔

بالکل جیسے تم فضول طنز کرتی ہو۔ حذیفہ نے کون سا ادھار رکھنا سیکھا تھا۔

البتہ آواز ابھی بھی مدھم تھی۔ بخار کی وجہ سے اس میں اتنی سکت ہی نہیں تھی کہ اونچا بول سکے۔

کیا تمہیں مجھ سے محبت ہو گئی ہے؟ حذیفہ نے اس کے چہرے پہ پریشان کن تاثرات دیکھتے ہوئے اسے چھیڑا یا شاید اس کے اندر کی امید لفظوں کا روپ دھار چکی تھی۔

ریحام کچھ بول نہ سکی۔

کیا اسے اس شخص سے محبت تھی؟

(حذیفہ خان تو صرف محبت کیے جانے کے ہی قابل ہے۔) اس کے اپنے دل نے حذیفہ کے لیے گواہی دی۔

مجھے لگتا ہے بخار تمہارے سر پر چڑھ گیا ہے۔ ریحام نے طنز کرنا اپنا فرض سمجھا۔

تم بہت ظالم ہو، حذیفہ کے منہ سے بے اختیار پھسلا۔

بالکل میں نے تو ظلم کے پہاڑ توڑے ہیں نا تم پر؟ اگلا جواب بھی تیار تھا۔

تم مجھ سے محبت نہیں کرتی۔ کیا یہ ظلم نہیں؟ حذیفہ نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے سنجیدگی سے کہا۔

ریحام نے اس کے چہرے کی سنجیدگی دیکھ کر خود کو کچھ کہنے کے لیے تیار کیا۔ مگر اس سے پہلے ہی وہ حذیفہ کے قریب بیڈ پر بیٹھ گئی، کیونکہ کھڑی کھڑی وہ تھک گئی تھی۔

جب میں تم سے کہتی ہوں کہ مجھے تم سے محبت نہیں تو اس کا مطلب الٹا ہوتا ہے۔ ریحام نے بغیر جھجکے اعتراف کیا۔ گہری سیاہ آنکھیں بھوری آنکھوں کو ہی دیکھ رہی تھیں جن کی چمک بڑھ رہی تھی۔

لیکن کیا تم تمیز سے ایک دفعہ اعتراف نہیں کر سکتی؟ حذیفہ کے اس طرح کہنے پر ریحام کا قہقہہ چھوٹتے چھوٹتے رہ گیا۔

کیا تمہیں میری آنکھوں نے کبھی کوئی پیغام نہیں دیا۔ ریحام نے بھنویں اچکا کر سوالیہ انداز سے پوچھا۔

تمہاری آنکھیں بھی تمہاری طرح ضدی ہیں۔ کچھ پتہ نہیں لگنے دیتیں۔ حذیفہ نے آنکھیں گھمائیں۔

حذیفہ خان سے کون محبت نہیں کرے گا؟ مجھے خود بھی علم نہیں مجھے تم سے کب محبت ہوئی؟ مگر میں ہمیشہ تمہاری عزت کرتی تھی اور آج بھی کرتی ہوں اور آئندہ بھی کروں گی۔ تم جیسے شخص سے تو وہ عورت بھی محبت کر سکتی ہے جس کی زندگی میں کوئی پہلے آ چکا ہو پھر میری زندگی میں تو تمہارے علاوہ کبھی کوئی ایا ہی نہیں تھا۔ میں صرف اپنی انسکیورٹیز سے لڑ رہی تھی۔ ان سے لڑتے لڑتے کب تم نے میرے دل کو فتح

کیا، مجھے علم ہی نہیں ہوا تمہاری نرمی، محبت عزت اور خالص الفت نے خود بخود میرے دل کو فتح کر لیا۔

ریحام کہہ رہی تھی، جبکہ حذیفہ کو لگا اس کے کانوں میں کوئی رس گھول رہا ہے۔ بخار؟ کون سا بخار؟

چلو اب تمہاری باری! حذیفہ جو آنکھیں موندے اس کے الفاظ کے صحر میں کھویا ہوا تھا۔ ریحام کے اس طرح کہنے پر حذیفہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا.

یہاں کوئی گیم چل رہی ہے؟ جو پہلے تمہاری باری پھر میری باری، حذیفہ نے حیرت سے ریحام کو چھیڑا۔

"چپ چاپ تمیز سے اظہار کرو ورنہ تمہارے بیمار ہونے کا لحاظ کیے بغیر اپارٹمنٹ تم سے صاف کرواؤں گی." ریحام کے جھاڑ پلانے پر حذیفہ نے منہ ٹیڑھا کیا، مگر پھر ریحام کو خونخار نظروں سے دیکھتا پار کر منہ کھولا۔

مجھے صرف تم سے نہیں بلکہ تمہاری عادتوں سے بھی محبت ہے۔ تمہارا غصہ، حکم چلانا، ضدی انداز، نخرہ اور ہر بات پر طنز کرنا۔ مجھے اس سب سے بھی محبت ہے۔ حذیفہ خاموش ہوا تو ریحام کو دیکھا.

ویسے لوگ صحیح کہتے ہیں. حذیفہ نے انکھوں میں شرارت لیے کہا۔

کیا کہتے ہیں؟ ریحام کے انداز میں تجسس تھا۔

یہی کہ وکیلوں پر یقین نہیں کرنا چاہیے۔ وہ ہمیشہ جھوٹ ہی بولتے ہیں۔ حذیفہ نے شرارت سے کہا تو ریحام چیخی۔

حذیفہ خان اس کے چہرے پر کھل کر مسکرایا۔

اس دنیا میں سارا کھیل وقت کا ہے۔ وقت نے جمیلہ کو موقع دیا تو وقت نے ہی جمیلہ کو اس کے کیے کی سزا دی۔ جمیلہ نے حسد کے چکر میں خود کو برباد کر لیا تھا۔ شہریار مرزا کو سمجھ اگئی تھی کہ زبردستی کے رشتے نسلوں کو تباہ کر دیتے ہیں۔ سب اپنی اپنی زندگی میں آگے بڑھ گئے تھے، مگر اسامہ نے اسے شادی سے

کنارہ کر لیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا پھر سے کوئی دوسری رکیہ اور شہریار جنم لیں مگر وہ خود بھی جانتا تھا یہ کنارہ وقتی ہے اگر زندگی میں کوئی اچھا جیون ساتھی ملے گا، تو وہ بھی زندگی میں آگے بڑھ جائے گا۔ زخموں کو بھرنے میں وقت لگتا ہے اور یہ وقت بہت صبر آزما ہوتا ہے۔

ختم شد

الحمدللہ! اس کہانی کا اختتام دس ستمبر 2024 کو ہوا جاتا ہے۔ میں نے اسے مئی 2024 میں لکھنا شروع کیا تھا۔ تقریباً چار مہینے کی لگاتار محنت کے بعد میں اسے مکمل کر پائی ہوں۔ میں اپنے دوستوں کی بہت شکر گزار ہوں جنہوں نے میرا حوصلہ بڑھایا، ورنہ نہ جانے میں سے مکمل کر پاتی بھی یا نہیں؟ یہاں پر ہر ایک کا نام لکھنا ذرا مشکل ہے، باقی میں اپنی ہمت تو سراہوں گی کیونکہ محنت تو میری خود کی ہی ہے اور سب سے بڑھ کر اللہ کا شکر ادا کروں گی جس نے مجھے اتنی ہمت صلاحیت دی۔

الحمدللہ!

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

"تم مجھے ایک برا انسان سمجھتی ہو نا۔ مجھے پہچاننے میں تم سے ذرا سی غلطی ہو گئی۔ میں صرف برا نہیں، ایک بدترین انسان ہوں۔" وہ گلاس میں شراب انڈیلتے ہوئے ایک ٹرانس میں کہہ رہا تھا۔ شراب گلاس سے باہر گرنے لگی تھی پر اسے تو جیسے ہوش ہی نہیں تھا۔ پھر اس نے وہ گلاس اٹھایا اور اسکی طرف دیکھا۔

وہ خوف سے اپنی جگہ پر سمٹی۔ "کیا کہہ رہی تھی تم؟ اس وقت تمہارا کوئی موڈ نہیں ہے مجھ جیسے شرابی کے منہ لگنے کا؟" وہ خود سے سوال کرتا، خود سے جواب دیتا اس کے قریب بیٹھا۔ "اور یہ کہ میں نشئی ہوں؟ آج تمہیں بھی شراب کی لذت چکھاؤں گا۔" اس نے گلاس منال کے منہ کے قریب کیا۔

☆☆☆

'کبھی تو تو بھی محبت کرے گا۔'

فاران احمد نے محبت کی تھی!

'تو بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہے گا۔۔'

اس نے بھی کسی کو ٹوٹ کر چاہا تھا۔

اور پھر۔۔ پھر وہ تجھے چھوڑ جائے گی۔'

اور پھر وہ اسے توڑ گئی۔

'پھر میں تیرے پاس آؤں گا۔ اور کہوں گا کہ دل پہ مت لے۔ وہ چلی گئی تو کیا ہوا، کوئی اور آ جائے گی۔'

اسکے جانے کے بعد کوئی نہیں آیا۔ اس نے آنے ہی نہ دیا۔

Click here

safareadab.com

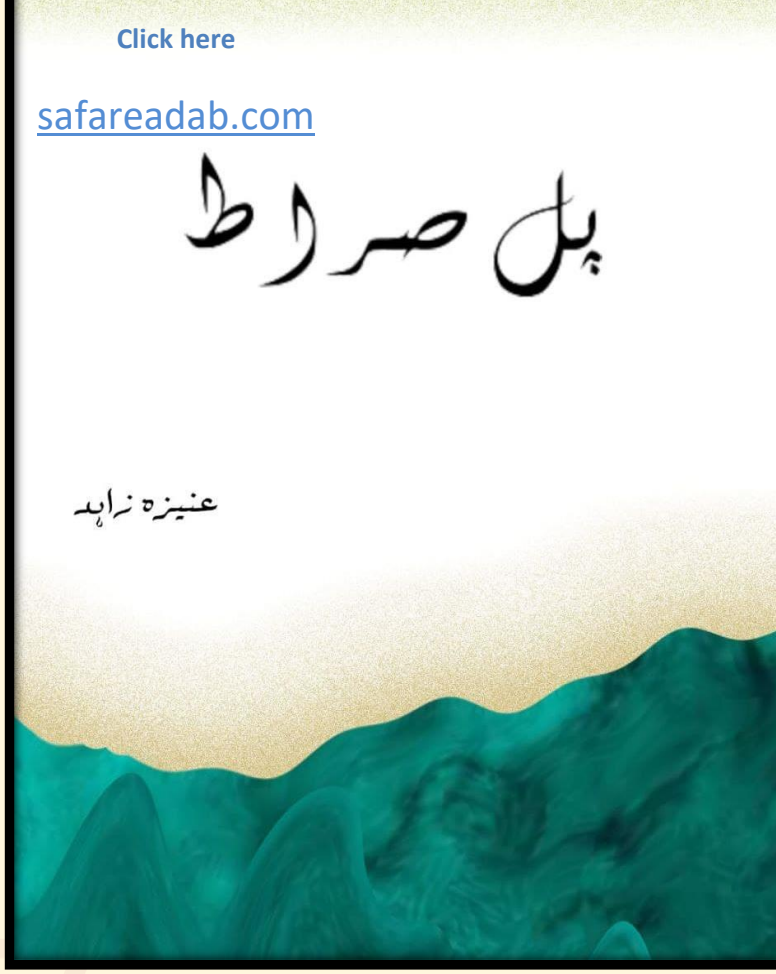

"یہاں دستخط کرو غازہ ! "کاغذ غازہ کے سامنے کرتے ہوئے انہوں نے کہا تو غازہ نے ایک نظر اپنے سامنے بیٹھے اس اجنبی شخص کو دیکھا جس سے ابھی وہ چند گھنٹوں پہلے ملی تھی۔ ان چند گھنٹوں کی ملاقات نے اس شخص کو اس کا مختار بنا ڈالا تھا۔ زندگی میں پہلی بار قلم پکڑتے ہوئے غازہ کے ہاتھ بُری طرح کانپے تھے۔ وہ تو باآسانی قلم تھام کر شفاف کاغذ پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ کر بہت سارے خاکے بنا لیا کرتی تھی، کچھ دھندلے ہوتے تو کچھ میں پہلی ہی جست میں جان موجود ہوتی۔

"تم رشتے کھونے سے ڈرتی ہو غازہ ! "سبیکہ کا چند روز قبل کہا گیا جملہ کان کے پردے پر ابھرا تھا۔

"سچ کہا تھا تم نے میں رشتے کھونے سے ڈرتی ہوں سبیکہ ! اور یہ نیا ادھورا رشتہ بھی شاید میں کھونے کے لیے ہی بنا رہی ہوں۔" دل میں اس کے کہے کا جواب دے کر اس نے کاغذ پر قلم گھسیٹا تھا۔ عجیب بات تھی وہ ایک کاروباری شادی کے لیے دلہن بنی ہوئی تھی۔

☆☆☆

"میری زندگی برباد کر کے تم یہاں سکون سے سو رہی ہو۔ شام سے مینو مجھے فون کر رہی ہے اور میں اس کا فون نہیں اٹھا رہا جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ میں اس سے بے وفائی کرنے پر بے حد شرمندہ ہوں۔ اپنی زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کو چاہا ہے اور تم زبردستی ایک بزنس ڈیل کی طرح میرے سر پر آ گئی ہو۔" وہ بالوں میں ہاتھ چلاتا ہوا اپنے اندر کا سارا انتشار اس پر انڈیل رہا تھا۔ غازہ خاموشی سے بس اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اسے واقعی ہی اس شخص پر ترس آیا تھا جس کی محبت آباد ہونے سے پہلے ہی اس کے باپ نے اجاڑ دی تھی۔ وہ بستر سے اتر کر اس کے نزدیک آئی تھی۔

"میں بہت تلخ ہو چکی ہوں کلیج ! جانتے ہو کیوں؟" اس نے اس کے چہرے کی جانب دیکھتے ہوئے انتہائی آہستگی سے کہا تھا۔

"کیونکہ اس دنیا اور معاشرے کی سفاکی آپ کو تلخ بنا دیتی ہے۔ اول تو مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ تم کسی سے کمیٹڈ ہو اور بالفرض اگر مجھے معلوم بھی ہوتا تو تب بھی میں وہاں کچھ نہیں کر پاتی۔ میں یہ کاغذی تعلق تب بھی نہیں روک سکتی تھی۔ تمہاری مجرم میں نہیں ہوں کلیج ارسلان ! بلکہ اپنے مجرم تم خود ہو۔ مینو کے مجرم تم ہو جو محض اپنے باپ کی لالچ کے ہاتھوں اپنی محبت پر ایک کاغذی سوتن لے آیا۔" وہ سینے پر بازو لپیٹے انتہائی تلخی سے کہہ رہی تھی جبکہ کلیج بس حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

Click here

safareadab.com

"جانتے ہو میرے لیے اب محبت کیا ہے۔" وہ آنسوؤں کو بمشکل روکے ہوئے تھی۔ "م جس سے (ال) مالک شروع ہوتا ہے، ح جس سے (ال) حلیم شروع ہوتا ہے، ب جس سے (ال) باری اور ت سے تمنا (وہ جو اللہ سے کی جاتی ہے) شروع ہوتی ہے۔۔ بس یہی ہے میرے نزدیک محبت!" وہ ضبط کی انتہا پہ تھی۔ "ایک وقت تھا تم میری تمنا تھے مگر اب صرف ایک ہی تمنا ہے میری۔۔۔ اللہ۔۔۔ بس اللہ۔۔۔!" وہ رکی اور گہرا سانس لے کر بولی۔ "ایک بار بھابھی نے کہا تھا کہ ایک بار جو چڑھ جائے رنگِ حبِّ الٰہی تو اترتا نہیں۔۔۔! ہاں وہی رنگ چڑھ گیا ہے مجھے۔" وہ زید کی خاموشی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔۔۔ اب ایک آخری جملہ رہ گیا تھا کہنے کو۔ وہ ہمت پیدا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ کہنے لگی تھی کہ زید بولا۔ "تمنا تمہیں نہیں بھی ہے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میں تمہارا ہوں، تمہارا تھا، اور تمہارا ہی رہوں گا۔ شوہر کی تمنا بھی ہوتی ہے بھلا کسی کو۔" وہ مسکرانے کی کوشش کر رہا تھا۔

"شوہر کے غیر محرم ہونے میں بس ایک دستخط کی دیر ہوتی ہے۔" وہ سنگدل ہو چکی تھی۔ دوسری جانب زید کو دھچکا لگا تھا۔

☆☆☆

"مجھے سننے میں آیا ہے کہ تم کسی کو پسند کرتی ہو۔" اسے جھٹکا لگا کیا وہ جان گئے تھے۔ وہ ذرا بوکھلا گئی مگر جھوٹ وہ نہیں بولنا چاہتی تھی۔

"جی، مگر آپ سے کس نے کہا؟" اس نے لکھ ہی دیا۔

"وہ اہم نہیں ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ اس کا نام کیا ہے؟" وہ کچھ مزید بوکھلائی۔ اب کیا کرے؟

"میں نہیں بتا رہی۔ ابھی کچھ کنفرم نہیں ہے۔ میں ایسے تو نام نہیں بتا سکتی نا؟" اسے یہی جواب ٹھیک لگا تھا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہ یہ تاثر دے گی کہ وہ جو کوئی بھی ہے اس نے سوچنے کا وقت مانگا ہے۔ اب جھوٹ ہے تو جھوٹ سہی۔ شرم سے تو بچ جائے گی نا۔

"ویسے تم نہ بھی بتاؤ تو میں جانتا ہوں وہ کون ہے۔" وہ گھبراہٹ میں پگھل رہی تھی جلتی موم کی طرح۔

اچھا اتنے پُر یقین ہیں تو بتائیں نام؟" اس نے ڈرتے ڈرتے ٹائپ کیا۔

"میں جانتا ہوں تم مجھے ہی پسند کرتی ہو، آئمہ۔" وہ دم بخود رہ گئی۔ آخر وہ کیسے جان سکتے تھے؟ ور اگر وہ جانتے تھے تو کب سے جانتے تھے؟ وہ حیران بھی تھی اور پریشان بھی۔

"اگر تمہاری مجھ سے شادی نہ ہوئی ہوتی اور تمہیں موقع ملتا تو کیا تم حسن خان کو اپنا لیتی؟"

رقیہ الجھ سی گئی۔ "میں سمجھی نہیں آپ کی بات کا مطلب۔"

وارث جان نے بہت سوچنے کے بعد سوال کا انداز بدل دیا۔ "تمہیں مجھ میں یا حسن خان میں سے کسی ایک کو چننا ہو تو کسے چنو گی؟"

رقیہ وارث کے اس سوال پر ناراض ہو گئی۔ "کیا ہو گیا ہے آپ کو۔۔ یہ کیسا عجیب سا سوال ہے۔۔ آپ شوہر ہیں میرے اور وہ کوئی نہیں میرا۔ بس ساتھ پڑھتا ہے اور اچھا کلاس فیلو ہے۔ اس کا آپ سے کیا مقابلہ بھلا!!!"

وارث جان ابھی بھی الجھا ہوا تھا۔ "رقیہ میں صرف اور صرف تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔ اگر تم حسن خان کے ساتھ کو پا کر خوش رہ سکتی ہو تو۔۔۔" اس کے باقی ماندہ الفاظ اندر کہیں دب کر رہ گئے تھے۔ رقیہ جو وارث جان سے کبھی اونچی آواز میں بولنے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس نے وارث جان کے گال پر زوردار تھپڑ مار دیا۔۔ اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ کیسے اس کا ہاتھ وارث پر اٹھ گیا۔۔

☆☆☆

"امبر تم نے کہیں رقیہ کو دیکھا ہے۔ مجھے گیٹ سے پتا چلا کہ رقیہ آ چکی ہے۔" رقیہ کی حسن کی طرف بیک تھی۔ رقیہ مسکراتے ہوئے پلٹی اور حسن خان وہیں دل تھام کر کھڑا ہو گیا۔ "اف۔۔ کوئی اتنا خوبصورت کیسے ہو سکتا ہے۔" اس سے پہلے کہ حسن خان مزید کچھ اور کہتا رقیہ اس کی طرف بڑھی۔ حسن خان کی آنکھوں کی چمک بتا رہی تھی کہ آج وہ رقیہ کو پا لینے کے جنون سے آیا ہے۔ حسن خان کے ساتھ اس کی والدہ بھی تھیں۔ انہوں نے رقیہ کے لیے تعریفی جملے کچھ اس طرح کہے۔ "بہت خوبصورت ہو تم اور آج تو بہت زیادہ حسین لگ رہی ہو۔ جانتی ہو آج حسن مجھے کیوں لایا ہے اپنے ساتھ؟؟" ابھی وہ مزید کچھ کہتیں کہ رقیہ نے مسکرا کر حسن کو مخاطب کیا۔

"حسن ان سے ملو میرے ہسبنڈ۔ سردار وارث جان۔" حسن کی آنکھیں پھٹ سی گئیں وہ بے اختیار بولا "کیا؟؟ کیا کہا ہے تم نے۔۔۔؟؟ کون ہے یہ؟؟۔۔۔ مطلب تمہارے ساتھ کیا رشتہ ہے ان کا؟؟؟"

ناول ھبوط کی ایک جھلک

"”ناک سے خون بہنے کی صورت میں سانس اندر کھینچنا مزید خطرناک ہو سکتا ہے۔ اس سے خون nasal tract اور حلق میں پھنس سکتا ہے۔“ وہ اتنی خاموشی سے بول رہا تھا کہ ظبیہ کے گردن کے بال تک کھڑے ہو گئے تھے۔

اب وہ دوسرا ٹشو، وہی ٹشو جو اس نے پہلے اس کے لیے نکالا تھا، اس کی ناک کے گرد دبانے لگا۔

”اسے پکڑو۔ اور آرام سے دباؤ۔ خون اندر نہیں، باہر آنا چاہیے۔“

وہ دور ہٹا تو اس کو سانس آئی۔ اس نے ٹشو ویسے ہی پکڑا ہوا تھا جیسے اس نے کہا تھا۔ اتنا بھروسہ تو کر ہی سکتی تھی۔ غلط طریقے سے ٹشو پکڑنے سے کب کس کی موت ہوئی تھی؟ وہ اس سے چہرہ موڑتے بیسن کی طرف گھوم گئی۔ رائج ایسے ہی کھڑا اسے دیکھتا رہا۔

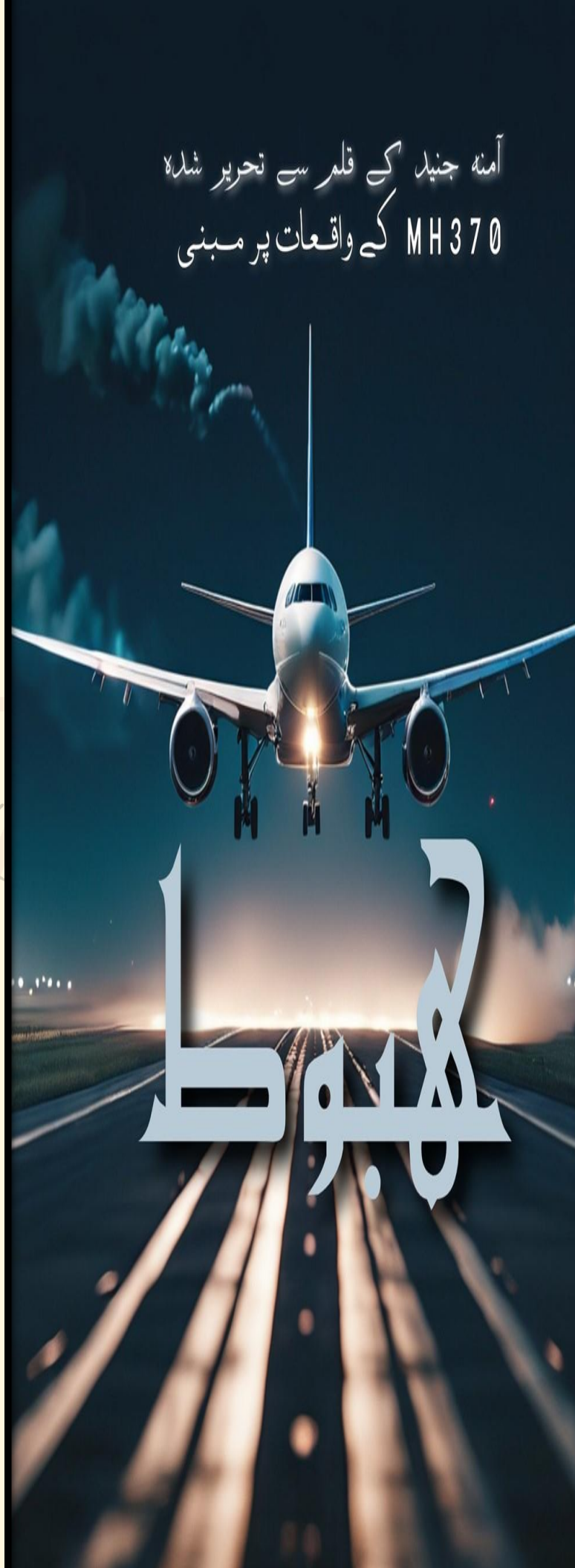

اس نے جھلاہٹ کا شکار ہو کر طنز کیا۔ "یہ پلین آٹو پائلٹ پر ہے؟" پانچ سال میں کیا پہلا استفسار۔

وہ سر جھٹک کر ہنس دیا۔ ظبیہ کا دل ایک دم بے قابو ہوا۔

"نہیں۔ کاکپٹ میں دو پائلٹ ہوتے ہیں۔"

اس نے تھوڑا سا ترچھا ہو کر اسے دیکھا۔ "فی الحال تو ایک ہی ہو گا۔"

رائج مسکرا کر سر ہلانے لگا۔ وہ بھی چہرہ پھیر کر شیشے میں دیکھنے لگی۔ وہ جا کیوں نہیں رہا تھا؟ اس سے بھی بڑھ کر، وہ اسے جانے کیوں نہیں دینا چاہتی تھی؟

ٹشو بدلنے کے لیے اس نے ہاتھ آگے بڑھایا تو رائج کی ہیزل آنکھیں اس کے بازو پر جا رکیں۔ وہ اس کی نظر کے ارتکاز سے غافل رہی۔ ظبیہ کچھ کہنے کو مڑی ہی تھی کہ اس کی آواز نے اسے کاٹا۔ ٹھنڈی، خاموش آواز۔

"وہ تمھیں مارتا ہے۔"

ظبیہ کی سانس، حتیٰ کہ اس کا دل بھی بند ہو گیا۔

استفسار نہیں کیا گیا تھا، بلکہ وہ تو اعلان تھا جو اس کے منہ پر تماچے سے بھی زیادہ قوت سے لگا تھا۔ اس کی دھڑکنیں تیز ہونے لگیں اور وہ لب کھولتے پیچھے گھومی۔

وہ اپنی صفائی بیان کرتی یا رائج کو دھتکار دیتی کہ اس کا اس کے ذاتی معاملات سے کوئی تعلق نہیں تھا، مگر سامنے کھڑے شخص کے اگلے الفاظ نے اسے وہیں روک دیا۔

"مارتا ہے، ہے ناں؟ اکیلی کیوں آئی ہو؟ کہاں ہے وہ؟ بیجنگ کیوں جا رہی ہو؟ کیا کرو گی وہاں؟ ابا کیسے ہیں تمھارے؟ کہاں رہتی ہو اب؟ پڑھائی جاری رکھی تھی؟ شادی کر کے خوش ہو؟ بچے۔۔۔"

"رائج!" اس کی آنکھوں میں پانی اتر رہا تھا۔

گرم، تازہ پانی۔ وہ بدحواس سی اسے دیکھے گئی، ہونٹ خشک تھے اور آنکھیں نم۔

وہ رک گیا، اس کی ہیزل آنکھیں کھل کر بند ہوئیں۔ ایک بار۔ دو بار۔ لب جدا ہوئے لیکن

Sufiyan-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

کوئی آواز باہر نہیں آئی۔ اسے بھی سانس نہیں آرہی تھی۔

"چپ ہو جاؤ!" ظبیہ نے آستین سے آنسو رگڑتے منت کی۔ "اللہ کے واسطے، چپ ہو جاؤ۔"

سامنے کھڑے مرد کی آنکھیں لال پڑ رہی تھیں۔ ضبط سے، کرب سے۔ "تم۔۔۔ تمھیں نرس کے پاس جانا چاہیے۔" اس نے باہر کی طرف اشارہ کیا۔ "چلو، میں لے چلتا—"

ظبیہ نے تیزی سے اس سے اپنا بازو دور کیا۔ اس حرکت میں اس کی کمر پیچھے بیسن سے ٹکرائی۔ درد کی لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں اوپر سے نیچے تک دوڑ گئی، لیکن وہ درد اس تکلیف کے مقابلے بے معنیٰ تھا جو اس کے دل میں اٹھ رہی تھی۔

"دور ہٹو!" وہ غرائی۔ "میرے اندر گرم سلاخیں نصب ہوں یا میرے کانوں سے سیسا بہے، اللہ مجھے تمھارا محتاج کبھی نہ بنائے۔"

رابح کی آنکھیں اس کے چہرے کی پور پور کو چھو گئیں۔ اس کی پیشانی کی وسعت سے لے کر آنکھوں کی بھوری چمک تک، اس کے گالوں کے نرم خم سے لے کر ہونٹوں کی نامعلوم سوجن تک۔

تین سے چار دفعہ آنکھیں جھپکتے، گلے میں بنتی گلٹی کو وہ پی گیا۔ سامنے کھڑی لڑکی سے نظریں ملاتے اس کے لب ایک معصوم مسکراہٹ میں ڈھلے۔

"میری بھی یہی دعا ہے۔"

Safar-e-Adab
BEING THE STRING OF YOUR KITE

مکمل ناول فری میں پڑھنے کے لیے یہاں کلک کریں۔

safareadab.com

سفر ادب کی جانب سے ناولوں کی پی ڈی ایف کاپی کو ہر غلطی سے ماورا بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ کسی بھی طرح کی غلطی پائی جانے پر اسے محض اتفاق سمجھا جائے۔ ہماری ٹیم کے تیار شدہ پی ڈی ایف کے تمام جملہ حقوق سفر ادب کے نام محفوظ کر لیے گئے ہیں۔ کسی ادارے یا شخص کی جانب سے ہمارے کام کو اپنے آفیشل استعمال میں لانے کی کوشش کو غیر قانونی سمجھ کر سفر ادب کی جانب سے کاروائی کی جا سکتی ہے۔

- ٹیم سفر ادب